سلسلۂ ناموران اسلام

نمبر دوم

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصّل سوانح عمری

مؤلفہ حضرت شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڈھ فیلو یونیورسٹی الہ آباد

حسب اجازت سید حسن شاہ صاحب مہتمم اتحاد لکھنو

سید ظہور الحسن مالک اخبار قومی رفیق و کارخانہ احسن التجارت دہلی کٹرہ نظام الملک کے

(جملہ حقوق بذریعہ) (سنہ ۱۹۰۸ء) (رجسٹری محفوظ ہیں)

قومی پریس دہلی میں چھپا

STATE LIBRARY
NOT TO BE ISSUED

مختصر فہرست کتب کارخانہ احسن التجارت دہلی زیر جامع مسجد

حمائل شریف مترجم - یہ حمائل شریف بہت خوش خط اور نہایت جانفشانی اور محنت سے تیار ہوئی ہے اور نیز اسکی صحت میں بہت ہی جانکاہی کیگئی ہے امید ہے کہ مسلمان اسے دیکھکر خوش ہونگے اس سے بہتر اور سستی حمائل دوسری جگہ نہیں ملیگی قیمت مجلد نقرئی اعلی درجہ کی فیجلد عہر

سفرنامہ روم و شام - شمس العلما مولنا شبلی نعمانی کا سفرنامہ جسمیں قسطنطنیہ بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے چشم دید حالات اور واقعات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات درج ہیں یہ کتاب قابل دید ہے عمدہ چکنے بڑ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے قیمت مجلد عہر

خیر الکلام فی احوال العرب و الاسلام اس کتاب میں جغرافیہ ملک عرب رسوم و حالات و کیفیت اقوام وغیرہ قبل اسلام اور مذاہب ہنود و بدھ و جین و تاؤ و کنفیوشس یہود و نصاریٰ و زردشت وغیرہ کے حالات درج ہیں یہ تاریخ دیکھنے کے لائق ہے مصنفہ جناب مولوی محمد عبد الحی صاحب وکیل۔ قیمت عام رسانی کی غرض سے صرف عہ فیجلد مقرر ہے

تاریخ بابل و نینوا - شہر بابل و نینوا کے حالات حیرت ناک - انکی تباہی و بربادی کے عبرت ناک واقعات وغیرہ درج ہیں یہ قدیم تاریخ آجتک نہیں چھپی تھی مترجمہ مولوی محمد علیخاں صاحب عرشی قیمت فی صرف عہر

المامون مصنفہ شمس العلما مولنا شبلی نعمانی اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے میں تمہید - ترتیب خلافت مامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت - ولیعہدی - تخت نشینی - اور خانہ جنگیاں - فتوحات ملکی - وفات کے حالات - دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جنسے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوسکتا ہے نیز اُن کارناموں کی تفصیل ہے جس کی وجہ سے مامون الرشید کا عہد حکومت عموماً شاہان اسلام کے عہد سے علمی حیثیت سے ممتاز تسلیم کیا گیا؛ مع رسالہ جزیہ قیمت فیجلد عہر

الہارون یعنی سوانح عمری خلیفہ ہارون الرشید اعظم مع نقشہ سلطنت عباسیہ و دار الخلافہ بغداد قیمت عہ

مقدس نازنین یا پوپ انگیز نہایت عجیب و غریب ہے مصنفہ شرر لکھنوی قیمت فی جلد عہر

ایام عرب کامل جاہلیت عرب کے معنی خیز حالات دلچسپ اور سراپا عبرت واقعات - اس وادی سرزمین کی سرگذشت جسپر بعد کو اسلام کی داغ بیل پڑی - قابل دید ہے مصنفہ شرر قیمت عہ

فردوس بریں نہایت ہی حیرت انگیز ناول ہے جیتے جی ملاء اعلےٰ کا سفر اور جنت الفردوس کی سیر اور لطف یہ کہ بالکل تاریخی مضامین فرقہ قرامطہ باطنیہ کی تاریخ وغیرہ قیمت فیجلد عہر

فلورا فلورنڈا - نہایت دلکش اور موثر ناول ہے اسپین کے عیسائیوں کا مجنونانہ تعصب اور اسلامی خلافت کا عدل انصاف قیمت عہ

فہرست مضامین حصہ اوّل الفاروق

نمبر شمار | مضمون | صفحہ

دیباچہ از صفحہ ۲ تا صفحہ ۱۷

۱ [illegible] ۲
۲ [illegible] ہر قوم میں موجود ہوتا ہے ؍؍
۳ [illegible] حیثیت۔ ؍؍
۴ [illegible] تاریخ کی ابتدا۔ ۳
[illegible] نبوی میں سب سے پہلی تصنیف ۴
[illegible] تاریخیں۔ ؍؍
[illegible] کی جو تصنیفات آج موجود ہیں ۵
[illegible] متاخرین کا دور۔ ۷
۹ متاخرین نے قدما کی خصوصیتیں چھوڑ دیں ؍؍
۱۰ تاریخ کی تعریف۔ ۸
۱۱ تاریخ کے لیے کیا چیزیں لازم ہیں۔ ؍؍
۱۲ قدیم تاریخوں کے نقص اور اسکے اسباب ۹
۱۳ واقعات کی صحت کا معیار ۱۰
۱۴ روایت ؍؍
۱۵ درایت ۱۱
۱۶ الفاروق میں قدیم تاریخوں کی کمی کس طرح پوری کی گئی۔ ۱۲
[illegible] کے اصول جنسے الفاروق [illegible] لیا گیا۔ ۱۳
۱۳۸
۱۳۹ درایت سے جن امور کا پتہ لگتا ہے ؍؍
۱۴۰ درایت کے بموجب واقعات کی [illegible] ۱۴
۱ [illegible] ۱۵
[illegible] اور انشا پردازی کا فرق ۱۶
[illegible] بے اعتدالی سے احتراز ؍؍
[illegible] کتاب کے متعلق چند امور قابل [illegible] ۱۷

[illegible] عمر کا نام و نسب سن رشد [illegible] از صفحہ ۱۷ تا صفحہ (۲۴)

۸۷
۸۸
۸۹ حضرت عمر کے جد امجد اور انکو جو [illegible] حاصل تھا ۱۷
۹۰ حضرت عمر کے برادر عم زاد زید ۱۹
۹۰ [illegible]

۲۷ حضرت عمر کی ولادت۔ ۲۱
۲۸ سن رشد۔ ؍؍
۲۹ نسب دانی کی تعلیم ۲۲
۳۰ فن پہلوانی کی تعلیم ؍؍
۳۱ شہسواری کی تعلیم اور مقرر ہونا۔ ؍؍
۳۲ لکھنے کی تعلیم ۲۳
۳۳ فکر معاش۔ ؍؍
۳۴ تجارت کے لیے سفر۔ ؍؍

۳۵ قبول اسلام از صفحہ ۲۴ تا صفحہ ۲۶ ہجرت از صفحہ ۲۶ تا صفحہ ۲۹

۳۶ حضرت عمر کی ہجرت۔ ۲۶
۳۷ حضرت عمر کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی۔ ۲۷
۳۸ حضرت عمر نے کہاں قیام کیا۔ ؍؍
۳۹ مہاجرین اور انصار میں اخوت ۲۸
۴۰ حضرت عمر کے اسلامی بھائی ؍؍
۴۱ اذان کا طریقہ حضرت عمر کی رائے کے موافق قائم ہوا۔ ۲۹

سنہ ۲ ہجری تا وفات رسول اللہ صلعم۔ از صفحہ (۲۹) تا صفحہ (۵۱)

۴۲ غزوہ بدر ۲ھ۔ ۳۰
۴۳ قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمر کی رائے۔ ۳۲
۴۴ غزوہ سویق۔ ۳۴
۴۵ غزوہ احد ۳ھ۔ [illegible]
۴۶ حضرت عمر کی واقعہ احد میں ثابت [illegible] نے کی بحث۔ [illegible]
۴۷ حضرت حفصہ کا عقد [illegible] کے ساتھ [illegible]
۴۸ واقعہ بنو نضیر ۴ھ ۳۸
۴۹ جنگ خندق یا احزاب ۵ھ ۶۲۷ء ۳۹

۵۱ حضرت عمر کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا
۵۲ جنگ خیبر ۷ھ ۶۲۹ء
۵۳ غزوہ حنین
۵۴ قرطاس کے واقعہ کی بحث۔

سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف از صفحہ (۵۱) تا صفحہ ۵۸

۵۵ سقیفہ [illegible] کے متعلق [illegible]

خلافت [illegible] صفحہ ۵۸ تا صفحہ [illegible]

۵۶ عراق و شام پر اسلامی حملہ کے اسباب

فتوحات عراق از صفحہ (۶۲) تا صفحہ [illegible]

۵۷ عراق پر لشکر کشی۔
۵۸ [illegible] مسلمانوں کی [illegible]

واقعہ بویب رمضان [illegible] (۶۹) تا [illegible]

۵۹ یزدگرد کی تخت [illegible] کی نئی تیاریاں
۶۰ حضرت عمر کا خو[illegible] نے نکلنا۔
۶۱ سعد وقاص کی [illegible]
۶۲ [illegible] کی ترتیب

حصہ

[illegible] فتح محرم ۱۴ھ ۶۳۵ء
صفحہ (۸۳) تا صفحہ ۹۸
[illegible] ۹۳
[illegible] ۹۰
[illegible] ۸۷
[illegible] ۸۸
[illegible] ۸۹
خیر معرکہ۔ ۹۱
[illegible] ۹۲
[illegible] کا [illegible] ۔۔
[illegible] کا [illegible]
بابل کی فتح۔ ۹۴
رابن کی فتح۔ ۹۶
اسلامی فوج کا عجیب [illegible] ۔۔
[illegible] کرنا
[illegible] کی تصویروں کا [illegible] ۹۷
[illegible] شتروں کی عجیب و غریب ۔۔
[illegible]
۱۶ھ ۶۳۷ء از صفحہ (۹۸)
شام تا صفحہ (۱۰۲)
[illegible] کے ابتدائی حالات ۹۹
[illegible] از صفحہ (۱۰۲) تا صفحہ (۱۰۳)
خالد کا [illegible] بہادری ۱۰۲ تا ۱۰۳

[illegible] فتح کی [illegible] ۸۶ ۹
یرموک ۵ رجب ۱۵ھ ۶۳۶ء از صفحہ (۱۱۱) تا صفحہ (۱۲۶)
[illegible] ۸۸ ۱۰
[illegible] سال
یرموک کے متعلق [illegible] ۸۵ ۔۔
واقعات
ایک عیسائی جاسوس کا مسلمان ہونا ۹۰ ۱۴
خالد کا [illegible] کرنا ۹۱ ۔۔
خالد کی تقریر۔ ۹۲ ۱۸
[illegible] خالد [illegible] سے ۱۱۹
فوج کو لڑانا
حبشیوں کا فوج کو جوش دلانا ۹۳ ۔۔
عورتوں کا لڑنا۔ ۹۵ ۱۲
عیسائیوں کا حملہ۔ ۹۶ ۔۔
معاذ بن جبل وغیرہ کی ہمت و ثابت قدمی ۹۷ ۱۲۱
خالد اور عکرمہ کا حملہ ۹۸ ۔۔
مسلمان افسروں کی دلیری اور ثابت قدمی ۹۹ ۱۲۲
ایک عجیب واقعہ۔ ۱۰۰ ۱۲۴
عیسائیوں کی شکست اور ان کے مقتولوں کی تعداد۔ ۱۰۱ ۔۔
قیصر کا قسطنطنیہ کو بھاگنا۔ ۱۰۲
حلب کی فتح۔ ۱۰۳ ۱۲۵
انطاکیہ وغیرہ کی فتح ۱۰۴ ۔۔
بیت المقدس ۱۶ھ ۶۳۷ء از صفحہ (۱۲۶) تا صفحہ (۱۳۰)
حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کو روانہ ہونا ۱۰۵ ۱۲۷
حضرت عمرؓ کے سفر کی سادگی ۱۰۶ ۔۔
حضرت عمرؓ کا بیت المقدس میں داخلہ ۱۰۷ ۱۲۹
حضرت بلال کا نماز کے وقت اذان دینا۔ ۱۰۸ ۔۔

بارہ کوشش [illegible] ۱۵ھ ۶۳۶ء از [illegible] تا صفحہ (۱۳۱)
[illegible] ۱۳۰
عیسائیوں کی ہر طرف سے [illegible] ۱۱۰ ۱۳۰
حضرت عمرؓ کا ہر طرف سے [illegible] ۱۱۱ ۔۔
[illegible]
حضرت عمرؓ کا خود دمشق کو روانہ ہونا ۱۱۲ ۱۳۱
عیسائیوں کی شکست ۱۱۳
حضرت خالد کا معزول
[illegible] ۱۳۱ تا صفحہ ۱۳۴
حضرت خالد کی معزولی سے متعلق تمام مورخوں کی غلطی۔ ۱۱۴ ۱۳۲
معزولی کے اصلی اسباب ۱۱۵
معزولی کی ترتیب۔ ۱۱۶
حضرت عمرؓ کا [illegible] کرنا کہ ۱۱۷
معزولی خیانت وغیرہ کی وجہ ۔۔
عمواس کی وبا ۱۸ھ ۶۳۹ء [illegible] تا صفحہ (۱۳۷)
حضرت عمرؓ کا شام کو [illegible] ۱۱۸
حضرت ابو عبیدہ کا [illegible] معرض ہونا ۱۱۹
معاذ بن جبل کی [illegible] ۱۲۰
عمرو بن العاص کا [illegible] ۱۲۱
حضرت عمرؓ کا [illegible] اپنا قائم مقام [illegible] روانہ ہونا ۱۲۲
[illegible] سادگی ۱۲۳
مناسب انتظامات ۱۲۴
قیساریہ کی فتح شوال ۱۹ھ ۶۴۰ء صفحہ
جزیرہ ۱۶ھ ۶۳۷ء از صفحہ (۱۳۴) تا صفحہ
تکریت کی فتح۔ ۱۳۵
جزیرہ کے اور مقامات کی فتح۔ ۱۳۶

شیا
لی ف
ق
لی فد
مدس ق
عات
ہیں یہ کتا
کاغذ پڑھا
کلاہ
۲۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	خوزستان	
۱۲۷	اہواز کی فتح۔	۱۳۹
۱۲۸	جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے انکا رہا ہونا۔	۱۴۰
۱۲۹	ہرمزان کی طیاریاں۔	۱۴۱
؍؍	ہرمزان کا امان طلب کرنا	۱۴۱
؍؍	ہرمزان کا [illegible]	
۱۳۲	ہرمزان کا اسلام لانا	۱۴۲
	عراق عجم سنہ ۲۱ھ ۶۴۲ء از صفحہ ۱۴۳ تا صفحہ (۱۴۹)	
۱۳۳	یزدگرد کا نئے سرے سے مسلمانوں پر حملے کے لئے فوجوں کا فراہم ہونا	۱۴۵
۱۳۴	ڈیڑھ لاکھ فوجوں کا فراہم ہونا	؍؍
۱۳۵	[illegible]	
۱۳۶	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ [illegible] کرنا اور بیش ہزار فوج روانہ کرنا	۱۴۶
۱۳۷	معرکہ کا شروع ہونا	؍؍
۱۳۸	جنگ کی تیاریاں۔	۱۴۷
۱۳۹	ضبط و استقلال کی ایک عجیب مثال	۱۴۸
۱۴۰	عجم کی شکست۔	؍؍
	ایران پر عام لشکر کشی سنہ ۲۱ھ ۶۴۲ء از صفحہ (۱۴۹) تا صفحہ (۱۵۲)	
۱۴۱	حضرت عمرؓ خود حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے	۱۴۹
۱۴۲	لشکر کشی کی وجہ۔	۱۵۰
۱۴۳	اصفہان کی [illegible]	۱۵۱
۱۴۴	ہمدان [illegible] کی فتح۔	؍؍
۱۴۵	آذربیجان سنہ ۲۲ھ ۶۴۳ء صفحہ (۱۵۲)	
۱۴۶	طبرستان سنہ ۲۲ھ ۶۴۳ء صفحہ (۱۵۳)	
۱۴۷	آرمینیہ صفحہ (۱۵۳)	
	فارس سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء از صفحہ (۱۵۴) تا صفحہ (۱۵۶)	
۱۴۸	فارس پر حملہ کرنے کا اتفاقی سبب	۱۵۵
۱۴۹	اصطخر فارس کا مفتوح ہونا۔	۱۵۶
۱۵۰	کرمان سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء صفحہ (۱۵۷)	
	سیستان سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء صفحہ (۱۵۷)	
۱۵۱	معاہدے کی پابندی کی ایک عجیب مثال	۱۵۷
۱۵۲	مکران سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء صفحہ (۱۵۸)	
	خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء از صفحہ ۱۵۸ تا صفحہ (۱۶۰)	
۱۵۳	یزدگرد کا خاقان چین سے مدد مانگنا	۱۵۹
۱۵۴	خاقان چین کی مدد سے یزدگرد کا مسلمانوں کے ساتھ معرکہ ہونا	۱۶۰
۱۵۵	یزدگرد کی ہزیمت۔	؍؍
	مصر کی فتح سنہ ۲۰ھ ۶۴۱ء از صفحہ (۱۶۱) تا صفحہ (۱۶۳)	
۱۵۶	فسطاط کا محاصرہ	۱۶۲
۱۵۷	حضرت زبیرؓ کی جانبازی اور فسطاط کی فتح	؍؍
۱۵۸	عمرو بن عاص اور عیسائیوں کی باہمی دعوتیں	۱۶۳
	اسکندریہ کی فتح سنہ ۲۱ھ ۶۴۱-۴۲ء از صفحہ ۱۶۳ تا صفحہ (۱۶۸)	
۱۵۹	قبطیوں کا مسلمانوں کو مدد دینا	۱۶۴
۱۶۰	اسلامی فوج کا قلعہ میں گھسنا	۱۶۵
۱۶۱	عمرو بن عاص کا محصور ہو جانا اور حکمت عملی سے بچ کر نکل آنا۔	؍؍
۱۶۲	عبادہ ابن صامت کا سپہ سالار بن کر حملہ کرنا	۱۶۶
۱۶۳	قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پیغام فتح لے کر جانا۔	؍؍
۱۶۴	حضرت عمرؓ کا اسیران جنگ کو اختیار دینا کہ جس مذہب کو چاہیں قبول کریں	۱۶۷
	حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ سنہ ۲۳ھ مطابق سنہ ۶۴۴ء از صفحہ ۱۶۸ تا صفحہ (۱۷۲)	
	(کل مدت خلافت دس برس چھ مہینے چار دن)	
۱۶۵	حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا کہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن کئے جائیں	۱۶۹
۱۶۶	خلافت کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کا تردد اور اسکا سبب	۱۷۰
۱۶۷	خلافت کے متعلق حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباس کی [illegible] [illegible] خلافت سمجھنا۔	
۱۶۹	حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے وقت کی وصیتیں	
۱۷۰	غیر مذہب والوں کے ساتھ ہمدردی	
۱۷۱	حضرت عمرؓ کے قرضہ کا [illegible]	

فہرست مضامین حصہ دوم الفاروق

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ از صفحہ (۱) تا صفحہ (۱۰)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	فتوحات فاروقی کی وسعت	۲
۲	فتح کے اسباب یورپین مورخین کی رائے کے موافق	۳
۳	یورپین مورخوں کی رائے کی غلطی	״
۴	فتوحات کے اصلی اسباب۔	۵
۵	سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ	۶
۶	فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص	۷ تا ۱۰

نظام حکومت از صفحہ (۱۰) تا صفحہ (۱۸)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷	حضرت عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری	۱۰
۸	جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ	۱۱
۹	عرب، فارس وغیرہ میں جمہوری حکومت نہ تھی	۱۲
۱۰	حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ [illegible]	״
۱۱	مجلس شوریٰ کے ارکان اور اسکے انعقاد کا طریقہ۔	۱۳
۱۲	مجلس شوریٰ کے جلسے۔	״
۱۳	ایک اور مجلس۔	۱۴
۱۴	حکومت میں عام رعایا کی مداخلت	۱۵
۱۵	خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا۔	۱۶
۱۶	حضرت عمرؓ نے ملکی انتظامات کے الگ الگ صیغے قائم کیے۔	۱۸

ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع عہدہ داران ملکی از صفحہ (۱۸) تا صفحہ (۳۱)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
[illegible]	حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے	۱۸
[illegible]	[illegible] کے صوبے	۱۹
۱۹	صوبوں کے افسر	[illegible]
۲۰	عہدہ داروں کے [illegible]	[illegible]
	[illegible]	
۲۱	عہدہ داروں کے [illegible] مجلس شوریٰ سے	[illegible]
۲۲	تنخواہ کا معاملہ۔	۲۴
۲۳	عاملوں کے فرائض میں [illegible]	״
۲۴	عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا	۲۵
۲۵	عاملوں کے مال و اسباب کی [illegible]	״
۲۶	زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی	۲۶
۲۷	عاملوں کی تنبیہ	۲۷
۲۸	عاملوں کی تنخواہات	״
۲۹	عاملوں کی تنخواہات کے لئے کمیشن	۲۸
۳	عاملوں کے ناجائز افعال پر نہایت سختی کے ساتھ گرفت۔	۲۸ تا ۲۹
۳۱	عاملوں کی تنخواہوں کا [illegible]	۳۰
	[illegible]	۳۱

صیغۂ محاصل (خراج) از صفحہ (۳۲) تا صفحہ (۴۵)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳	خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا۔	۳۲
۳۴	ممالک مفتوحہ کا اصلی باشندوں کے قبضے میں چھوڑنا اور اس امر میں صحابہ کا اختلاف۔	۳۳
۳۵	حضرت عمرؓ کا استدلال	۳۴
۳۶	عراق کا بندوبست۔	״
۳۷	افسران بندوبست۔	״
۳۸	عراق کا کل رقبہ	۳۵
۳۹	لگان کی شرح۔	״
۴	عراق کا خراج۔	۳۶
۴۱	زمیندار اور تعلقدار۔	״
۴۲	پیداوار اور آمدنی میں ترقی	״
[illegible]	[illegible]	۳۶
۴۴	[illegible] اصول [illegible]	״
۴۵	[illegible]	۳۷
۴۶	[illegible] مال گزاری	۳۸
۴۷	رومیوں کا [illegible]	۳۹
۴۸	حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ [illegible] کی	״
۴۹	شام میں خراج کا قدیم طریقہ	۴۰
۵۰	[illegible] مالگزاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات	۴۱
۵۱	ان اصلاحات کا ملکی اثر	۴۲
۵۲	بندوبست مالگزاری میں ذمیوں سے رائے لینا	۴۳
۵۳	ترقی زراعت	۴۴
۵۴	محکمۂ آبپاشی	
۵۵	خراجی اور عشری زمین کی تعریف	
۵۶	مسلمانوں کے ساتھ عشری زمین کی تخصیص کی وجہ	۴۵

اور قسم کی آمدنیاں از صفحہ (۴۶) تا صفحہ (۴۷)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۷	گھوڑوں پر زکوٰۃ	۴۶
۵۸	عشور	״

صیغۂ عدالت از صفحہ ۴۷ تا صفحہ (۵۵)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۹	محکمۂ قضا۔	۴۷
۶۰	رومن امپائر کے قواعد عدالت کا حضرت عمرؓ کے قواعد سے موازنہ۔	۴۸
۶۱	قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر	۴۹ تا ۵۱
۶۲	قضاۃ کا انتخاب	۵۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٦٣	حضرت عمرؓ کے زمانے کے حکام عدالت	٥٢
٦٤	قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا	٥٣
٦٥	رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل	″
٦٦	انصاف میں مساوات۔	٥٤
٦٧	آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا	″
٦٨	ماہرین فن کی شہادت	٥٥
٦٩	عدالت کا مکان	″

افتا از صفحہ (٥٦) تا صفحہ (٥٧)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٧٠	محکمہ افتا کی ضرورت۔	٥٦
٧١	حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی	٥٧
٧٢	ہر شخص فتوے دینے کا مجاز نہ تھا	″

فوجداری اور پولیس از صفحہ ٥٨ تا صفحہ ٥٩

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٧٣	جیلخانے کی ایجاد۔	٥٨
٧٤	جلاوطنی کی سزا	٥٩

بیت المال یا خزانہ از صفحہ (٥٩) تا (٦١)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٧٥	بیت المال پہلے نہ تھا	٥٩
٧٦	بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا	″
٧٧	بیت المال کے افسر	٦
٧٨	بیت المال کی عمارتیں	″
٧٩	جو رقم دار الخلافہ کے حوالے میں رہتی تھی۔	٦١

پبلک ورک یا نظارت نافعہ از صفحہ (٦٢) تا صفحہ (٦٦)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٨٠	حضرت عمرؓ نے جو نہریں تیار کرائیں	٦٢
٨١	نہر معقل۔	″
[illegible]	نہر سعد۔	٦٣
[illegible]	نہر امیر المومنین۔	″
[illegible]	نہر سویز کی تیاری کا ارادہ۔	″
[illegible]	حضرت عمرؓ کے عہد میں مختلف صیغوں کی عمارتیں۔	٦٤
[illegible]	دارالامارۃ	٦٥
٨٧	دفتر۔	″
٨٨	خزانہ۔	″
٨٩	قید خانے۔	
٩٠	مہمان خانے۔	″
[illegible]	سڑکوں کا انتظام	٦٦

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٩٢	مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں۔	٦٦

شہروں کا آباد کرنا از صفحہ (٦٧) تا صفحہ (٧٣)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٩٣	بصرہ۔	٦٧
٩٤	کوفہ	٦٨
٩٥	فسطاط	٧١
٩٦	فسطاط کی وسعت آبادی	٧٢
٩٧	موصل۔	٧٢
٩٨	جیزہ۔	٧٣

صیغۂ فوج از صفحہ ٧٤ تا صفحہ ٩٦

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٩٩	قدیم سلطنتوں کے فوجی انتظامات غیر مکمل تھے۔	٧٤
١٠٠	حضرت عمرؓ کے فوجی انتظام کی ابتدا	٧٥
١٠١	فوج کے رجسٹر کا مرتب ہونا۔	″
١٠٢	باقاعدہ فوج اور والنٹیر	٧٧
١٠٣	فوجی صدر مقامات۔	٧٩
١٠٤	صدر مقامات میں فوج کے لئے جو انتظامات تھے اُنکی تفصیل۔	″
١٠٥	فوجی بارکیں۔	″
١٠٦	گھوڑوں کی پرداخت۔	″
١٠٧	فوج کا دفتر	٨١
١٠٨	رسد کا غلہ۔	″
١٠٩	فوجی چھاؤنیوں کا قائم کرنا اور اُن کا بندوبست۔	٨٢ تا ٨٣
١١٠	فوجی چھاؤنیاں کن اُصول پر قائم کی تھیں۔	٨٤
١١١	فوجی دفتر کی وسعت۔	″
١١٢	ہر سال ٣ ہزار نئی فوج طیار ہوتی تھی	٨٥
١١٣	حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام کس زمانے تک قائم رہا اور اُسکے تغیر کے نتائج	″
١١٤	فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے۔	٨٥
١١٥	تنخواہوں میں ترقی۔	٨٧
١١٦	رسد کا انتظام۔	٨٨
١١٧	رسد کا مستقل محکمہ۔	٨٨
١١٨	خوراک اور کپڑا اور بھتہ۔	″
١١٩	تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ۔	٨٩
١٢	تنخواہ کی ترقی	٩٠
١٢١	اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم	″
١٢٢	بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام۔	″
١٢٣	آب و ہوا کا لحاظ۔	٩١
١٢٤	کوچ کی حالت میں فوج کی آرام کا دن	″
١٢٥	رخصت کے قاعدے۔	″
١٢٦	فوج کا لباس	″
١٢٧	فوج میں جراحی و محاسب مترجم	٩٢
١٢٨	فن جنگ میں ترقی۔	″
١٢٩	فوج کے مختلف حصے۔	٩٣
١٣٠	ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔	″
١٣١	قلعہ شکن آلات۔	٩٤
١٣٢	سفر مینا۔	″
١٣٣	خبر رسانی اور جاسوسی۔	٩٥
١٣٤	پرچہ نویسوں کا انتظام۔	٩٦
١٣٥	**صیغۂ تعلیم صفحہ (٩٧)**	

صیغۂ مذہبی از صفحہ (٩٧) تا صفحہ (١١٥)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
١٣٦	اشاعت اسلام کا طریقہ	٩٧
١٣٧	اشاعت اسلام کے اسباب	٩٩
١٣٨	حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے۔	١
١٣٩	حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی۔	١٠٣
١٤	قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدریس	١٠٤
١٤١	قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام	″
١٤٢	مکاتب قرآن	١٠٥
١٤٣	بدوؤں کو جبری تعلیم	″
١٤٤	کتابت کی تعلیم	″
١٤٥	قرّاء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مقامات پر بھیجا	
۱۴۶	تعلیم قرآن کا طریقہ	۱۰۶
۱۴۷	بدوؤں کی مسجد میں طلبۂ قرآن کی تعداد	״
۱۴۸	اشاعت قرآن کے اور وسائل	״
۱۴۹	حافظوں کی تعداد	״
۱۵۰	صحت اعراب کی تدبیریں	۱۰۷
۱۵۱	ادب اور عربیت کی تعلیم	״
۱۵۲	حدیث کی تعلیم	״
۱۵۳	فقہ	۱۰۸
۱۵۴	مسائل فقہ کی اشاعت کی مختلف تدبیریں	״
۱۵۵	پہلی تدبیر	״
۱۵۶	دوسری تدبیر	״
۱۵۷	تیسری تدبیر	۱۰۹
۱۵۸	چوتھی تدبیر	۱۱۰
۱۵۹	فقہ کی تعلیم کا انتظام	״
۱۶۰	فقہا کی تنخواہیں	۱۱۲
۱۶۱	معلمین فقہ کی رفعت شان	״
۱۶۲	ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا	״
۱۶۳	اماموں اور موذنوں کا تقرر	۱۱۳
۱۶۴	حاجیوں کی قافلہ سالاری۔	״
۱۶۵	مساجد کی تعمیر	״
۱۶۶	حرم محترم کی وسعت۔	۱۱۴
۱۶۷	حرم کی تجدید	״
۱۶۸	مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت	״
۱۶۹	مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام	۱۱۵

متفرق انتظامات از صفحہ (۱۱۶) تا صفحہ (۱۱۸)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷۰	سنہ ہجری کا مقرر کرنا	۱۱۶
۱۷۱	مختلف قسم کے رجسٹر	۱۱۷
۱۷۲	دفتر خراج	״
۱۷۳	بیت المال کے کاغذات کا حساب	״
۱۷۴	مصارف جنگ کے کاغذات	۱۱۸
۱۷۵	مردم شماری کے کاغذات۔	״
۱۷۶	کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ	״
	سکہ	״

ذمی رعایا کے حقوق از صفحہ (۱۲۰) تا صفحہ (۱۳۵)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷۸	قدیم سلطنتوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ	۱۲
۱۷۹	حضرت عمر نے ذمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔	״
۱۸۰	بیت المقدس کا معاہدہ	۱۲۱
۱۸۱	ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار دیا	۱۲۲
۱۸۲	بندوبست مالگزاری میں ذمیوں کا خیال۔	۱۲۳
۱۸۳	ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ۔	״
۱۸۴	ذمیوں کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی تاکید۔	۱۲۴
۱۸۵	مذہبی امور میں آزادی	۱۲۵
۱۸۶	مسلمان اور ذمیوں کی ہمسری	۱۲۷
۱۸۷	ذمیوں کی عزت کا خیال	۱۲۸
۱۸۸	سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک۔	״
۱۸۹	ذمیوں پر ان رعایتوں کا کیا اثر ہوا	۱۳۰
۱۹	ذمیوں کے حقوق کی نسبت غیر قوموں کی غلط فہمیوں کے وجوہ اور ان کا جواب۔	۱۳۱
۱۹۱	ذمیوں کو خاص لباس اور زنار کے استعمال کا کیوں حکم تھا	״
۱۹۲	صلیب اور ناقوس کی بحث۔	۱۳۲
۱۹۳	اصطباغ کی بحث	۱۳۳
۱۹۴	عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ	۱۳۴
۱۹۵	جزیہ کی بحث	۱۳۵

غلامی کا رواج کم کرنا از صفحہ ۱۳۶ تا صفحہ (۱۴۲)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۹۶	عرب کا غلام نہ ہو سکنا	
۱۹۷	ممالک مفتوحہ میں غلامی کو گھٹانا۔	۸
۱۹۸	حضرت شہربانو کا قصہ۔	۹
۱۹۹	شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ۔	۱۴۱
۲	غلاموں کے ساتھ مراعات	״
۲ ۱	غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا۔	״
۲۰۲	غلاموں میں اہل کمال کا پیدا ہونا	۱۴۲

سیاست و تدبیر عدل و انصاف از صفحہ (۱۴۳) تا صفحہ (۱۴۷)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲ ۳	عام سلاطین اور حضرت عمر کے طرز سیاست میں فرق	۱۴۳
۲۰۴	حضرت عمر کی مشکلات	۱۴۴
۲ ۵	حضرت عمر کی حکومت کی خصوصیتیں	۱۴۶
۲ ۶	اصول مساوات	״
۲ ۷	امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا	۹
۲ ۸	سیاست۔	۱۵
۲۰۹	عہدہ داران سلطنت کا انتخاب	۱۵۳
۲۱۰	بے لاگ عدل و انصاف	
۲۱۱	قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے واقفیت۔	۱۵۴
۲۱۲	واقفیت حالات کے لیے پرچہ نویس اور واقعہ نگار۔	۱۵۵
۲۱۳	بیت المال کا خیال۔	۱۵۶
۲۱۴	تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا	۵۸
۲۱۵	رفاہ عام کے کام۔	۹
۲۱۶	غربا اور مساکین کے روزینے۔	״
۲۱۷	مہمان خانے	״
۲۱۸	لاوارث بچے	״
۲۱۹	یتیموں کی خبر گیری	״
۲۲۰	قحط کا انتظام۔	۶۱
۲۲۱	رفاہ عام کے متعلق حضرت عمر کی نکتہ سنجی۔	״
۲۲۲	جزئیات پر توجہ۔	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الفاروق جسکا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے اوّل اوّل اُسکا نام زبانوں پر اِس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اُس کا ذکر آگیا تھا اس کے بعد اگرچہ مصنّف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا یہاں تک کہ اُس کے ابتدائی اجزا ابھی طیار نہیں ہو چکے تھے کہ تمام مُلک میں اِس سرے سے اُس سرے تک **الفاروق** کا لفظ بچّہ بچّہ کی زبان پر تھا۔

اِدھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رُک گیا اور اُس کے بجائے دوسرے دوسرے کام چھڑ گئے، چنانچہ اِس اثنا میں متعدّد تصنیفیں مصنّف کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوئیں۔ لیکن جو نگاہیں فاروق اعظم کے کوکبۂ جلال کا انتظار کر رہی تھیں اُن کو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سوء اتفاق یہ کہ مجکو الفاروق کی طرف سے بیدلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اُٹھا لیا تھا

لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں رہ رہ کر اس قدر بلند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا۔ بالآخر ۱۸۔ اگست سنہ ۱۸۹۴ عیسوی کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے پر اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی سوانح وقتاً فوقتاً اب بھی سدّ راہ ہوتے رہے یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا ناغہ پیش آگیا۔ لیکن چونکہ کام کا سلسلہ مطلقاً بند نہیں ہوا اس لیے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ دنوں کے لیے آرام لیا ؎ شکر کہ جمازہ بمنزل رسید ٭ زورقِ اندیشہ بساحل رسید ٭

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں تمہید کے علاوہ حضرت عمرؓ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحاتِ ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دوسرا حصہ مصنّف کی سعی و محنت کا تماشا گاہ ہے۔

اس کتاب کی صحتِ طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی کاپیاں میں نے خود دیکھیں اور بنائیں، لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجکو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس وادی کا مرد میدان نہیں۔ کاپیوں کے دیکھنے میں ہمیشہ میری نگاہ سے غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اور میں اُس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحبِ مطبع اجازت دیں تو ا کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تنہا مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں بہرحال کتاب کے آخر میں ایک غلطنامہ[1] لگا دیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام دے سکتا ہے

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نیا نظر آئیگا مثلاً اضافت کی حالت میں "مکہ" اور "مدینہ" کے بجائے "مکے" اور "مدینے" اور جمع کی حالت میں "موقع" اور "مج

---

[1] طبع ثانی میں غلطیاں درست کردی ہیں اسوجہ سے اب غلطنامہ کی ضرورت نہیں ہی ۱۲

کے بجائے "موقعے" اور "مجمعے" لیکن یہ میرا طریقِ املا نہیں ہے بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے اور وہ اسکے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح رضی نہ ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب **سلسلۂ آصفیہ** کی فہرست میں داخل ہے۔ لیکن پہلے سلسلۂ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست **شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی** بجمیع القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے وہ جس طرح بہت بڑے مصنف، بہت بڑے مترجم، بہت بڑے زباندان ہیں اُسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعتِ علوم و فنون کے بہت بڑے مربّی اور سرپرست ہیں اس دوسرے وصف نے اُنکو اس بات پر آمادہ کیا کہ اُنھوں نے **جناب نواب محمد فضل الدّین خان سکندر جنگ اقبال الدّولہ اقتدار المُلک سر وقار الامراء بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔** مدار المہام دولت آصفیہ خلدہا اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضورِ پُرنور رستم دوران افلاطون زمان فلک بارگاہ سپہ سالار **مظفر الممالک فتح جنگ ہز ہائینس نواب میر محبوب علیخان بہادر نظام الملک آصف جاہ سلطان دکن خلد اللہ ملکہ** کے سایۂ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو **سلسلۂ آصفیہ** کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعتِ قبول پائیں وہ اس سلسلے میں داخل کیجائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتدا سے جو التفات و توجہ رہی ہے اور جسکی بہت سی محسوس یادگاریں اسوقت موجود ہیں اُسکے لحاظ سے جناب ممدوح نے اِس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب **تمدّن عرب** جسکی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اسی

سلک کا ایک بیش بہا گوہر ہے۔

خاکسار کو ۱۸۹۶ء میں جناب نواب ممدوح کی پیشگاہ سے عطیہ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آیندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کیجائیں اسی بنا پر یہ ناچیز تصنیف بھی اِس مبارک سلسلے میں داخل ہے

جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جسمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر بنو اُمیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے جسکے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمن کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پُورا پُورا مطابق نہیں ہوتا تھا اس لیئے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع اُن اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی

مقام اعظم گڑھ

دسمبر ۱۸۹۸ء

سلسلہ

ناموران اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مفصل سوانح عمری کا

حصہ اول

جس میں حضرت عمر رض کے نام و نسب اور ولادت سے لیکر وفات تک کے حالات
اور فتوحات بالتفصیل درج ہیں

مؤلفہ

شبلی نعمانی

حسب اجازت سید حسن شاہ صاحب مہتمم اتحاد لکھنو
سید ظہور الحسن مالک اخبار قومی رفیق و کارخانہ احسن التجارت دہلی کٹرہ نظام الملک نے

اپنے قومی پریس دھلی میں چھپائی
سنہ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء

۱۲۳ ھ

حصّہ اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے ہمہ در پردہ نہاں راز تو　　بے خبر انجام۔ ز آغاز تو

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ۝

تمہید

تاریخ کا عنصر

تمدّن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جنکا ہیولے پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدّن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے مثلاً استدلال اور اثباتِ مُدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب اُن سے کام لیتے تھے، لیکن جب ارسطو نے اِن جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اُس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مُستقل فن بنگیا، تاریخ و تذکرہ بھی اِسی قسم کا فن ہے، دُنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا۔ تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے تفریح اور گرمی صحبت کے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لیئے پُرانی عادات رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں، اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اِس بنا پر عرب۔ عجم۔ ترک۔ تاتار۔ ہندی۔ افغانی۔ مصری۔ یونانی۔ غرض دنیا کی تمام قومیں فنِ تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا یکساں دعوے کر سکتی ہیں۔

لیکن اس عموم میں **عرب** کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خا

باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جنکو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً **انساب** کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آبا و اجداد کے نام اور اُن کے رشتے ناتے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا **ایام العرب** جسکی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں، یا **شاعری** جسکا یہ حال تھا کہ اُونٹ چرانے والے بدو جنکو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اس بنا پر۔ عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اُٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتدا ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ عموماً۔ ایک مدت کے بعد قائم ہوا اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی

امیر معاویہؓ المتوفی سنہ ۶۰ھ کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا، اور اسکو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اُسکو صنعاء سے بلایا، اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک و اخبار الماضیین لکھا ہے غالباً یہ وہی کتاب ہے جسکا مسودہ امیر معاویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد، عوانہ بن الحکم المتوفی سنہ ۱۴۷ھ

انکا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا اسنے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ سنہ ۱۲۵ھ میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصّل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا، اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی

سنہ ۱۴۳ھ میں جب تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی سنہ ۱۵۱ھ نے منصور عباسی کے لیئے خاص سیرۂ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مؤرخین کا دعوے ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی سنہ ۱۴۱ھ نے آنحضرت کے مغازی قلم بند کیئے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا اسلیئے اُن کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے؎۔

اسکے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور۔ مؤرخ پیدا ہوئے، جن میں ابو مخنف کلبی۔ واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ اِن لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے۔ قبائل عرب کے مناظرات جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک وفر بے پایاں تیار ہوگیا۔ اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جُدا تھا

اِس دور میں بیشمار مورخ گزرے۔ اِن میں جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور صحابہؓ کے حالات میں کتابیں لکھیں اُنکی مختصر سی فہرست یہ ہے۔

نام مصنّف	تصنیف	کیفیت
بنجیح مدنی	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور عائشہؓ کی لڑائی کا حال	

؎ تہذیب التہذیب و مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو ۱۲

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مؤرخ ہے۔
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی۔	امام بخاری کے استاد الاستاد تھے۔
عبد اللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸۰ھ	فتوحات خالد بن الولید۔	
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلعم وکتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔
ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی۔ المتوفی ۲۲۴ھ		اسنے آنحضرت اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی۔ اسماء الخلفاء وکتابہم	مدائنی کا شاگرد تھا۔
عبد الرحمن بن عبدہ	مناقب قریش۔	نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ	کتاب امراء الکوفہ۔ کتاب امراء البصرہ	مشہور مؤرخ ہے

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانہ میں لکھی گئیں، ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ والمتوفی ۲۷۶ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین تک اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں تاریخ میں اسکی مشہور کتاب **معارف** ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اسمیں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مؤرخ ہے۔
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی۔	امام بخاری کے استاد الاستاد تھے۔
عبداللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸۰ھ	فتوحات خالد بن الولید۔	
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلعم و کتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔
ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی۔ المتوفی ۲۲۵ھ		اسنے آنحضرت اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی۔ اسماء الخلفاء و کتابہم	مدائنی کا شاگرد تھا
عبدالرحمن بن عبدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ	کتاب امراء الکوفۃ۔ کتاب امراء البصرۃ	مشہور مؤرخ ہے۔

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں، اُن میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے چنانچہ ہم اُن کے نام اُن کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ والمتوفی ۲۷۶ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اسکی مشہور کتاب **معارف** ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اسمیں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی سنہ ۲۸۱ھ یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اسکی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں، خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیدن سنہ ۱۸۸۸ء میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفے سنہ ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ ہے، اگرچہ اسکا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے۔ لیکن خود اسکے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں اسنے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس ۱۲ بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اسکا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجکو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے چونکہ اسکو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اسلیئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اس کی کتاب جو **تاریخ یعقوبی** کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ میں بمقام لیدن سنہ ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحیٰی **البلاذری** المتوفی سنہ ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا اس کی وسعت نظر۔ اور صحتِ روایت۔ محدثین کے گروہ میں بھی مسلّم ہے، تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان۔ انساب الاشراف۔ پہلی کتاب کا یہ طرز ہے۔ کہ بلادِ اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں، اور اُن کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جسمیں حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ

کے ساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے

ابوالحسن علی بن حسین **مسعودی** المتوفی ۳۴۶ھ فنِ تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدما کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فنِ تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بے شمار مؤرخ گزرے جن میں سے ابن الاثیر- سمعانی- ذہبی- ابوالفداء- نویری- سیوطی- وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔ قدما کی جو خصوصیات تھیں، کھو دیں اور خود کوئی نئی بات نہیں پیدا کی۔ مثلاً قدما کی ایک یہ خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اسکے کہ اسپر کچھ اضافہ کر سکیں تغیر اور اختصار کے ساتھ اسکا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے مِن خیار التواریخ کہا ہے اور درحقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں، لیکن جہاں تک زمانے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اسمیں طبری سے زائد نہیں مل سکتی اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انھوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا وَھَلُمَّ جَرّاً۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی، وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اسکی بہت سی مثالیں آئینگی۔

قدما میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا، ایک اور خصوصیت قدما میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً اُن جزئیات کو لکھ جاتے تھے۔ جن سے تمدّن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اُسنے فلسفۂ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اُسکا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کے بجائے مدح و ستایش کا مستحق ہے۔

بہرحال **الفاروق** کی تالیف کے لیئے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہ یہی قدما کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے آج جو ترقی کی ہے اُس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کارآمد نہیں۔ اِس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیئے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ فن **تاریخ** کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔ تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیئے ہیں۔ اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے اِن دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔" ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے "اُن واقعات اور حالات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے"۔ یعنی چونکہ یہ مسلّم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدّن، معاشرہ، خیالات، مذاہب موجود ہیں۔ سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں۔ جو خواہ مخواہ اُن سے پیدا ہونے چاہیئے تھے اسلیئے اُن گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور اُن کو اِس طرح "ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ ہر موجودہ واقعہ گذشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا" اسی کا نام تاریخ ہے۔

اِن تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لیئے دو باتیں لازمی ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے۔ اُس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کیئے جائیں یعنی تمدّن، معاشرت

اخلاق - عادات - مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے -

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے -

قدیم تا
نقص کے
اسبا

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں - رعایا کے اخلاق - وعادات - اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا - فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا - یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں - بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا - اور ایسا ہونا مقتضائے اسباب تھا - ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا - اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی - اسلیے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا -

واقعات میں سلسلۂ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فنِ تاریخ ہمیشہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے - اس لیئے فلسفۂ تاریخی کے اصول و نتائج پر اُن کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی - یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایت کا پلہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جسقدر کام لیا گیا نہ لیئے جانے کے برابر تھا - اخیر اخیر میں ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اسکے اصول آئین منضبط کیے لیکن اُسکو اسقدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اُصولوں سے کام لے سکتا - اُس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اِس طرف خیال بھی نہ کیا -

ایک بڑا سبب جسکی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں اُنکو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے - مثلاً لڑائی کے واقعات فنِ حرب سے انتظامی اُمور قانون سے - اخلاقی تذکرے علم الاخلاق سے تعلق رکھتے ہیں - مؤرخ اگر ان تمام علوم کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اُسکی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک عامی

کمی ہو سکتی ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا پرداز کا گزر ہو جو انجینیری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرائے میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حُسن و خُوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اُس کے بیان میں خاص انجینیری کے علمی اُصول اور اُس کی باریکیاں ڈھونڈھی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اُصول پر کوئی معتدبہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مؤرخین خود قانون داں نہ تھے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن اُن لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اُصولِ قانون اُصولِ سیاست، علم الاخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

ات کی
ت میں معیار

یہ بحث تو اِس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جسقدر ہوتے ہیں اُنہیں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود اُن کی صحت کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں ایک روایت و درایت **روایت** سے یہ مُراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے۔ اُس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اسکے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہیں

درایت سے یہ مراد ہے کہ اُصولِ عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

اِس امر پر مسلمان بے شبہہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ اُنھوں نے جسقدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مُسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات کی تفحص اور تلاش سے بہم پہونچائے کہ اُسکو ایک مستقل فن بنا دیا جو فنِ رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیثِ نبوی کے لیے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے

محروم رہا۔ طبری، فتوح البلدان، طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجے پر پہنچا دیا ہے لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ انکو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم۔ ابن القیم خطابی ابن عبدالبر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جسقدر ترقی ہونی چاہیئے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے چنانچہ اپنی کتاب کے دیباجے میں لکھتا ہے

ان الاخبار اذا اعتمد فیها علی مجرد النقل و لم تحکم اصول العادۃ وقواعد السیاسۃ وطبیعۃ العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب فربما لم تؤمن فیها من العثور	خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کرلیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے خصائص کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر قیاس نہ کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لیئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں، کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کردیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں سے متعلق بیان کیے گئے ان کی آج کہاں تک تلافی کیجا سکتی ہے ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کمی کو پورا کرسکتے ہیں۔

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اسکی تلافی ہو سکتی ہے مثلاً الاحکام السلطانیۃ لابن الوردی و مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمرؓ کے طریق حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغہ قضا کے متعلق انکا طریق عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں انکی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان و التبیین للجاحظ میں اُنکے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے انکا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کیئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں اُنکے اخلاق اور عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں اُن کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

[1] یہ تمام تصنیفات میرے پیشِ نظر ہیں اور میں نے اُن سے فائدہ اُٹھایا ہے ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرتِ عمرؓ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لیئے میں نے دانستہ اُس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے **درایت** کے اُصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔

درایت کا فن اب ایک مستقل فن بنگیا ہے۔ اور اُس کے اُصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہوگئے ہیں ان میں سے جو اُصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

---

[1] ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ سیرۃ العمرین، اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانے میں ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں۔ باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔

۱۔ واقعہ جو بیان کیا گیا ہے اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲ اس زمانہ میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴ اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اسمیں اسکے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

۵ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس واقعہ کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔

۶۔ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قدر کے تغیرات پیدا کر دیے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جسقدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمرؓ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اسبات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر تعصب آتا گیا اسی قدر روایتیں خودبخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔ تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج طبری وغیرہ) میں یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جسوقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اسوقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں

ان کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے"

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تغلبیہ اور ذمی اہل کے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پہننے پر مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اسکی مفصل بحث آگے آئیگی

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں ان میں یہ حقیقت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جسقدر ان میں تنقیح ہوتی گئی ہے اُسی قدر مشتبہ اور نازک بحثیں کم ہوتی گئی ہیں فدک قرطاس سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعات **ابن عساکر، ابن سعد، بیہقی، مسلم، بخاری** سب نے نقل کیے ہیں لیکن جسقدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مدارج ہے اسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے ہیں یہاں تک کہ مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اسکا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئیگا۔

ان ہی اصولِ عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے۔ مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد مرتب ہوئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صف آرائی کی ترتیب، مبارزین کے سوال و جواب۔ ایک ایک بہادر کی حرکات لڑائی پہلوانوں کے داؤں پیچ اس قسم کی باتیں [illegible] کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا لیکن انتظامی اُمور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود تھے اس لیے اُنکی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں اکبر نے ہندوستان میں جو آئین و قواعد جاری کیے ایک ایک بچہ اُن سے واقف ہے اور اُنکی نسبت کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا جسکی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح ان کے لیے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اسلیے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے اُن کو شہرت تھی۔

حضرت عمر کے خطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیئے کہ جو فقرے زیادہ پر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہجاتے ہیں اور ان کی مدت تک چرچا رہتا ہے جن میں کوئی خاص ندرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطبوں کے وہ فقرے ضرور قابل اعتماد ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ **فقہ** کی حیثیت سے [illegible] رکھتے تھے۔

واقعات ان خلفاء کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اسکے ان کا ذکر آجاتا ہے ان کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہوگا مثلاً ہمارے مورخین رزم و بزم کی حکایتوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے عادی نہیں ہیں تاہم حضرت عمر کے عمال میں عدالت پولیس بندوبست مردم شماری وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے کہ جسقدر قلمبند ہوا اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے حضرت عمر کے زہد و قناعت ریاضت شاقہ اور خشیت کبریائی کی نسبت بکثرت روایتیں مذکور ہیں اور بے شبہہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے لیکن اسکے متعلق ان تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیے جو حلیۃ الاولیاء ابن عساکر کنز العمال ریاض النضرۃ وغیرہ میں مذکور ہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمی مجلس کا سبب ہوتی تھیں اور عوام ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے اس لئے ان میں خواہ نخواہ مبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے۔ اسکی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضرۃ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیا وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آجکل کی اعلیٰ درجے کی تاریخیں جنھوں نے قبول

ریخ اور
ازی
فرق

عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاپردازی سے مرکب ہیں اور اس طرز سے بڑھکر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہوسکتا لیکن درحقیقت تاریخ اور انشاپردازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اسکی ہیئت شکل سمت جہت اطراف اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے بخلاف اسکے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لیگا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائیگا جن میں کوئی خاص اعجوبگی ہے اور جن سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑتا ہے مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مورخ لکھیگا تو سادہ طور پر واقعہ کے تمام جزئیات بیان کردیگا لیکن ایک انشاپرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کریگا کہ سہراب کی مظلومی و بیکسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے یورپ میں آجکل جو بڑا مورخ گذرا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے رینکی ہے اسکی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اسکا ذاتی اعتقاد کیا ہے“

یہ امر بھی جتا دینا ضرور ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لئے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اسکا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اسقدر مخلوط نہ کرے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کرسکے۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لئے ایسی ترتیب اور انداز سے

لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل اُن کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اُصول تحریر کے متعلق چند اُمور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

۱ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں، اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آسکتے ہیں اس لیئے اِس قسم کے واقعات کتاب میں مکرّر آگئے ہیں۔ اور ایسا ہونا ضرور تھا لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جن خاص عنوانوں کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اُس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھلائی گئی ہے۔

۲ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انھیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابلِ تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفا و ریاض النضرۃ وغیرہ اُن کا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کر لی گئی تھی۔

غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند زدم مہر خموشی بر لب ــ کس چہ داند کہ دریں پردہ چہ سودا کردم
پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزان بنمود ــ لختے از ذوق۔ خودش نیز تماشا کردم
محفل از بادۂ دوشینہ نیاسودہ ہنوز ــ بادۂ تُند تراز دوش بہ مینا کردم
باز خواہم کہ دمم در تنِ اندیشہ رواں ــ من کہ دریوزۂ فیض از دمِ عیسےٰ کردم
ہمنشیں نکتہ حکمت ز شریعت می جُست ــ لختے از نسخۂ روح القدس املا کردم ۲۳
شاہدِ راز کہ کس پردہ ز رویش نگرفت ــ گرہ از بند قبایش بہ فسوں۔ وا کردم
بسکہ ہر بار گہر پاش گذشتم زیں راہ ــ دشتِ معنے ہمہ پر لولوی لالا کردم

نام ونسب ۔ سنِ رشد و تربیت

سلسلۂ نسب یہ ہے **عمر** بن خطاب بن نفیل بن عبد العُزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قُرط بن رزاح بن **عدی** ۔ بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً **عدنان** یا **قحطان** کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ ان ہی کی اولاد ہے جو **قریش** کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا۔ اور اُن کے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے۔ یعنی ہاشم ۔ امیہ ۔ نوفل ۔ عبد الدار ۔ اسد ۔ تیم ۔ مخزوم ۔ عدی ۔ جمح ۔ سہم ۔ حضرت عمر عدی کی اولاد سے ہیں عدی کے دوسرے بھائی **مرۃ** تھے جو رسول اللہ صلعم کے اجداد سے ہیں اس لحاظ سے حضرت عمر کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلعم سے آٹھویں پشت میں جا کر ملجاتا ہے۔

قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور تھے اسلیے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی اُن پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے اُن لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہوگئے تھے۔ اور ہر صیغے کا اہتمام جدا جدا تھا مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی حُجاج کی خبرگیری سفارت شیوخ قبائل کا انتخاب ۔ فصل مقدمات ۔ مجلس شوریٰ وغیرہ وغیرہ ۔ عدی ۔ جو حضرت عمر کے جدّ اعلیٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے، یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے[1]۔ اسکے ساتھ **منافرہ** کے معرکوں میں ثالث بھی یہی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو فضیلت کا دعوے ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اُس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے کبھی کبھی ان جھگڑوں کو طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے جو لوگ اِن معرکوں میں حکم مقرر کیے جاتے اُن میں معاملہ فہمی کے

---

[1] یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے۔

علاوہ، فصاحت اور زورِ تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا تھا۔ یہ دونوں منصب **عدی** کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

حضرت جد امجد

حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے جدِ امجد عبد المطلب اور حرب بن اُمیہ میں جب ریاست کے دعوی پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے

اتنافر رجلاً هو اطول منك قامةً واوسم وسامةً واعظم منك هامةً واكرم منك ولدًا واجزل منك صفدًا وانى لاقول هذا وانك لبعيد الغضب رفيع الصوت في العرب جلد المريرة لحبل العشيرة۔

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو۔ خطّاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے **زید** جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجہ شخص تھے وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بُت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور مُوحّد بن گئے تھے۔ ان میں **زید** کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل۔

زید۔ بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ بُرا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے۔ اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمرؓ کے والد، خطّاب۔ سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطّاب نے اس قدر انکو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے۔ اور حرا میں جا رہے تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے اُن کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے دو شعر یہ ہیں۔[1]

---

[1] زید کا مفصل حال اسد الغابہ، کتاب الاوائل اور معارف ابن قتیبہ میں ملیگا۔

اَرَبًّا واحدًا ام الف ربٍّ	ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں کو؟ میں نے
اَدِيْنُ اِذَا تقسّمتِ الامورُ	لات اور عزّیٰ دونوں کے نام سے اسکو
تَرَكتُ اللاتَ وَالعُزّٰى جَمِيْعًا	خیرباد کہا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی
كَذٰلِكَ يَفعَلُ الرَّجُلُ البَصِيْرُ	کرتا ہے۔

ت عمر کے خطاب

خطّاب حضرت عمر کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے[1] قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اس لیے غلبہ انھیں کو رہتا تھا عدی کے تمام خاندان نے جس میں **خطّاب** بھی شامل تھے۔ مجبور ہوکر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اسپر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطّاب نے یہ اشعار کہے

ابو عدیٍ ابو عمرٍو ودونی　　رجالٌ لا ينهنهها الوعيدُ
رجالٌ من بني سهم بن عمرو　　الى آبائهم يأوي الطريدُ

کُل آٹھ شعر ہیں اور علّامہ ازرقی نے تاریخ مکّہ میں اُنکو تمامہا نقل کیا ہے عدی کا تمام خاندان مکّہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا لیکن جب انھوں نے بنو سہم سے تعلّق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ بیچ ڈالے، لیکن خطّاب کے متعدد مکانات صفا میں بھی باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمر کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا و مروۃ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانے میں اُسکو ڈھاکر حاجیوں کے اُترنے کے لیئے میدان بنادیا لیکن اُس کے متعلق بعض دُکانیں مدت تک حضرت عمر کے خاندان کے قبضے میں رہیں[2]۔

خطاب نے متعدد شادیاں اُونچے اُونچے گھرانوں میں کیں، چنانچہ حضرت عمر کی ماں جنکا نام حنتمہ تھا ہشام بن المغیرۃ کی بیٹی تھیں۔ مغیرۃ اِس رتبے کے آدمی تھے۔ کہ جب قریش کسی قبیلے سے لڑنے

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ۔ [2] تاریخ مکہ للازرقی ذکر رباع بنی عدی بن کعب۔

سے بیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے انکو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا حضرت خالد انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمر مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں عمرو بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً ایک غل اٹھا دریافت سے معلوم ہوا کہ **خطاب** کے گھر بیٹا پیدا ہوا" اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر **فاروق اعظم** ہونے والا ہے۔ تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جسکا یہاں نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔

سن رشد کو پہنچکر خطاب ان کے باپ نے انکو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اسکا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب قدید سے ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر کا ادھر سے گزر ہوا تو انکو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ "اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں۱؎"

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں رائج تھا

۱؎ طبقات ابن سعد

معمول تھے۔ عرب میں اسوقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمۂ شرافت خیال کی جاتی تھیں نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی۔ اور مقرّری تھی۔ نسب دانی کا فن حضرت عمرؓ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اور اُن کے باپ اور دادا نفیل۔ تینوں بہت بڑے نسّاب تھے[1]، غالباً اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں جیساکہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور فیصلۂ منافرہ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور اُن کے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطّاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا یہاں تک کہ **عکاظ** کے دنگل میں معرکے کی کُشتیاں لڑتے تھے۔ عکاظ۔ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلا لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہلِ فن جمع ہوکر اپنے کمالات کے جوہر دکھلاتے تھے، اس لئے صرف وہی لوگ یہاں پیش ہوسکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے نابغہ ذبیانی۔ حسان بن ثابت۔ قس بن ساعدہ۔ خنسا، جنکو شاعری اور ملکۂ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بسند۔ یہ روایت نقل کی ہے کہ "**عکاظ** کے دنگل میں کُشتی لڑا کرتے تھے" اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس فن میں پُورا کمال حاصل کیا تھا شہسواری کی نسبت اِن کا کمال عموماً مُسلّم ہے چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اُچھل کر سوار ہوتے تھے اور اِس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہوجاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مؤرخین نے باتفاق

---

[1] کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱ و ۱۲۲۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیدیا تھا اور یہ منصب صرف اُس شخص ہو سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ کہ حضرت عمر شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار اُنکو یاد تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق اُنھوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی زمانے میں اُنھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے بسند لکھا ہے کہ جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے اُن میں سے ایک عمر بن خطاب تھے۔[1]

ان فنون سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لیے اُنھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل اُن کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا وہ تجارت کی غرض سے دُور دُور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی یہ تمام اوصاف جو اُن میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب ان ہی سفروں کی بدولت تھے۔ ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے ان پر توجہ نہیں کی، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ۔

و الا ذہ	ولعمر بن الخطاب اخبار كثيرة في اسفاره	عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام
پر پہنچے	في الجاهلية الى الشام والعراق مع كثير	کے جو سفر کیے اور اُن سفروں میں جس طرح وہ عرب و عجم

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۱—

مِنْ مُلُوکِ العَرَبِ، والعجم، وَقَدْ اَتَیْنَا	کے بادشاہوں سے ملے اس سے متعلق بہت
علی مبسوطہا فی کتابنا اخبار الزّمان	سے واقعات ہیں جنکو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی
وَالکتابِ الاوسط	کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت ہوئی کہ ناپید ہو چکیں، میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے اِن حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جسکی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں حضرت عمرؓ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن اُن میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے انکو تمام عرب میں روشناس کر دیا اور لوگوں پر اُن کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے انکو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پُرخطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے ×

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل نامانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ سے بالکل بیگانہ تھے۔ اِن کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ اُن کے خاندان میں ایک کنیز تھی

اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا ع

آمد آں یارے کہ ما مے خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں" انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں"۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے لیکن آواز اِن کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو" یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب اُن کی بہن بچانے کو آئیں تو انکی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ اُن کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اسی حالت میں اُن کی زبان سے نکلا کہ عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا۔ اِن الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، اُن کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجکو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اُٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ایک ایک لفظ پر اِن کا دل مرعوب ہوتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلعم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچکر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے، اور اس تازہ واقعہ سے کسی کو اطلاع نہ تھی، اس لئے صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہ نے کہا کہ "آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر، ورنہ اسی کی تلوار سے اسکا سر قلم کردیا جائیگا"۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور انکا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پُر رعب آواز نے انکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لئے"۔ آنحضرت بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں[1]

حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کردیا، اسوقت تک اگرچہ ۴۰-۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کرسکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا حضرت عمر کے اسلام کے ساتھ دفعتہ یہ حالت بدل گئی۔ انھوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اول اول انپر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعود کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَیْشًا حَتّٰی صَلّٰی عِنْدَ الْکَعْبَۃِ وَصَلَّیْنَا مَعَہٗ یعنی جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اُن کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔

حضرت عمر کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔

ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے،

---

[1] انساب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد واسد الغابہ وابن عساکر وکامل ابن الاثیر۔

لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا، انکی بے پروائی، غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آگئے تو **قریش** نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا۔ حضرت ابوطالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن اُن کے انتقال کے بعد کفّار ہر طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جسکو جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اسکی تفصیل ایک نہایت درد انگیز داستان ہے

اسی اثنا میں۔ مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اسلیئے آنحضرت نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں ملتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں سب سے پہلے ابوسلمہ عبد اللہ بن اشہل پھر حضرت بلال مؤذن اور عمار یاسر نے ہجرت کی، ان کے بعد **حضرت عمر** نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینے کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ زید بن خطاب سعید بن زید بن خطاب۔ خنیس بن حذافہ سہمی عمرو بن سراقہ عبد اللہ بن سراقہ واقد بن عبد اللہ تمیمی۔ خولی بن ابی خولی۔ مالک بن ابی خولی ایاس بن بکیر۔ عاقل بن بکیر۔ عامر بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ ان میں سے زید حضرت عمر کے بھائی۔ سعید بھتیجے خنیس داماد۔ اور باقی دوست احباب تھے

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی۔ مہاجرین زیادہ تر قبا میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر بھی یہیں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قبا کو عوالی بھی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی یہاں تک کہ سنہ ۱۳ نبوی میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طلوع ہوا۔

اجرین اور
ار میں اخوت

مدینہ پہنچکر سب سے پہلے آنحضرت نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا، انصار کو بلاکر اُن میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جسکا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا انصاری اُسکو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا۔ اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے۔ اس رشتے کے قائم کرنے میں آنحضرت طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرقِ مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اُسی رتبے کے انصاری کو اُسکا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کو جسکا بھائی قرار دیا اُن کا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلۂ بنی سالم کے سردار تھے۔[1]

ت عمر کے
می بھائی

آنحضرت کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قبا ہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمر بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دیکر بالالتزام آنحضرت کے پاس جاتے اور دن بھر خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ اُن کے برادرِ اسلامی عتبان بن مالک آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت سے سُنتے حضرت عمر سے جاکر روایت کرتے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینے میں پہنچکر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معیّن کیے جائیں کیونکہ مکّہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ ابتک روزہ۔ زکوٰۃ۔ نمازِ جمعہ۔ نمازِ عید۔ صدقۂ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں، یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معیّن ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت نے اسکا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لیئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لیئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے

---

[1] دیکھو سیرۃ ابن ہشام۔ حافظ ابن حجر نے مقدمۂ فتح الباری (صفحہ ۱۳۲) میں عتبان کے بجائے اوس بن خولی کا نام لکھا ہے اور اُسی کی تصحیح کی ہے لیکن تعجب ہے کہ خود علامۂ موصوف نے اصابہ میں ابن سعد کے حوالے سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے، اور اوس بن خولی کا جہاں حال لکھا ہے، حضرت عمر کی اخوت کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

کہ یہ خود آنحضرت کی تجویز تھی، بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمرؓ آ نکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لیئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اسی وقت حضرت بلال کو **اذان** کا حکم دیا۔[1]

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان، نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے، حضرت عمرؓ کے لیئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم ان ہی کے رائے کے موافق قائم ہوا۔

سنہ ۲ ہجری تا وفات رسول اللہ صلعم

غزوات و دیگر حالات

سنہ ۲ ہجری سے آنحضرت کی وفات تک، حضرت عمر کے واقعات اور حالات، درحقیقت سیرتِ نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت کو جو لڑائیاں پیش آئیں، غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے، وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کیئے گئے، اشاعتِ اسلام کے لیئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں، ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ **سیرۃ** نبوی سے بدل جاتا ہے، کیونکہ حضرت عمر کے یہ کارنامے، گو کتنے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ کے سلسلۂ حالات سے وابستہ ہیں اسلیئے جب قلمبند کیئے جائیں گے تو تمام واقعات کا **عنوان** رسول اللہ کا نام نامی قرار پائے گا اور حضرت عمر کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے۔ اسلیئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمر کا خاص تعلق ہے انکو کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمر کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے۔ اُسکی اصلی شان قائم نہیں رہتی، تاہم اسکے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاذان۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اُن واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائیگا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے اُنھوں نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ صرف اِسقدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے لیکن آنحضرت نے خبر پاکر اُن کے روکنے کے لیے تھوڑی تھوڑی سی فوجیں بھیجدیں اور وہ وہیں رُک گئے۔

سنہ ۲ھ میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اسکی ابتدا یُوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لیکر شام سے واپس آرہا تھا۔ راہ میں یہ (غلط) خبر سُن کر کہ مُسلمان اُسپر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ اُمنڈ آیا۔ رسول اللہ صلعم یہ خبر سُن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لُوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہوسکتی اُسمیں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ إِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ	جیسا کہ تجکو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے (مدینہ) سچائی پر نکالا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اسکو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے۔

اِن آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منھ میں جانا ہے۔

(۲) مدینے سے نکلنے کے وقت۔ کافروں کے دو گروہ تھے ایک عِیرذَاتِ الشَّوکَۃِ یعنی ابو سفیان کا کاروانِ تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکّہ سے حملہ کرنے کے لیئے سرو سامان کے ساتھ نکل چکا تھا اس کے علاوہ ابو سفیان کے قافلے میں کُل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے تین سو آدمی ۴۰۔ آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منھ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے اسلیئے اگر آنحضرت قافلے کے لوٹنے کے لیئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان اُن کے مقابلے کو موت کے مُونھ میں جانا سمجھتے تھے

بہرحال ۸۔ رمضان سنہ۲ ہجری کو آنحضرت ۳۱۳۔ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ منورّہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریبًا ۶ منزل ہے۔ معرکہ ہوا اور کفار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴۔ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸۔ انصار تھے قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے، مقتولین میں ابو جہل۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، اور بڑے بڑے روسا، مکہ تھے اور اُن کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر، جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے۔ لیکن اُن کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر کے قبیلے میں سے ایک متنفّس بھی شریکِ جنگ نہیں ہوا[1]۔ اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے صرف حضرت عمر کے

---

[1] طبری کبیر ص ۱۲۹۷ و لم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منھم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج منھم رجل واحد

رعب و داب کا اثر تھا۔

(۲) حضرت عمرؓ کے ساتھ اُن کے قبیلہ اور خلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے، جن کے نام یہ ہیں: زید۔ عبد اللہ بن سراقہ۔ عمرو بن سراقہ۔ واقد بن عبد اللہ۔ خولی بن ابی خولی۔ مالک بن ابی خولی۔ عامر بن ربیعہ۔ عامر بن بکیر۔ عاقل بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ ایاس بن بکیر

(۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام تھا[1]۔

(۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمرؓ کا ماموں تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا[2]۔ یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر۔ اُن پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا چنانچہ یہ واقعہ اسکی پہلی مثال ہے۔

اس معرکے میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے اُن کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور اُن میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے مثلاً حضرت عباس۔ عقیل۔ (حضرت علیؓ کے بھائی) ابو العاص بن الربیع۔ ولید بن الولید۔ اِن سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا۔ جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ کی زوجہ مبارکہ سودہ کی نظر جب اُن پر پڑی تو بے اختیار بول اُٹھیں کہ اَعْطَیْتُمْ بِاَیْدِیْکُمْ ھَلَّا مُتُّمْ کِرَامًا[3]

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ اِن لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ نے تمام صحابہ سے رائے لی اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں، اس لیے اِن سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں اِن سب کو قتل کر دینا چاہیئے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۴۹۰ [2] ابن ہشام صفحہ ۵۰۹ و استیعاب۔

[3] تم مطیع ہو کر آئے ہو، شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے؟

تو آپ [illegible] رشتے [illegible] علی عقیل کی گردن ماریں، حمزہ، عباس کا سر اڑا دیں، اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اسکا کام میں تمام کردوں۔

آنحضرت نے شان رحمت کے اقتضا سے حضرت ابوبکر کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ الخ	کسی پیغمبر کے لیئے یہ زیب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جبتک کہ وہ خوب خونریزی نہ کرلے۔

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹا دیا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا آنحضرت۔ جب مدینہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئیگا تو مسلمانوں کی مدد کرینگے، لیکن جب آنحضرت بدر سے فتحیاب آئے تو انکو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں، چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ "قریش والے فن حرب سے نا آشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اسکو کہتے ہیں" نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا، توڑ ڈالا۔ آنحضرت نے شوال سنہ ۲ ہجری میں ان پر چڑھائی کی اور بالآخر وہ گرفتار ہوکر مدینہ سے جلاوطن کردیئے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اسکی ابتدا اسی سے ہوئی تھی۔

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے۔ ابو سفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لونگا غسل تک نہ کرونگا چنانچہ ذوحجہ سنہ ۲ھ میں دو سو شتر

۱؎ طبری صفحہ ۱۳۵۵۔

سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچکر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا اور انکو قتل کر دیا رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپنے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اِس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں جنگ اُحد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

اِس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور اور بہت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جاکر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے، ابوسفیان نے قبول کیا اور اُسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہوگئے۔ ابوسفیان اِن سب کا سپہ سالار بن کر بڑے سروسامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور ماہِ شوال بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچکر مقام کیا، آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھیر کر قریش کا حملہ روکا جائے، لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرت مجبور ہوکر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جسمیں دو سو سوار اور ۷۰۰ سو زرہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے (اُس وقت تک یہ دونوں صاحب اسلام نہیں لائے تھے) اِدھر کُل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں سو زرہ پوش اور صرف دو سو سوار تھے۔ مدینہ سے قریبًا تین میل پر اُحد ایک پہاڑ ہے۔ اُسکے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں آنحضرت نے عبداللہ بن جبیر کو ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ اُدھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

۷۔ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لیکر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، ابودجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور اُنکی صفیں اُلٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہوچکا اِس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوئے

تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعۃً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔ مسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اِس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفّار نے رسول اللہ صلعم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے پیشانی پر زخم آیا، اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ اِس کے ساتھ آپ ایک گڈھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظر سے چھپ گئے" اِسی برہمی میں یہ غُل پڑ گیا کہ رسول اللہ مارے گئے۔ اِس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو اور متزلزل کر دیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔

اِس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت کے ساتھ اخیر وقت تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اُحد میں آنحضرت کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد نے ۱۴ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اِسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں[1]۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اِن روایتوں میں اِس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب اِدھر اُدھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعۃً عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا، لوگ آنحضرت کے پاس پہنچتے گئے"

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ اُنھوں نے مدینے سے اودھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے **حضرت عمر** اِس تیسرے گروہ میں تھے۔ علامۂ طبری نے بسند متصل جسکی رواۃ ابن حمید، سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبد الرحمٰن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اِس موقع پر جب

---

[1] پوری تفصیل فتح الباری مطبوعۂ مصر جلد ہفتم صفحہ ۲۷۰ میں ہے۔

انس بن نضر نے حضرت عمر اور طلحہ اور اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہکر کیا کرو گے؟ تم بھی اُنہی کی طرح لڑکر مرجاؤ" یہ کہکر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔[1] قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ پر کیا گزری؟ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس نے کہا رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے" یہ کہکر تلوار میان سے کھینچ لی اور اسقدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔[2] ابن ہشام میں ہے کہ انس نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر کے ساتھیوں میں طلحہ کا نام بھی ہے اور یہ مُسلم ہے کہ اس معرکہ میں اُن سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا بہرحال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمر میدانِ جنگ سے نہیں ہٹے اور جب آنحضرت کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمتِ اقدس میں پہنچے۔ طبری اور سیرت ابن ہشام میں ہے۔

فلما عرف المسلمون رسول الله نهضوا به ونهض نحو الشعب معه عليٌّ بن ابى طالب و ابو بكر بن ابى قحافه وعمر بن الخطّاب و طلحة بن عبيد الله والزبير بن العوام والحارث بن صمة	پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لے کر پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے اسوقت آپ کے ساتھ حضرت علی، حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر، طلحہ بن عبید اللہ زبیر بن العوام۔ اور حارث بن صمہ تھے۔

علامہ بلاذری صرف ایک مؤرخ ہیں جنھوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر کے حال میں یہ لکھا ہے۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۰۴۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۵۔

وكان ممن انكشف يوم أحد فغفر له۔	یعنی حضرت عمرؓ ان لوگوں میں سے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے لیکن خدا نے انکو معاف کر دیا۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبد اللہ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں، کیونکہ اسکا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبد اللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اسکے کہ درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جسکو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصولِ روایت کے لحاظ سے بھی ہم اسپر اعتبار نہیں کر سکتے۔ علامۂ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے انمیں عباس بن عبد اللہ الباکسائی اور غیض بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اسکے علاوہ اور تمام روایتیں اسکے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے، رسول اللہ اسوقت تیس صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھکر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا[1]۔

ابو سفیان سالارِ قریش درہ کے قریب پہنچکر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں یا نہیں؟ آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابو سفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لیکر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے" حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا، "او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں" ابو سفیان نے کہا اعلُ ھبل یعنی "اے

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۷۷ و طبری صفحہ ۱۴۱۱۔

ہبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو۔ رسول اللہ نے حضرت عمر سے فرمایا جواب دو اللّٰہُ اعلیٰ و اجلّ ”یعنی خدا بلند و برتر ہے“۔[1]

اس سال حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن خذافہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمان سے درخواست کی۔ وہ بھی چپ رہے۔ کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شعبان سنہ ۳ھ میں آنحضرت نے حفصہ سے نکاح کیا۔

سنہ ۴ھ ۶۲۶ء میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے آنحضرت نے اُن سے صلح کا معاہدہ کرلیا تھا۔ اِن میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقض عہد کیا اور اس جرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ سنہ ۴ھ میں آنحضرت ایک معاملے میں استعانت کے لیے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ اِن لوگوں نے ایک شخص کو جسکا نام عمرو بن حجاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت کے سر پر پتھر کی سِل گرا دے۔ وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت کو خبر ہوگئی۔ آپ اُٹھکر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ اُنھوں نے انکار کیا اور مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت نے اُن پر قابو پاکر جلاوطن کردیا، چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے۔ کچھ خیبر میں جاکر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کرلی۔[2]

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب بڑے بڑے معزز لوگ

---

[1] سیرت ہشام صفحہ ۵۸۲ و طبری صفحہ ۱۴۱۷۔ [2] طبری صفحہ ۱۴۵۲۔

تھے یہ لوگ خیبر میں پہنچکر مطمئن ہوئے تو آنحضرت سے انتقام لینا چاہا۔ مکہ معظمہ میں جاکر قریش کو ترغیب دی قبائل عرب کا دورہ کیا، اور تمام ملک میں ایک آگ لگادی۔ چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم نیچے جمع ہوگئے اور شوال ۵ھ میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا آنحضرت نے مدینے سے باہر نکل کر سلع[1] کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اس لیے کفار کو اسکی کچھ تدبیر بن نہ آئی مجبوراً محاصرہ کرکے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کردی ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق اتر کر حملہ کرتے تھے آنحضرت نے اس غرض سے خندق کے ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائے ایک حصے پر **حضرت عمر** معین تھے چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے زبیر کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کردی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اسقدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا رسول اللہ نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی[2]

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پانسو سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا اس کے مارے جانے کے بعد ادھر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی، ادھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لاچکے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوادی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہوگیا۔

سنہ ۶ھ ۶۲۸ء میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے کہ قریش

---

[1] مدینے سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے۔ [2] یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اسکی سند نہیں پائی۔

کو لڑائی کا شبہ نہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتیار باندھ کر نہ چلے ذوالحلیفہ (مدینہ سے ۶ میل پر ایک مقام ہی) پہنچکر حضرت عمر کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں چنانچہ رسول اللہ کی خدمت میں عرض کی اور آپ نے انکی رائے کے موافق مدینہ سے ہتیار منگوا لیے۔ جب مکہ معظمہ دو منزل رہگیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کرلیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے" رسول اللہ نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں چنانچہ حضرت عمر کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ اُنھوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں۔ عثمانؓ کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اس لیے اُنکو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آنحضرت نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو مکہ بھیجا قریش نے حضرت عثمان کو روک رکھا اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہوگیا کہ وہ شہید کردیے گئے۔ رسول اللہ نے یہ سُن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعۃ الشجرہ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت میں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اسکو بیعۃ الرضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمر نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کردی تھی۔ صحیح بخاری (غزوۂ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمر نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں عبداللہ بن عمر باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں، اُنھوں نے بھی جاکر بیعت کی حضرت عمر کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتیار سج رہے ہیں عبداللہ نے اُن سے بیعت کا واقعہ بیان کیا حضرت عمر اسی وقت اُٹھے اور جاکر آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے۔ بڑے ردّ و بدل کے بعد

اِن شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان اُلٹے واپس جائیں، اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثنا میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اُسکو قریش کے پاس واپس بھیجدیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو اُن کو اختیار ہوگا کہ اسکو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی حضرت عمر کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دبکر کیوں صلح کی جائے۔ انھوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی، لیکن حضرت عمر کو تسکین نہیں ہوئی۔ خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔ یا رسول اللہ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ بیشک ہوں۔

حضرت عمر کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ ضرور ہیں۔

حضرت عمر پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہ صلعم میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمر کی یہ گفتگو اور خصوصاً اندازِ گفتگو اگرچہ خلافِ ادب تھا چنانچہ بعد میں اُنکو سخت ندامت ہوئی اور اُس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، نفلیں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد کیے۔ تاہم سوال و جواب کی اصل بنا اِس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اسکی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔

غرض معاہدۂ صلح لکھا گیا اور اُسپر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جس میں حضرت عمر بھی داخل تھے ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت نے مدینہ منورہ کا قصد کیا، راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آنحضرت نے حضرت عمر کو بلاکر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجکو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، یہ کہکر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا[1]

[illegible] سے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے۔ صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا، اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلتے گئے۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸ برس ماقبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے[2]۔ جس بنا پر رسول اللہ نے صلح کی تھی اور ابتداءً حضرت عمر کی [illegible] نہ آسکی، وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورۂ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

اس زمانے تک کافرہ عورتوں کا عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ تو یہ امر ممنوع ہوگیا۔ اِس بنا پر حضرت عمر نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دیدی۔ اِنہیں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا اُمّ کلثوم بنت جرول تھا۔ اِن دونوں کے طلاق دینے کے بعد، حضرت عمر نے جمیلہ سے جو ثابت بن ابی الاقلح کی بیٹی تھیں نکاح کیا، حضرت عمر کے فرزند عاصم انہی کے بطن سے تھے[3]

اسی سال رسول اللہ صلعم نے سلاطین اور والیانِ ملک کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط [illegible]

سنہ ۷ھ میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلۂ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جاکر آباد ہوئے، انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے سنہ ۵ھ میں

---

[1] صحیح بخاری واقعہ حدیبیہ۔ [2] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۲۴ ذکر حدیبیہ [3] طبری واقعات سنہ ۶ھ +

اُن کو جاکر بھڑکایا اور اُن کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ اُن کو ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اُسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے، چنانچہ سنہ ۶ھ میں قبیلۂ بنی سعد نے اُن کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانسو اونٹ[1] غنیمت میں ہاتھ آئے۔ پھر قبیلۂ غطفان کو آمادہ کیا چنانچہ جب آنحضرت۔ خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سد راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ [illegible] زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان اُن کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض سنہ ۷ھ میں آنحضرت نے چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رُخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے مثلاً حصنِ ناعم، حصن قموص، حصنِ صعب، وطیح اور سلالم۔ یہ سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے لیکن وطیح و سلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمر مامور ہوئے وہ برابر دو دن جا جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دونگا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبوی کی اُمید میں بڑے سر و سامان سے ہتھیار سج سج کر آئے۔ ان میں حضرت عمر بھی تھے اور اُن کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی تمنا نہیں کی۔ لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علی کے لیئے اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علی کو بلا کر علم اُن کو عنایت کیا۔ **مرحب**۔ حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

خیبر کی زمین آنحضرت نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جسکا نام **ثمغ** تھا حضرت عمر کے

---

[1] اصابہ لہ تذکرہ زرقانی ذکر سریۂ علی الی بنی سعد۔

حصے میں آیا، حضرت عمرؓ نے اُسکو خدا کی راہ میں وقف کردیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا **وقف** تھا جو عمل میں آیا

اسی سال آنحضرت نے حضرت عمرؓ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلۂ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا اُن لوگوں نے حضرت عمرؓ کی آمد سُنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

[illegible] فتح ہوا، اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اُس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائلِ عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایۂ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلۂ خزاعہ نے آنحضرت کا اور خاندانِ بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان دونوں قبیلوں میں مدت سے اَن بَن تھی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ [illegible] صلح وقوع میں آئی اور شرائطِ معاہدہ کی رُو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے لیکن چند ہی روز کے بعد بنو بکر نے نقضِ عہد کیا اور قریش نے اُن کی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جاکر پناہ لی تب بھی اُنکو پناہ نہ ملی خزاعہ نے جاکر آنحضرت سے استغاثہ کیا، ابو سفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لیئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر قریش کی طرف سے تجدیدِ صلح کی درخواست کی، آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اُٹھکر حضرت ابو بکر اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ اِس معاملہ کو طے کرا دیجیئے۔ حضرت عمرؓ نے اِس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل نا اُمید ہو گیا۔

آنحضرت نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں، اور رمضان ۸ھ میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقام مرالظہران میں نزولِ اجلال ہوا تو حضرت عباس، آنحضرت کے خچر پر سوار ہوکر مکہ کی طرف چلے، اُدھر سے ابو سفیان آرہا تھا حضرت عباس نے اُس سے کہا۔ آ۔ میں تجکو رسول اللہ سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابو سفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباس کے

ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا۔ ابو سفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباسؓ اس کی سفارش کے لیے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے، اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن مار دوں حضرت عباسؓ نے کہا کہ عمرؓ! ابو سفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس طرح اسکی جان کے خواہاں نہ ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجکو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اسوقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے۔ آنحضرت نے حضرت عباسؓ کی سفارش قبول کی اور ابو سفیان کو امن دیا۔

آنحضرت بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جو بعینہٖ تاریخوں میں منقول ہے، پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام **صفا** پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہوئے، لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ آنحضرت سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے، حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو، چنانچہ تمام عورتوں نے انہیں کے ہاتھ پر آنحضرت سے بیعت کی

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ **حنین**[1] کے نام سے مشہور ہے ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتدا سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے آنحضرت جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑے سر و سامان سے روانہ ہو کر **حنین** میں ڈیرے ڈالے[2]۔ آنحضرت نے یہ خبر سنی

---

[1] حنین عرفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے تو دس میل ہے۔

[2] ص ۵۲ تاریخ طبری۔

تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، حنین میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملے میں ہوازن کو بھگا دیا، لیکن جب غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اسقدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے، اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے، انکا نام خصوصیت کے ساتھ لئے جاتے ہیں اور ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں، چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے[۵۱]۔ محمد بن اسحاق نے جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں اور مغازی و سیر کے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے۔ "وبا پیغامبر چندتن از مہاجرین و انصار و اہل بیت باز ماندہ بودند مثل ابوبکر و علی و عمر و عباس[۵۲] الخ۔

لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی یعنی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

سنہ ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم۔ عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے آنحضرتؐ نے یہ سنکر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس لئے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمر نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لاکر آں حضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا[۵۳]، غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہو گیا تو آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن مقام تبوک میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اس لئے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

---

۵۱ صحیح مسلم غزوۂ حنین۔ ۵۲ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نے نہیں دیکھی لیکن اسکا ایک نہایت قدیم ترجمہ زبانِ فارسی میں میری نظر سے گزرا ہی اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے، یہ ترجمہ سنہ ۶۱۳ھ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اسکا ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتب خانۂ عام میں ہے۔ ۵۳ ترمذی و ابو داؤد میں یہ واقعہ فضائل ابوبکر کے تحت میں منقول ہے لیکن غزوہ کی تعیین نہیں ہے۔

اسی سال آنحضرت نے ازواجِ مطہرات سے ناراض ہو کر اُن سے علیحدگی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرزِ عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی اس لیئے تمام تر نہایت رنج و افسوس تھا تاہم کوئی شخص آنحضرت کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا حضرت عمر نے حاضرِ خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمر نے پکار کر دربان سے کہا کہ "شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ (حضرت عمر کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لیئے آیا ہوں خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حفصہ کی گردن ماردوں[1]"، آنحضرت نے فوراً بلا لیا، حضرت عمر نے عرض کی کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، حضرت عمر نے کہا تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں، آپ اجازت دیں تو اُنکو یہ مژدہ سنا آؤں، اس واقعہ سے حضرت عمر کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت اُمِ سلمہؓ نے انہیں واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ عمر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے ہو یہاں تک کہ اب ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو"

سنہ ۹ھ میں تمام اطرافِ عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔

اسی سال آنحضرت نے حج کے لیئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا آخیر حج تھا۔

سنہ ۱۱ھ ماہ صفر میں آنحضرت نے رومیوں کے مقابلے کے لیئے اسامہ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابرِ صحابہ کو حکم دیا کہ اُن کے ساتھ جائیں، لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرت بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بسندِ صحیح ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے

---

[1] صحیح مسلم باب الطلاق۔

سیلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے[۱]۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اسقدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کیوقت طبیعت اِس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اُٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ **قرطاس** کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمھارے لیئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آیندہ گمراہ نہ ہوگے" اسپر **حضرت عمر** نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے"۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) (روایت میں ھجر کا لفظ ہے جسکے معنے ہذیان کے ہیں)

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہیں اور اُمت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ "لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھدوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے"، یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیئے جو ہدایت ہوگی وہ منصبِ نبوّت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لیئے اُنمیں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا باوجود اسکے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے" طرّہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے اِس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)۔

یہ اعتراض ایک مُدّت سے چلا آتا ہے اور مُسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اِسپر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اُصولِ درایت سے کسی نے کام

---

[۱] بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰

نہیں لیا اس لیے اصل مسئلہ نامنفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہوگئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا آنحضرت پر ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت عوارض انسانی سے بری نہ تھے یہاں۔ اصل یہ امر مطلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لیے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے

(۱) آنحضرت کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لیے اس واقعہ کے بعد آنحضرت چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت کی نسبت، اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کبھی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) بااینہمہ بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

(۵) عبداللہ بن عباس کی عمر اس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے[1] اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سنا۔

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ

---

[1] بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے اسلئے محدثین بحث کی ہے اور بدلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم۔

چنانچہ

بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں؎ ۵۱

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلالِ حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، صرف اسقدر کہنے سے کہ "قلم دوات لاؤ"، لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اسکے تو یہ معنے نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے ایک پیغمبر کا وقت کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھدوں کہ تم آیندہ گمراہ نہ ہو" اسمیں ہذیان کی کیا بات ہے؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اسقدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، اس کے ساتھ جب ان اُمور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبد اللہ بن عباس اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ اُن کی عمر اُسوقت کل ۱۳-۱۴- برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے

---

۵۱ علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کو ناز ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرت کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے خدانخواستہ آنحضرت کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے" یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں مثلاً ھجر ھجر (دو دفعہ) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہجر (صحیح مسلم)۱۲

۵۲ ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ معنی آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ لکھنا نہیں جانتے تھے اس لیئے آپ کا یہ فرمانا کہ "میں لکھدوں" ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ا[illegible] نہیں کہ لکھنے کے معنے لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے

ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اُسکو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا اِس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلعم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

[illegible] پوری تاریخ پڑھیئے تو حضرت عمر کی خلافت کھلتی [illegible] میں پہلے [illegible] تھا لیکن [illegible] میں شیعہ ہوئے ہیں (الاحق)

غرض آنحضرت اِس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اثنا ءمیں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپ کی حالت اِس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہوگیا اور حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے ۱۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلے پر مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اُس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

عام روایت ہے کہ حضرت عمر اسقدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جاکر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرت نے وفات پائی اُسکو قتل کرڈالوں گا، لیکن اور قراین اِس روایت کی تصدیق نہیں کرتے ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لیئے آنحضرت کی وفات کا منتظر تھا اِس لیئے حضرت عمر نے مصلحۃً اِس خبر کے پھیلنے کو روکا ہوگا اسی واقعہ نے راویوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کرلی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس سے مطابق نہیں ہوسکتیں۔

سقیفۂ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکر کی خلافت، اور حضرت عمر کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی ! [illegible] کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے

چنانچہ

کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو، وہ اُن کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں، اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں سے (حضرت ابوبکر و عمر) سرزد ہوا جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے ہیں، اِس فعل کی ناگواری اُسوقت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی و خاندان بنی ہاشم اُن پر فطرتی تعلق کا پورا اثر ہوا اور اسوجہ سے اُن کو آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے اِن باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر (و ابوبکر وغیرہ) آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے، یہ بھی سچ ہے کہ اُنھوں نے سقیفہ میں پہنچکر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف ہے کہ گویا اُن پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا یہ بھی سچ ہے کہ اُنھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی سے بھی بزور منوانا چاہا، گو بنو ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں غور طلب باتیں ہیں جو یہ ہیں

(۱) کیا خلافت کا سوال، حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

(۳) کیا حضرت علی اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہیئے تھا یا نہیں۔

انہی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب، مسند ابو یعلیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں

ساری جلد ۲، صفحہ ۲۳

بینا نحن في منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجل ینادي من وراء الجدار ان اخرج الي یا ابن الخطاب فقلت الیک عني فانا عنک مشاغیل یعني بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا في سقیفۃ بني ساعدۃ فادرکوا ھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابي بکر انطلق

حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانۂ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو ہٹو، ہم لوگ آنحضرت کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اُس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر اُن کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اُسی وقت میں نے ابوبکر سے کہا کہ چلو۔

اس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفۂ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے [illegible]

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اُس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علی شامل تھے۔ مہاجرین جن کے رئیس و افسر حضرت ابوبکر و عمرؓ تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ عبادت تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ اظہار کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے

آنحضرت کی وفات کے دن حضرت علی مکان سے باہر نکلے، لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علی نے کہا خدا کے فضل سے آپ اچھے ہوگئے"۔ حضرت عباس نے اِن کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد

غلامی کروگے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ مجکو اسکا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے آؤ چلو، رسول اللہ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد یہ منصب (خلافت) کسکو حاصل ہوگا، اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیئے وصیت فرما دینگے، حضرت علی نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت نے انکار کردیا تو پھر آیندہ کوئی اُمید نہیں رہیگی۵۱۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

اس روایت سے حضرت عباس کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی کو آنحضرت کی وفات کا اُسوقت تک یقین نہ تھا اس لیئے اُنھوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے علاوہ اُن کو اپنے انتخاب کیئے جانے پر بھروسا نہ تھا۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور اُن کے اتباع شریک تھے اور حضرت علی اُن کے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری۵۲ میں حضرت عمر کی زبانی روایت ہے۔

کان من خبرنا حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما واجتمع المھاجرون الی ابی بکر	ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اُٹھا لیا تو انصار نے فاطمۃ ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی و زبیر اور ان کے ساتھیوں نے مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکر کے پاس جمع ہوئے۔

یہ تقریر۔ حضرت عمر نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جسمیں سیکڑوں صحابہ موجود۔ تھے اسلیئے اسبات کا گمان نہیں ہوسکتا کہ اُنھوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو۔ ورنہ لوگ اُنکو وہیں ٹوکتے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہوگیا ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں۵۳

وان علیا والزبیر ومن کان معھما تخلفوا	اور علی و زبیر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، وہ حضرت فاطمہ

---

۵۱ صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری۔ ۵۲ صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی ۵۳ فتح الباری شرح حدیث مذکور

فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ	زبیر ان کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔
تاریخ طبری میں ہے[۱]۔	
وتخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہ حتی تبایع علیؑ	اور حضرت علی و زبیر نے علیحدگی اختیار کی اور زبیر نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا کہ جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے میں تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ۔

(۱) آنحضرت کے وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے، انصار، مہاجرین، بنو ہاشم

(۲) مہاجرین حضرت ابوبکر کے، اور بنو ہاشم حضرت علی کے ساتھ تھے۔

(۳) جس طرح حضرت عمر وغیرہ آنحضرت کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علی بھی آنحضرت کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علی کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت کے غم والم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پر درد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکتا تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین انصار جمع تھے اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی کے دعوے کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین۔ حضرت ابوبکر کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بیجا تھا یا بجا؟ اسکو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت نے جسوقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا جو مدت سے[۲] اسبات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع وفزع اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام

---

[۱] [illegible]
[۲] بخاری صفحہ ۱۰۲۔ رسول کو کا زمانہ میں بھی اعلان اسلام کی کرنے اور کسی نہیں [illegible] کرتے۔ اور مسلمان منافقوں سے اتنا ڈر گیا کہ رسول کی [illegible]

کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے۔ انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر، حالت کو اور نازک کر دیا کیونکہ قریش جو انصار کو اسقدر حقیر سمجھتے تھے۔ کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلہ کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ محمد! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے"، کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے، تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اسمیں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا وان العرب لا تعرف ھذا الامر الا لھذا الحی من قریش اسکے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور انہیں باہم اتفاق نہ تھا اس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعوی خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے انہیں سب سے باثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابوبکر تھے، اور فوراً انکا انتخاب ہو بھی جاتا۔ لیکن لوگ، انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلوار میان سے نکل آئیں، حضرت عمر نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہً حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں ساتھ ہی حضرت عثمان۔ ابوعبیدہ جراح عبدالرحمن بن عوف نے بھی ہاتھ بڑھائے[1] اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک گیا، اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے ادعا کے سبب اور حضرت فاطمہ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے، حضرت عمر نے بزور ان سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم۔ حضرت علی کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے، حضرت فاطمہ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہمکو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے، گھر میں آگ لگا دوں گا۔"

---

[1] ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کی رُواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں انہیں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ان ہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی [redacted] اُسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وُہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چلکر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کی مُدّت سوا دو برس ہے کیونکہ اُنھوں نے جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ میں انتقال کیا اس عہد میں اگرچہ جسقدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر ہی کی شرکت سے انجام پائے تاہم اُن واقعات کو ہم "الفاروق" میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہدِ صدیقی کے واقعات ہیں اور اُس شخص کا حصّہ ہیں جسکو حضرت ابوبکر کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکر کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارِ گراں، حضرت عمر کے سوا اور کسی سے اُٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب، اُنھوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لیے اکابرِ صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمن بن عوف کو بُلا کر پوچھا اُنھوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے، حضرت ابوبکر نے فرمایا اُن کی سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا، جب کام اُن ہی پر آپڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائینگے۔ پھر حضرت عثمان کو بُلا کر پوچھا اُنھوں نے کہا، میں اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن، ظاہر سے اچھا ہے۔ اور ہم لوگوں میں اُن کا جواب نہیں" جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد چنانچہ طلحہ نے حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے، عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ

تھا، اب وہ خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے، آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اُس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا" یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بُلایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ "میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں" تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجکو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے" عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکر نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں سُنائے پھر خود بالاخانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ نہیں مقرر کیا بلکہ عمر کو مقرر کیا، کیا تم لوگ اس پر راضی ہو، سب نے سمعنا واطعنا کہا پھر حضرت عمر کو بُلا کر نہایت مؤثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجائے کام آئیں :-

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر کے عہد میں مُرتدینِ عرب اور مدعیانِ نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات مُلکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی سنہ ۱۲ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ سنہ ۱۳ ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ اِن مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام اِنہی مہمات کا انجام دینا تھا، لیکن قبل اس کے کہ ہم اِن واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کو فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بائدہ کے نام سے مشہور ہے، اگرچہ [illegible] حالات ہوا

نامعلوم ہیں، تاہم اسقدر مشہور ہے کہ عاد اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عربا، جو یمن کے فرمانروا تھے، انکی حکومت ایک زمانے میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ اُن کو ہمسری کا دعوٰی رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومتِ فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اُسکے نام کو شہرت دیدی ہے جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اُس کے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں اِن مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اُس زمانے میں سلطنتِ فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی، عربوں نے مُستقل حکومت قائم کر لی جسکا پہلا فرماں روا مالک بن فہم تنوخی تھا۔ اس خاندان میں جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی اسکا بھانجا عمرو بن عدی ہو اسکے بعد تخت نشین ہوا اُس نے حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا اِس دور میں اسقدر تمدّن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے[1] کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرت میں اُس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں اردشیر بن بابک نے طوائف الملوکی مِٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنا لیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مُدت تک عراق میں فرمانروا رہا لیکن درحقیقت وہ سلطنتِ فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاپور بن اردشیر جو سلسلۂ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا اِس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے اور امرء القیس کندی اِن صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اس لیے جب کبھی مُوقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سابور ذی الاکتاف جب

---

[1] ہشام کلبی نے یہ تصریح کتاب التیجان میں کی ہے۔

صغر سنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی یہاں تک کہ قبیلہ عبد القیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لیئے۔ شاپور بڑا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچکر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبد القیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسائے عرب جو گرفتار ہو کر اُس کے سامنے آتے تھے اُن کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذو الاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطینِ حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے میں تھا، عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیلِ مذہب پر یا اور کسی سبب سے پرویز نے اُسکو قید کر دیا اور قید ہی میں اُس نے وفات پائی نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیئے تھے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا پرویز نے اُس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اُسنے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سروسامان سے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی، اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپنے فرمایا کہ۔

هذا اوّل یوم انتصفت العرب من العجم یعنی "یہ پہلا دن کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا"

عرب کے تمام شعرا نے اِس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سنہ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے تمام بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اسکے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجکو یوں لکھتا ہے" اِس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیجو کہ محمدؐ کو گرفتار کر کے دربار میں لائے" اتفاق سے اِسی زمانے میں پرویز کو اُس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ یہیں تک رہگیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلیح و غسان و جذام وغیرہ شام

کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہوگئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے تھے۔ لیکن یہ لقب خود ان کا خانہ ساز لقب تھا ورنہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے درحقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔ ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے اُن کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہوگئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ سنہ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے قیصر روم کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا اور دحیہ کلبی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارضِ جذام میں پہنچے تو ان ہی شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کیا اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دے کر بصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شرحبیل نے اُن کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کے لیے رسول اللہ نے ۸ھ میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار، عبداللہ بن رواحہ، جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے اور گو خالد کی حکمتِ عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جنگ درحقیقت شکست تھا۔

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملے کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلعم خود پیشقدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اُس وقت عارضی طور سے لڑائی رُک گئی۔ لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے بھی غافل نہیں رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دیدی تو ایک شخص نے حضرت عمر سے جا کر کہا کچھ تم نے سنا!۔ حضرت عمر نے فرمایا کیوں؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے؟ اسی حفظ ماتقدم کے لیے سنہ ۱۱ ہجری میں رسول اللہ نے اُسامہ بن زید کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ

تھا حضرت ابوبکر و عمر اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار پڑکر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکر مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکر نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارا جائیگا شہید ہوگا اور جو بچ جائیگا مدافع عن الدین ہوگا یعنی دین کو اس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہوگا"

ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ حضرت ابوبکر نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر نے جسکی تکمیل کی اُس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحاتِ عراق[1]

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نوشیروانِ عادل کی وجہ سے بہت نامور ہے۔ آنحضرت کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زورآور رہی۔ لیکن اسکے مرنے کے ساتھ دفعتہً ایسی ابتری پیدا ہوگئی کہ ایوانِ حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اُس کے بیٹے نے کُل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش ۱۵ تھے قتل کرادیا۔ اُس کے بعد اُسکا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اُسکو قتل کردیا اور آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ سنہ

---

[1] جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کیے ہیں یعنی جو حصہ عرب سے ملحق ہے اُسکو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملحق ہے اُسکو عراق عجم کہتے ہیں عراق عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں جزیرہ، جنوب میں بحر فارس، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں دیار بکر ہے جسکا مشہور شہر موصل ہے۔ دارالسلطنت اسکا بغداد ہے اور جو بڑے بڑے شہر اس میں آباد ہیں وہ بصرہ، کوفہ، واسط، وغیرہ ہیں ۱۲

[2] ہمارے مؤرخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنین کو عنوان قرار دیتے ہیں لیکن اس میں نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آتے ہیں کہ سنہ ختم ہوجاتا ہے اور اسکو اُس سنہ کے تمام واقعات لکھنے ہیں اس قبل اسکے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا موزوں موقع پر اُن کا سلسلہ ٹوٹے۔ شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے چھیڑ دینا پڑتا ہے اسلیئے ہم نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا شام کو ایک جا۔ اور مصر کو ایک جا لکھا ہے ۱۲

ہجری کا بارھواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اسکو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولادِ ذکور باقی نہیں رہی تھی۔ پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ **یزدگرد** سنِ شعور کو پہنچ جائیگا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہوگا[1]۔

پرویز کے بعد جو انقلاب حکومت ہوتے رہے اسکی وجہ سے ملک میں جا بجا بدامنی پھیل گئی چنانچہ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوانِ شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد **حیرہ و ابلہ** کی طرف غارتگری شروع کی[2]۔ یہ حضرت **ابوبکر** کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائلِ عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ **مثنیٰ** نے حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی مثنیٰ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن اسوقت تک اُن کا تمام قبیلہ عیسائی یا بُت پرست تھا حضرت ابوبکر کی خدمت سے واپس آ کر اُنھوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا[3]۔

ان نومسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا رخ کیا ادھر حضرت ابوبکر نے خالد کو مدد کے لیے بھیجا۔ خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیے اور حیرہ پر علمِ فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

---

[1] شیرویہ کے بعد سلسلۂ حکومت کی ترتیب اور سنوں کی تعیین میں مؤرخین اسقدر مختلف ہیں کہ دو مؤرخ بھی باہم متفق نہیں۔ فردوسی کا بیان سب سے الگ ہی ہیں ہم نے بلحاظ قدیم العہد اور فارسی النسل ہونے کے ابوحنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے ۱۲

[2] اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری ۱۲

[3] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۴۱۔

عراق کی یہ فتوحات خالد کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن اُن کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں خالد نے مہمّاتِ عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اُدھر **شام** کی مُہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اُس کے مقابلے کا وہاں پُورا سامان نہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے ربیع الثانی سنہ ۱۳ ہجری میں خالد کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنّیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائیں۔ خالد اُدھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعتہً رُک گئیں۔

حضرت عمر۔ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مُہم پر توجہ کی۔ بیعتِ خلافت کے لیئے تمام اطراف و دیار سے بیشمار آدمی آئے تھے اور تین دن تک اُنکا تانتا بندھا رہا تھا حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمعِ عام میں جہاد کا وعظ کہا لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومتِ فارس کا پایۂ تخت ہے اور وہ **خالد** کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا اِس لیئے سب خاموش رہے حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہِل گئے۔ **مثنّیٰ شیبانی** نے اُٹھ کر کہا کہ مُسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مردِ میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں" حاضرین میں ابوعبید ثقفی بھی تھے جو قبیلۂ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ وہ جوش میں آکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا لھذا یعنی" اِس کام کے لیئے میں ہوں" ابوعبید کی ہمّت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غُلغلہ اُٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منوّرہ اور مضافات سے ہزار[2] آدمی انتخاب کیئے۔ اور ابوعبید کو سپہ سالار مقرّر کیا۔

ابوعبید کو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے۔ اِس وجہ سے اُن کی افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ عُمر اصحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دیں

---

[1] بلاذری صفحہ ۲۵۰۔

[2] یہ بلاذری کی روایت ہے ابوحنیفہ دینوری نے ۵ ہزار تعداد لکھی ہے ۱۲

فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں اور اُن کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے"۔ حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چرائیں وہ افسر مقرر کیے جائیں"۔ تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضرور تھی ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں اُن سے مشورہ لینا۔

حضرت ابوبکر کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اُس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کرکے کہا کہ تو سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے سر پر تاج رکھا اور درباریوں کو جن میں تمام اُمراء اور اعیان سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی نااتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بدانتظامیاں مٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کرلی جو خسرو پرویز کے زمانے میں اُسکو حاصل تھی۔

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیئے جنھوں نے مذہبی حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مُسلمانوں کے برخلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابوعبید کے پہنچنے سے پہلے پہلے فُرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اور جو مقامات مُسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے رستم کی اعانت کے لیئے ایک اور فوج گراں طیار کی اور **نرسی و جاپان** کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اُسکو خاص عداوت تھی۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض اضلاع، قدیم سے اس کی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے۔ ادھر ابوعبید۔ و مثنیٰ حیرہ پہنچ چکے تھے۔ کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا، مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے [illegible]

نمارق پہنچکر خیمہ زن ہوا۔

ابوعبید نے اس اثنا میں فوج کو سرو سامان سے آراستہ کرلیا۔ اور پیشقدمی کرکے خود حملے کے لیئے بڑھے، نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جاپان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہوگئے۔ مردان شاہ۔ بدقسمتی سے اسی وقت قتل کردیا گیا۔ لیکن جاپان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اسکو گرفتار کیا تھا وہ اسکو پہچانتا نہ تھا جاپان نے اُس سے کہا کہ اس بڑھاپے میں مَیں تمھارے کس کام کا ہوں مجھکو چھوڑ دو۔ اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اس نے منظور کرلیا۔ بعد کو، لوگوں نے جاپان کو پہچانا تو غُل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ابوعبید نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔

ابوعبید نے اس معرکے کے بعد کسکر کا رُخ کیا جہاں نرسی فوج لیئے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسرےٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ۔ میمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کررہا تھا کہ پایۂ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہوچکی تھیں۔ ابوعبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے بڑھ کر جنگ شروع کردی۔ بہت بڑے معرکے کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابوعبید نے خود سقاطیہ میں مقام کیا اور تھوڑی تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیجدیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہی اُن کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوندا دجو باروسما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہوگئے چنانچہ اظہار خلوص کے لیئے ایک دن ابوعبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابوعبید نے دریافت کیا کہ یہ سامان کُل فوج کے لیئے ہے یا صرف میرے لیے؟ فرخ نے کہا اس جلدی میں ساری فوج کا

نہیں ہو سکتا تھا **ابو عبید** نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو نوشیرواں نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح و ظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جسکا نام مروحہ تھا دونوں حریف صف آرا ہوئے چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں ابو عبید کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اسی طرف رہنا چاہیے۔ لیکن ابو عبید جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں"۔ مردان شاہ جو پیغام لیکر آیا تھا اس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ "عرب مرد میدان نہیں ہیں" اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابو عبید نے اسیوقت فوج کو کمر بندی کا حکم دیدیا مثنی اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں اُنکا رتبہ ابو عبید سے بڑھکر تھا جب ابو عبید نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہوگی تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اُتر کر غنیم سے معرکہ آرائی ہوئی پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اس لیئے مسلمانوں کو موقع نہیں ملسکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کرسکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار۔ سمور کی لمبی ٹوپیاں

اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ بھی نہیں دیکھا تھا بدک کر پیچھے ہٹے۔ ابو عبید نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا، گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو للکارا کہ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت اُلٹ دو۔ اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ ابو عبید یہ دیکھ کر پیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر اُن کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیئے کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔

ابو عبید کے مرنے پر اُن کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اُس نے ابو عبید کی طرح اُن کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبید کے ہم نسب اور خاندانِ ثقیف سے تھے، باری باری علم ہاتھ میں لیے اور مارے گئے آخر میں مثنیٰ نے علم لیا۔ لیکن اُس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ طُرّہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پُل کے تختے توڑ دیئے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بد حواس ہو کر بھاگے تھے کہ پُل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے۔ مثنیٰ نے دوبارہ پُل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار اُتاریں۔ خود بچی کھچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رُک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔

اسلام کی تاریخ میں میدانِ جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ و نادر وقوع میں آیا۔ اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آگیا ہے تو اُس کا عجیب افسوسناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگ

یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے مونہ چھپاتے پھرتے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑگیا۔ لوگ مسلمانوں کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ پہنچکر گھروں میں روپوش تھے او شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمر اُن کے پاس جاکر اُن کو تسلّی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ میں داخل ہو لیکن اِن کو اس تاویل سے تسلّی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان سنہ ۱۳ھ میں واقع ہوا۔ اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے۔ وہ سلیط۔ ابو زید انصاری۔ عقبہ و عبد اللہ پسران قبطی بن قیس۔ یزید بن قیس الانصاری۔ ابو امیہ الفزاری وغیرہ تھے۔

واقعۂ بویب رمضان سنہ ۱۴ھ
۶۳۵ء

اس شکست نے حضرت عمر کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی تیاریاں کیں تمام عرب میں خطبا اور نقیب بھیجدیے۔ جنھوں نے پُرجوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگادی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل اُمنڈ آئے قبیلۂ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لیکر پہنچے۔ اسی طرح قبیلۂ رباب۔ بنو کنانہ۔ خثعم۔ بنو حنظلہ۔ بنو ضبہ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہبًا عیسائی تھے حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں"۔ اِن دونوں سرداروں کے ساتھ اُن کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر بجلی دربارِ خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا اور جناب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمّال کے نام احکام بھیجدیئے کہ جہاں جہاں اس کے قبیلے کے آدمی ہوں تاریخ معین پر اس کے پاس پہنچ جائیں۔ جریر یہ جمعیت اعظم لے کر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

اُدھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقبا بھیجکر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں۔ پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ انتخاب کیے جائیں اور مہران بن مہرویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ مہران، پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا، صبح ہوتے فرات اُتر کر بڑے سر و سامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ مثنیٰ نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ میمنہ پر مذعور، میسرہ پر نسیر، پیدل پر مسعود، والنٹیر پر عاصم، گشت کی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ نے اس سرے سے اُس سرے تک ایکبار چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا بہادرو! دیکھنا تمھاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آئے“

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج ہتیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر ابھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے

اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے آگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصے میں آکر داڑھی دانتوں میں دبالی اور پکارے کہ خدا کے لئے اسلام کو رسوا نہ کرو۔ اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آکر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہکر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہیں یہ نامردانہ غل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلاکر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہمقوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انھوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے للکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں یہ کھڑا ہوں۔ اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے اُن کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھاکر گرے اُن کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی۔ مثنیٰ نے للکارا کہ مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں شرفا یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمھارے عَلَم جھکنے نہ پائیں۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ "میرے مرنے سے بیدل نہ ہونا"۔

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھاکر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اُتر کر اسکو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کُل کا کُل برباد ہوگیا۔ شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکف

الاخبار الطوال لابی حنیفۃ الدینوری ۱۲

لڑ رہا تھا کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اُسکا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پُکارا، "میں ہوں تغلب کا نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل[1]"

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا، عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پُل کے پاس پہنچکر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا اُدھر گذر ہوا تو اُنہوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اِس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ اُن کو یقین ہو گیا کہ اَب سلطنتِ کسریٰ کے اخیر دن آگئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں اُسوقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اُس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا۔ پایہ تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ زنانہ حکومت، اور آپس کے اختلاف کا یہی نتیجہ تھا۔ اسی وقت پوران دخت کو تخت سے اُتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس[2] کا جوان تھا اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و بازو تھے اور آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے اُن سے کہا کہ اَب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کیے دیتے ہیں غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت

---

[1] طبری بروایت سیف

[2] یہ ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے

سر سے جان آگئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں، عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں، عجم کا سہارا پاکر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمر کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں ان کو طلبی کا حکم بھیجدو کہ "تاریخ معین پر جمع ہو جائیں"

اس کے ساتھ خود بڑے سر و سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں، ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی۔ بہادر۔ رئیس۔ صاحب تدبیر۔ شاعر۔ خطیب۔ اہل الرائے ہو فوراً دربار خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضر موت۔ صدف۔ مذحج، قیس۔ عیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لیکر آئے۔ مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار، بنو تمیم و رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر حج کرکے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو میں خود سپہ سالار بنکر چلوں گا۔ چنانچہ ہراول پر طلحہ، میمنہ پر زبیر، میسرہ پر عبد الرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علی کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کیے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت عمر کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمریں باندھ لیں۔ صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچکر مقام کیا اور یہ اس سفر کی گویا پہلی

منزل تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکۂ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب تھا اس لیے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی، عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المومنین! یہ مہم آپ کے بغیر سر نہ ہو گی" لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "میں تمھاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابرِ صحابہ اس رائے سے متفق نہیں۔ غرض اسپر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمر خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارِ گراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدہ و خالد۔ شام۔ کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی گئی مگر انھوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی حیص و بیص میں تھے کہ دفعتہً عبد الرحمن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پا لیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص۔

سعد بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ کے ماموں تھے ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلّم تھی۔ لیکن تدبیرِ جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس بنا پر حضرت عمر کو پھر بھی تردّد تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبد الرحمن بن عوف کی رائے کی تائید کی تو چار و ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے، لشکر کی تمام مہمات قبضۂ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمر ہی نے نامزد کر دی تھیں چنانچہ مؤرخ طبری نے نام بنام ان کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعد نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷-۱۸ منزلیں طے کر کے ثعلبہ پہنچے[1]۔ اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ پر بڑھیں لیکن جسر کے معرکہ میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی کے صدمے سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر شراف میں ڈیرے ڈالے۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی معنیٰ ان سے آ کر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے سعد سے بیان کیے چونکہ حضرت عمر کا حکم تھا کہ جہاں فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اس مقام کا نقشہ لشکر کا پھیلاؤ۔ فرودگاہ کا ڈھنگ رسد کی کیفیت۔ ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں بہت سی ہدایتیں۔ اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری۔ پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کیے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہو گی۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ	جاہلیت میں یہ بحرین کے بادشاہ تھے رسول اللہ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔
میمنہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن المعتصم	صحابی تھے۔
میسرہ (بایاں حصہ)	شرحبیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے۔ مرتدین کی جنگ میں نہایت

---

[1] بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرود لکھا ہے۔ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور بالکل قریب ہیں

حصہ	نام افسر	مختصر حال
		شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجرد (بے قاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعۃ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السہمین	
قاضی و خزانچی	عبدالرحمن بن ربیعۃ الباہلی	
رائد یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنیوالے	سلمان فارسی	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے۔
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیب[1]		

اُمرائے اعشار میں سے ستر وہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے۔ اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے سات سو ایسے جو صحابی نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربارِ خلافت سے ایک اور فرمان آیا جسکا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ[2] میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر

---

[1] افسوس ہے کہ طبری سے طبیبوں کے نام نہیں لکھے صرف اسیقدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے ساتھ طبیب بھیجے۔

[2] یہ کوفہ سے ۳۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا ۱۲

عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔"

قادسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا حضرت عمرؓ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرے تھے۔ اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے چنانچہ سعد کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا سعد کو لکھا کہ "قادسیہ پہنچکر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ کر بھیجو۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھکو معلوم نہ تھے۔" سعد نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر عذیب پہنچے۔ یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا اور وہ مفت ہاتھ آیا۔ قادسیہ پہنچکر سعد نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبر لائیں۔ انھوں نے آکر بیان کیا کہ رستم (پسر فرخ زاد) جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور **مداین** سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے سعد نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی ترغیب دلائیں۔ سعد نے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کیے جو مختلف صفتوں کی لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے عطارد بن حاجب اشعث بن قیس حارث بن حسان عاصم بن عمر عمرو معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ معنی بن حارثہ۔ قد و قامت اور ظاہری رعب داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم حملہ بن حویہ حنظلہ بن الربیع التمیمی۔ فرات بن حیان العجلی۔ عدی بن سہیل۔ مغیرہ بن زرارہ، عقل و تدبیر۔ اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پایہ تخت قدیم زمانے میں **اصطخر** تھا۔ لیکن نوشیرواں نے مدائن کو دارالسلطنت

قرار دیا تھا اور اس وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام **سعد** کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰۔۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفرا گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی یہاں تک کہ آستانۂ سلطنت کے قریب پہنچکر ٹھیرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتیار تک نہ تھا تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشائیوں پر اسکا اثر پڑتا تھا، گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز **یزدگرد** کے کان تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سفرا آئے ہیں۔ یہ سن کر بڑے سر و سامان سے دربار سجایا اور سفرا کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جُبّے پہنے، کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لیئے، موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھادی تھی، یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا بُرد۔ اس نے (فارسی معنے کے لحاظ سے) کہا کہ "جہاں برد" پھر کوڑے کی نسبت پوچھی ان لوگوں نے کہا "سوط" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس راسوختند" ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لیئے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیئے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں **جزیہ یا تلوار**

یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیجدیا جاتا تھا اور وہ تمھارا بل نکال دیتے تھے

اسپر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اور اُٹھ کر کہا کہ یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) رؤسائے عرب ہیں اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کر سکتے۔ انھوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں۔ اُن کو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹتے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہمپر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سب سے ممتاز تھا۔ اوّل اوّل ہم نے اُسکی مخالفت کی وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اُسکی بات نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اُس نے ہم کو حکم دیا کہ اِس مذہب کو تمام دُنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں۔ جنکو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جسکو دونوں باتوں سے انکار ہو اُسکے لیے تلوار ہے۔" یزدگرد غصے سے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہکر مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا "میں" ملازموں نے ٹوکرا اُن کے سر پر رکھدیا۔ وہ گھوڑا اُڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہمکو دیدی"

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنتِ فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا ساباط میں لشکر لیے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ اِدھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لیے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اِس عرصے میں بعض بعض رئیس اُدھر سے ادھر آگئے۔ ان میں جوشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طُول کھینچا تو رعایا جوق جوق یزدگرد کے پاس پہنچکر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہلِ عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چار ناچار

رستم کو ناچار ہو کے پیش بڑھنا پڑا ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچکر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پیکر مستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے تمام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے

۲۴ رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے بڑھیں سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ لشکر کی ترتیب۔ اتارے کا رخ۔ ان باتوں کے دریافت کے لئے فوجی افسر متعین کیے۔ اسمیں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ طلیحہ۔ رات کیوقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی اس عرصے میں لوگ جاگ اُٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اس نے قریب پہنچکر برچھی کا وار کیا۔ انھوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انھوں نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہوگئی۔ اُس کے ساتھ دو اور سوار تھے۔ اُن میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصہ میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی۔ اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی قیدی نے سعد کے سامنے آکر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اسکی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑائی سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی۔ سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمھارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجب و غریب ہیئت سے چلے۔ خوگیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لیئے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے سرو سامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش۔ زرین گاؤ تکیے۔ زربفت کے پردے۔ صدر میں مرصع تخت ربعی فرش کے قریب آ کر گھوڑے سے اُترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے گو کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتیار رکھوا لینا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں۔ تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں اُلٹا پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی۔ اُس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اُسکی انی کو اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ پر تکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے تخت کے قریب پہنچکر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا "اس لیئے کہ مخلوق کے بجائے خالق کی عبادت کی جائے" رستم نے کہا کہ میں ارکانِ سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آکر اُن کے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ اور جب اُس کے کاٹ کی آزمایش کے لیئے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعی نے اُن کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ربعی اُس وقت چلے آئے۔ لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت میں **مغیرہ** گئے، اُس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاجِ زر پہنکر کُرسیوں پر بیٹھے۔ خیمے میں دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خُدّام اور منصبدار قرینے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے مسند کی طرف بڑھے۔ اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اِس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اُتار دیا۔ مغیرہ نے افسرانِ دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا تمھاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اُس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں۔ مترجم نے جسکا نام عبود تھا اور حیرت کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی میرا ایما یا حکم نہ تھا پھر بے تکلفی کی طور پر **مغیرہ** کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لیکر کہا کہ اِن تکلوں سے کیا ہو گا؟ مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لَو گو چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے"۔ رستم نے اُن کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاملہ کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہارِ احسان کے طور پر کہا کہ آپ بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلایا جائیگا مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہو گا"۔ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔ مغیرہ اُٹھکر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام اُمیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ[۱] کی جنگ اور فتح

محرم سنہ ۱۴ ہجری
۶۳۵ء

رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا۔ لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اُسکو اسقدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنادی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اِس پار آگئی۔ خود سامانِ جنگ سے آراستہ ہوا دوہری زرہیں پہنیں۔ سر پر خود رکھا۔ ہتیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ "کل عرب کو چکنا چور کردوں گا"۔ کسی سپاہی نے کہا۔ ہاں اگر خدا نے چاہا"۔ بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی"۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا ہودج اور عماریوں میں ہتیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لیے موقع جنگ سے پایۂ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیئے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق النسا کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اِس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہوسکے بالاخانے پر میدان کی طرف رخ کرکے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب

---

[۱] قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور مدائن سبعہ کے وسط میں تھا اب ویران پڑا ہوا ہے ہمارے نقشہ میں اسکو شہر مدائن کے متصل سمجھنا چاہیے ۱۲

ہوتا تھا پرچوں پر لکھکر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد اُن ہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدّن کے ابتدائی زمانے میں، فنِ جنگ کا اِس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقتِ جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں شماخ حطیئہ اوس بن مغرا۔ عبدۃ بن الطیب عمرو معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ۔ غالب ابن الہذیل الاسدی بسر بن ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ ربیع سعدی۔ ربعی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے۔ اور فوج کا یہ حال تھا کہ اُن پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

یا معاشر سعد اجعلوا حصونکم السیوف و کونوا علیہم کاسود الاجم وادرعوا العجاج وغضوا الابصار فاذا کلت السیوف فارسلوا الجنادل فانہا یوذن لہا فیما لا یوذن للحدید	جاں بازانِ سعد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلہ میں شیر بنکر جاؤ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کر لو جب تلواریں تھک جائیں تو پتھروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ پتھروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا۔

اِس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۂ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں جسکی تاثیر سے دل ہل گئے اور آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔

سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز دیبا کی قبا زیب بدن کیے۔ زرّیں کمر بند لگائے۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے، میدان میں آیا، ادھر سے عمرو معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اُس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ اِنھوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچکر کمر

میں ہاتھ ڈال معلق اٹھا زمین پر دے ٹپکا۔ اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔" لوگوں نے کہا ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد اور اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالے پر جو سب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے دفعتہً بھڑکے اور منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑے جاتے تھے سعد نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے، ساتھیوں سے کہا "عزیزو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔" تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لیکر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھمی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم کو جو قدر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ کیا تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ دفعتہً بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا پھر قریب پہنچکر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اسکو یوم الارماث کہتے ہیں

سعد جسوقت بالاخانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بی بی سلمیٰ ان کے برابر بیٹھی تھی ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھی کہ افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا" سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ "مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا"۔ سلمیٰ نے کہا "سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی۔" یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے

اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدانِ جنگ سے مقتولوں کی لاشیں اُٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے حوالے کیے۔ پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اُٹھا، گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آپہنچیں، حضرت عمر نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اُسی زمانے میں ابو عبیدہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اُسکو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر ملجائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ (سعد کے بھائی) سپہ سالار تھے۔ اور ہراول قعقاع رکاب میں تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ اِدھر سے بہمن نکلا قعقاع۔ جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اُٹھے کہ "لینا ابو عبید کا قاتل جانے نہ پائے" دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی ردّ و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے سیستان کا شہزادہ شہر براز، اعور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامۂ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اِس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دُور سے نمودار ہوتا تھا اِس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھاتا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اُس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لیئے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اُونٹوں پر جھول اور بُرقع ڈال کر ہاتھیوں کیطرح

مہیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رُخ کرتے تھے۔ ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیرالمومنین نے یہ انعام اُن لوگوں کو بھیجا ہے جو اسکا حق ادا کرسکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک۔ ربیل بن عمرو طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرالتیمی کو تلواریں حوالہ کیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ ربیل نے فخر کے جوش میں آکر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام انا احقهم	اذا حصلوا بالمرهفات البواتر
سب لوگوں کو معلوم ہے کہ ہیں سب سے زیادہ مستحق ہوں	جسوقت لوگوں نے کاٹنے والی بارک تلواریں پائیں

جسوقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا **ابومحجن ثقفی** جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جُرم پر سعد نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچہ سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے آخر نہ ضبط کر سکے **سلمیٰ** (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لیئے اس وقت مجکو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر میں بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا	واترک مشدودًا علی وثاقبا
اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں	اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں
اذا قمت عنانی الحدید واغلقت	مصاریع من دونی تصم المنادبا
جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اُٹھنے نہیں دیتی	اور دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے

اِن اشعار نے **سلمیٰ** کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں، انھوں نے فوراً اصطبل میں

جاکر سعد کے گھوڑے پر جسکا نام **بلقاء**[1] تھا زین کسا اور میدانِ جنگ میں پہنچکر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ سعد بھی حیران تھے۔ اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابومحجن کا ہے لیکن وہ تو قید خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابومحجن نے قید خانے میں آکر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیے۔ سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اسکو سزا نہیں دے سکتا" ابومحجن نے کہا بخدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

خنساء[2] جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا

لم تنب بکم البلاد و لم تقحمکم السنة ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموها بین ایدی اهل فارس واللّٰه انکم لبنو رجل واحد کما انکم بنو امرأة واحدة ما خنت اباکم ولا فضحت خالکم انطلقوا فاشهدوا اول القتال وآخره	پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ لو جاؤ اخیر تک لڑو۔

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہوگئے۔ تو **خنساء** نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا خدایا! میرے بیٹوں کو بچانا"

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابویوسف صفحہ ۱۸

[2] خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں۔ اسکا دیوان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اسکے مفصل حالات علامہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ اصناف شعر میں مرثیہ گوئی میں اسکا کوئی نظیر نہیں گذرا چنانچہ بازار عکاظ میں اسکے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا اس پر لکھا ہوتا تھا ارثی العرب یعنے تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمر کے دربار میں حاضر ہوئی تھی ۱۲

فیصلہ نہ ہوا یہ معرکہ **اغواث** کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اسمیں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دُور۔ شام کی طرف نکل جائیں۔ پو پھٹے سَو۔ سَو سوار میدانِ جنگ کی طرف گھوڑے اُڑاتے ہوئے آئیں اور اور رسالے اِسی طرح برابر آتے جائیں چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غُل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آگئیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حُسنِ اتفاق یہ کہ ہشام جنکو ابوعبیدہ نے شام سے مدد کے لیئے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سات سَو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ **یزدجرد** کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمھارے بھائیوں نے شام کو فتح کر دیا فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمھارے ہاتھ سے پُورا ہوگا، معمول کے موافق جنگ کا آغاز یُوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اِسکا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اُس کے مقابلے سے جی چُراتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ اُٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں۔ عمرو معدیکرب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا ورنہ عمرو معدیکرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعتہً اُن پر ٹوٹ پڑیں اور اسقدر گرد اُٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر اِن کی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اَٹا ہوا تھا۔ بدن پر جابجا برچھیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اِسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ اِنھوں نے اُس کے گھوڑے کی دُم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا

جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اُتر کر بھاگ نکلا اور یہ اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رُخ کرتے ہیں دَل کا دَل پھٹ جاتا ہے ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مُسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی سُونڈ اور آنکھیں بے کار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر اور گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض اور دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا سعد نے قعقاع۔ عاصم۔ حمال۔ ربیل کو بُلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار او پیادے بھیج دیے کہ ہاتھیوں کو نرغہ میں کر لیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جُھرجُھری لے کر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہو گئی ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اُس کے پیچھے ہو لیے اور دَم کی دَم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکے کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سر سے ترتیب دی۔ قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں۔ مُسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ اُن کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنے رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اُصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعد کے مُنہ سے بے اختیار نکلا کہ اللّٰھم اغفرلہ وبصرہ یعنی لے خُدا

قعقاع کو معاف کرنا اور اُسکا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع۔ بجیلہ کندہ۔ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اسکو معاف کرنا اور یاور رہنا اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھکر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ جعیفہ نے اُسپر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زرہوں پر اُچٹ اُچٹ کر رہ گئیں۔ سردار قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اُس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر کو توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے اسپر بھی جب فتح اور شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج رستم کی طرف رُخ کیا۔ ساتھ ہی قیس۔ اشعث۔ عمر معدی کرب۔ ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو! "یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں"۔ اور اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اِس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی، اور فیرزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھکر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ چلا، ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا اتفاق سے ایک نہر سامنے سے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی

ہلال بھی کود پڑے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ رستم کا میں نے خاتمہ[1] کر دیا" ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھاگڑ پڑ گئی مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے

برآمد خروشے بکردار رعد　　زیک سوئے رستم زیک سوے سعد
چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت　　جواں مرد تازی برو چیرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے ان میں سے شہریار۔ ابن الہربذ۔ فرخان اہوازی خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ جان دی لیکن ہرمزان اہود۔ قارن موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے فوج کو اُن کی طرف سے بدگمانی رہی۔ یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقالت حتی انزل اللہ نصرہ ہم برابر لڑا کیے یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی	وسعدٌ بباب القادسیۃ معصمٌ لیکن سعد۔ قادسیہ کے دروازے سے پٹے ہے
فابنا وقد امت نساء کثیرۃ ہم واپس پھرے تو سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں	ونسوۃ سعد لیس فیھن ایّمُ لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی

---

[1] علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ بلکہ عمرو معدی کرب۔ طلیحہ بن خویلد۔ قرط بن جماح۔ ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا، ہم نے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطوال کی روایت ہے۔

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے آبلوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد نے حضرت عمرؓ کو نامۂ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اُدھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدۂ فتح لے کر آتا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اُس سے حالات پوچھنے شروع کیے۔ اُس نے کہا۔ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا حضرت عمرؓ رکاب کی برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے انکو امیر المؤمنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اُٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجکو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا“، فرمایا نہیں کچھ حرج نہیں، تم سلسلۂ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ مدینے پہنچکر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سُنائی۔ اور ایک نہایت پُر اثر تقریر کی جسکا اخیر فقرہ یہ تھا مسلمانو میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہوں میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمھارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے“

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑ آئے تھے بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعد نے دربار خلافت

کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بُلا کر رائے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام مُلک کو امن دیدیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ آ کر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے اُن میں رشتہ داریاں کرلیں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابُل میں مقام کیا تھا اور چُونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا۔ اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کرلیے تھے۔ اور فیروزان کو سرلشکر قرار دیا تھا۔ سعد نے اُن کے استیصال کے لیے ۱۶ھ ۶۳۶ ہجری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام بُرس میں بصبری سدّراہ ہوا اور میدانِ جنگ میں زخم اُٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ بُرس کے رئیس نے جسکا نام بسطام تھا صلح کرلی اور بابل تک موقع بموقع پُل تیار کرادیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلّف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیرجان۔ ہُرمزان۔ مہران۔ مہرجان۔ وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملہ میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود بابل میں مقام کیا۔ اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا اُن کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے گزرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدانِ جنگ میں آکر پُکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعوٰی ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائیگا۔ یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلۂ تمیم کا غُلام تھا اشارہ کیا۔ اُس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا، نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک، گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل کے مُونہہ میں آگیا۔ نابل نے اِس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا۔ نابل موقع پا کر اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نابل نے

زرہ وغیرہ اس کے بدن سے اُتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیں۔ سعد نے عبرت کے لیئے حکم دیا کہ تابل ذہی لباس اور اسلحہ سج کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر وہ مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اسکی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تلک الایام ندا ولھا بین الناس کوثی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنتِ فارس پر کبھی دبال نہیں آسکتا" یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسرےٰ سے بہت ہلا ہوا تھا اور اسی لیئے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر اُن کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے اِدھر اُدھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لیئے۔ شہزادے نے جو ساباط کا رئیس تھا سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے اُن کے نام دفتر میں درج کر لیئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکلکر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زُہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے۔ اُن کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اہتمام سامان ل کر نئی پہن لیجئے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں؟ کہ دشمن کے تیر سب

ـه علامہ طبری نے جو بڑسی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر اُن ہی کو آکر لگا لوگوں نے نکالنا چاہا تو اُنھوں نے

منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اُسی وقت تک مَیں زندہ بھی ہوں"۔ چنانچہ اُسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا تھوڑی دیر لڑکر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اُڑایا۔

بہرشیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا سعد بہرشیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پُل بندھے تھے توڑ کر بے کار کر دیئے تھے۔ سعد دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو نہ پُل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا "برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے"۔ یہ کہکر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اِن کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی اور دفعۃً سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت زخار اور متواج تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آآکر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اُسمیں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں، جن ہیں۔ چنانچہ۔ دیوان آمدند[1]۔ دیوان آمدند کہتے ہوئے بھاگ گئے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے۔ ایک گروہ دریا میں اُتر کر سدِ راہ ہوا۔ لیکن مُسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندانِ شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا یہ خبر سُن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں کم ترکوا من جنات وعہ کو بدلنے پر چڑھ بیٹھا

---

[1] تاریخ طبری میں بعینہ یہی الفاظ ہیں ۱۲

ہری، ہٹا بل ۔ لے

کریمٍ و نعمۃٍ کانوا فیہا فاکہین کذلک واورثناہا قوماً آخرین۔

ایوان کسریٰ میں تختِ شاہی کے بجائے ممبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہوگا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جنابِ رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جسقدر مجسّم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں[۱]۔

دو تین دن ٹھیر کر سعد نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر ایک جا جمع کیے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لیکر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقانِ چین، راجہ داہر، قیصرِ روم، نعمان بن منذر، سیاوش، بہرام چوبین، کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ، ہرمز، اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تاج زرنگار۔ اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جسپر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جسپر سونے کی پالان تھی اور مہاریں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جسکو ایرانی 'بہار' کے نام سے پکارتے تھے یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اسپر بیٹھکر شراب پیتے تھے اس رعایت سے اسمیں بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے: بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین۔ زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے۔ جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہلِ فوج ایسے راستباز اور

---

[۱] علامہ طبری نے جو بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے ۱۲

دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لاکر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا۔ تو خود سعد کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا، بے شبہہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔ مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب، ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمر کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

محلم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ نوشیرواں کے ملبوسات اسکو لاکر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جدا۔ دربار کا جدا۔ جشن کا جدا۔ تہنیت کا جدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات **محلم** کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر کا بھی یہی منشا تھا۔ لیکن حضرت علی کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یوروپ کے موجودہ مذاق کیموافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی۔ لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف نبوی کی عزت نہیں کیجاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولاء[1] سنہ ۱۶ ہجری

۶۳۷ء

---

[1] جلولاء بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے جو بسبب [illegible] ہرے کے نقشے میں سدیج جس پر بغداد سے خراسان جانے وقت راہ میں پڑتا ہی۔ ۱۲

یہ معرکہ فتوحاتِ عراق کا خاتمہ تھا۔ مداین کی فتح کے بعد۔ ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرِ لشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزرگاہوں پر گوکھرو بچھا دیئے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر کو خط لکھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع۔ میمنہ پر مسعر بن مالک۔ میسرہ پر عمرو بن مالک۔ ساقہ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں۔ ہاشمؓ مداین سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح اسّی معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ مہیا تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی بیدل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتہً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ گوکھرو بچھوا دیئے اور فوج کو سر و سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اوّل تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنے ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج

کا بڑا حصہ انھیں کی رکاب میں تھا قعقاع نے نقیبوں سے پکروا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گیا ہے، فوج نے قعقاع کو ہاتھ سمجھا اور دفعتہ ٹوٹ کر گری - ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو بچھے ہوئے تھے - مسلمانوں نے بیدریغ قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی میدان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی -

سعد نے مژدہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا - زیاد نے جو مژدہ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کیے - حضرت عمر نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا - چنانچہ مجمع عام ہوا اور انھوں نے اس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کیے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی - حضرت عمر بول اٹھے کہ خطیب اسکو کہتے ہیں انھوں نے برجستہ کہا -

ان جدنا اطلقونا   بالفعال لساننا

اسکے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا لیکن اسوقت شام ہو چکی تھی اس لیئے تقسیم ملتوی رہی اور صحن مسجد میں انکا ڈھیر لگا دیا گیا - عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر پہرہ دیا - صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی، درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے حضرت عمر بے ساختہ رو پڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتی ہے -

یزدگرد کو جلولار کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لیئے چھوڑتا گیا - سعد خود جلولار میں ٹھیرے اور قعقاع کو حلوان کی طرف روانہ کیا - قعقاع قصر شیریں میں (حلوان سے تین میل پر

ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھکر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قعقاع نے حلوان پہنچکر مقام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرادی۔ اطراف کے رئیس آ آکر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی، کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحاتِ شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکرکشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آغاز ۱۳ھ ہجری میں شام پر کئی طرف سے لشکرکشی کی۔ ابوعبیدہ کو حمص پر۔ یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر۔ شرجیل کو اردن پر۔ عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۲۴۰۰۰ تھی۔ عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لیئے تیار تھے۔ ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلہ پر بھیجیں، یہ دیکھ کر افسرانِ اسلام نے اسپر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کیجائیں، چنانچہ خالد بن الولید جو عراق کے مہم پر مامور تھے عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے، دمشق پہنچے اور اسکو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا۔ **قیصر** نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لیئے روانہ کی جس نے **اجنادین** پہنچکر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ خالد اور ابوعبیدہ خود پیشقدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آکر ملجائیں، چنانچہ شرجیل۔ یزید۔ عمرو بن العاص وقتِ مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جسمیں

تین ہزار مسلمان مارے گئے۔ فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت بن اسحاق، ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں واقع ہوا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر خالد نے پھر دمشق کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں شروع ہوا لیکن چونکہ فتح حضرت عمرؓ کے عہد میں حاصل ہوئی، ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا، اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اسکی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا، ان وجوہ سے خالد نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کیے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر، شرحبیل باب الفرادیس پر، ابو عبیدہ، باب الجابیۃ پر متعین ہوئے۔ اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لیکر باب الشرق کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرے کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اسوجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت حال کے لیے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے، آکر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، ثابت قدمی، راستبازی، عزم اور استقلال پایا جاتا ہے تاہم ان کو یہ سہارا تھا کہ ہرقل سر پر موجود ہے اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت ابوبکرؓ نے انتقال کیا اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کی برداشت نہیں

کر سکتے۔ اسلیئے موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھنٹ جائیگا۔ لیکن اُن کی دونوں امیدیں بیکار گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ اُدھر خالد نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ اِدھر سے مدد نہ آنے پائے چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجیں تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہوگئی، اسی اثنا میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا۔ یعنی **بطریق دمشق** کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کی تقریب[1] میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے کیئے اور اِس کثرت سے شرابیں پیں کہ شام سے پڑ کر سو رہے۔ خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے۔ اِس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا۔ اسی وقت اُٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ مشک کے سہارے پار اُترے اور کمند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے۔ اُوپر جا کر رسی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جان نثار فصیل پر پہنچ گئے۔ خالد نے اُتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیئے۔ اِدھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ دروازے کھلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو تہ تیغ کر دیا، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیئے اور ابو عبیدہ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے۔ مقسلاط میں جو شہر کا بازار تھا، ابو عبیدہ و خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کیا تھا اگرچہ لڑ کر فتح کیا تھا لیکن ابو عبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا گیا یہ مبارک فتح جو تمام بلادِ شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی رجب سنہ ۱۴ھ ۶۳۵ء میں ہوئی۔

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے بلاذری کا بیان ہے کہ خالد کو عیسائیوں کے جشن کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور سیڑھی بھی عیسائی لائے تھے ۱۲

فحل ۔ ذوقعدہ سنہ ۱۴ ہجری ۶۳۵ء

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور و قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا۔ اس لیئے انھوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لیے جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں وہ بھی اسمیں آکر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا جسکا سپہ سالار سکلار نام ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ کے سمجھنے کے لیئے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے۔ دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین۔ مشہور اضلاع ہیں۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے شرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے اسی کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جسکا پرانا نام سلا اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا، رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعۃً نہ آپڑیں۔ آس پاس جسقدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دیئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بنکر آئے۔ ابو عبیدہ نے معاذ

بن جبل کو بھیجا، معاذ۔ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں دیبائے زرّیں کا فرش بچھا ہے، وہیں ٹھیر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں، آپ دربار میں جاکر بیٹھیے۔ معاذ کی بزرگی اور تقدّس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے۔ اس لیئے وہ واقعی اُن کی عزّت کرنی چاہتے تھے اور اُنکا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں گزرتا تھا۔ معاذ نے کہا کہ میں اس فرش پر، جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے، بیٹھنا نہیں چاہتا، یہ کہکر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمھاری عزّت کرنی چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزّت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذ کو غصّہ آیا۔ گھٹنوں کے بَل کھڑے ہوگئے اور کہا کہ "جسکو تم عزّت سمجھتے ہو مجھکو اسکی پروا نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھکر کَون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے پُوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھکر ہے؟ اُنھوں نے کہا، "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں" رومی چُپ ہوگئے۔ معاذ نے کچھ دیر تک انتظار کرکے مترجم سے کہا کہ ان سے کہدو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو مَیں واپس جاتا ہوں" رومیوں نے کہا ہم کو یہ پُوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے۔ ابی سینیا کا مُلک تم سے قریب ہے فارس کا بادشاہ مرچکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے، اِن کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رُخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں کے برابر ہیں،، معاذ نے کہا،، سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مُسلمان ہو جاؤ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑ دو۔ سُور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمھارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت و کثرت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ من فئۃ

قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ تم کو اسپر ناز ہے کہ تم ایسے شاہنشاہ کی رعایا ہو جسکو تمھاری جان و مال کا اختیار ہے، لیکن ہمنے جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا اگر وہ زنا کرے تو اسکو دُرّے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں وہ پردے میں نہیں بیٹھتا اپنے آپکو ہمسے بڑا نہیں سمجھتا مال و دولت میں اسکو ہم پر کو ترجیح نہیں۔ رومیوں نے کہا اچھا ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمھاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ"۔ **معاذ** نے انکار کیا اور اُٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہِ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی، چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا، جسوقت وہ پہنچا۔ ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جنکو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشم رکھتا ہوگا اور یہی اُسکی شناخت کا ذریعہ ہوگا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پُوچھا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے اُنکی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابو عبیدہ نے کہا "ہاں" قاصد نے کہا ہم تمھاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ"۔ ابو عبیدہ نے انکار کیا قاصد برہم ہو کر اُٹھا، ابو عبیدہ نے اُس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرتِ عمر کو لکھ بھیجے[1]۔ حضرت عمر نے جوابِ مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ "ثابت قدم رہو خدا تمھارا یار اور مددگار ہے"۔

ابو عبیدہ نے اُسی دن کمر بندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے اگلے دن تنہا خالد میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا، رومیوں نے بھی جنگ

---

[1] فتوح الشام ازدی میں ہے کہ یہ خط ایک شامی لیکر گیا تھا اور حضرت عمر کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا۔

کی تیاری کی اور فوج کے تین حصّے کرکے باری باری سے میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف باگیں اُٹھائے چلا آتا تھا۔ کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر اُن کا آگا روکا اور سخت کشت و خون ہوا، یہ معرکہ ابھی سَر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی خالد نے سبرۃ بن مسروق کو اشارہ کیا، وہ اپنے رکاب کی فوج لیکر مقابل ہوئے تیسرا لشکر بڑے سروسامان سے نکلا ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا، قریب پہنچکر خود ٹھیر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا، آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی آکر مل گئیں دیر تک معرکہ رہا، مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھکر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا، اور اُلٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے اَب ہماری باری ہے اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتہً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالد اُن کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ "رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے"، چنانچہ اُسی وقت نقیب فوج میں جاکر پکار آئے کہ کل حملہ ہوگا، فوج سروسامان سے تیار رہے" رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہ بستر خواب سے اُٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالد کی ماتحتی میں دیئے گئے۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ نے اِس سرے سے اُس سرے تک ایک چکر لگایا، ایک ایک علم کے پاس جاکر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد الله استوجبوا من الله النصر بالصّبر فان الله مع الصابرین۔	یعنی "خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو، کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔"

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے۔ آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جنگی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز۔ میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں۔ اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے خالد چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینھ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد اُدھر سے پہلو دے کر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اُس میں سوار ہی سوار تھے قدر انداز نہ تھے، رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ۔ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں گیارہ بڑے بڑے افسر اُن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُدھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم **قلب** کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے، علم ہلا کر کہا "خدا کی قسم جب تک اسکو قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دونگا پھر کر نہ آؤں گا" یہ کہکر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اسقدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پانوں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے[1]۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ "رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے

---

[1] واقعہ فحل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لیگئی ہے طبری وغیرہ میں اسکو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے

اور ہر جگہ شرائطِ صلح میں یہ لکھدیا گیا کہ مفتوحین کی جان و مال، زمین، مکانات گرجے، عبادتگاہیں سب محفوظ رہینگی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لیئے کسی قدر زمین لے لیجائیگی۔"

حمص سنہ ۱۴ ہجری ۶۳۵ء

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اسکو ایمسا کہتے ہیں قدیم زمانے میں اِسکی شہرت زیادہ اسوجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا جسکے تیرتھ کے لیئے دُور دُور سے لوگ آتے تھے اور اُسکا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس حمص۔ اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا، اس لیئے لشکرِ اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا، راہ میں بعلبک پڑتا تھا، وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ میں مسلمانوں سے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملہ میں اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالد نے سبرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ میں رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھیں مُٹ بھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرجیل حمیری نے اکیلے سات سواروں کو قتل کیا۔ اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ حمص کی طرف بڑھے، شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے اُنکو تنہا دیکھکر حملہ کیا، اُنھوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی، یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے

ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی، یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیئے، چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں گے اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے، چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی، لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیجدیں جس نے ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا[1] حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی، ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ[2] کی طرف روانہ ہوئے حماۃ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا، وہاں سے روانہ ہو کر شیزر اور شیزر سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی، ان سے فارغ ہو کر لاذقیہ کا رخ کیا، یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ فینشن عہد میں اسکو امنثا کہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلے پر مقام کیا اور اسکی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا، اسکو تائید غیبی خیال کیا اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے

---

[1] کامل ابن الاثیر ۱۲ [2] یہ ایک قدیم شہر حمص اور قنسرین کے درمیان میں واقع ہے ۱۲

مسلمان اسی رات کو واپس آکر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعتہ حملہ کیا اور دم کی دم میں شہر فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہرقل کے پاے تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں[1] اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ خالد ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں قیام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک۔ ۵ رجب ۱۵ھ ۶۳۶ء

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے۔ انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا، ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں، جمعیت میں، سروسامان میں کم ہیں، پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے، اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، اوروں پر ظلم کرتے ہیں، اسکا یہ اثر ہے کہ انکے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر در حقیقت

---

[1] فتوح ازدی صفحہ ۱۳۱۔

شام سے نکلجانے کا ارادہ کرچکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کردیا جائے روم۔ قسطنطنیہ جزیرہ آرمینیہ۔ ہر جگہ احکام بھیجے گئے تمام فوجیں پایۂ تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معیّن تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ بنقدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کیے جائیں، ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا، انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہاں کے اُمرا اور رئیس اُن کے عدل و انصاف کے اسقدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرّر کر رکھے تھے، چنانچہ اُن کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُراثر تقریر کی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ مُسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اُسکی جانچ میں پُورے اُترے۔ چنانچہ اس کے صلے میں خدا نے ہمیشہ تمکو مظفّر و منصور رکھا۔ اب تمھارا دشمن اس سر و سامان سے تمھارے مقابلے کے لیئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچّوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں، اسکے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔ شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیے، یزید نے جو رائے دی بے شبہہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصّب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر

قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں، **شرحبیل** نے اُٹھکر کہا اے امیر! آپکو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے اِن عیسائیوں کو اِس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، اسلیئے نقضِ عہد کیونکر ہو سکتا ہے حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے؟ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر۔ امدادی فوج کا انتظام کیا جائے" ابو عبیدہ نے کہا اِتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مُصمّم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مُسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ "عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اِس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم انکو۔ ان کے دشمنوں سے بچا سکیں۔ لیکن اسوقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم انکی حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے اِس لیئے جو کچھ اُن سے وُصول ہوا ہے سب اُنکو واپس دیدو اور اُن سے کہدو کہ ہمکو تمھارے ساتھ جو تعلق تھا اَب بھی ہے لیکن چونکہ اسوقت تمھاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لیئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تمکو واپس کیا جاتا ہے"۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کُل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے"۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، انھوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا، یہ کہکر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابو عبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جسقدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جسقدر رقم وُصول ہوئی ہے واپس کر دیجائے۔[1]

---

[1] ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان (صفحہ ۱۳۷) میں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں (صفحہ ۸۱) ازدی نے فتوح الشام (صفحہ ۱۳۸) میں تفصیل لکھا ہی ۱۲

غرض ابوعبیدہ، دمشق کو روانہ ہوئے۔ اور ان تمام حالات سے حضرت عمر کو اطلاع دی۔ حضرت عمر یہ سن کر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہوگا۔ ابوعبیدہ کو جواب لکھا کہ "میں مدد کے لیے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے" ابوعبیدہ نے دمشق پہنچکر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان۔ شرجیل بن حسنتہ۔ معاذ بن جبل۔ سب نے مختلف رائیں دیں، اسی اثنا میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا۔ جسکا یہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال رکھا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔ ابوعبیدہ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہمنے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جو جابجا پھیلی ہوئی ہیں یکجا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو، میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابوعبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچکر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر ملے یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لیے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی، اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمر نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی اُدھر رومیوں کی آمد اور ان کے سامان کا حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابوعبیدہ نے حضرت

---

[1] یہاں تک تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی سے لیے ہیں لیکن ابوعبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے ۱۲

عمر کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے، راہب - اور خانقاہ نشین - جنھوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں - خط پہنچا تو حضرت عمر نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المومنین! خدا کے لیے ہمکو اجازت دے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں خدانخواستہ اُن کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے" مہاجرین و انصار کا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا کہ "امیر المومنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہمکو ساتھ لے کر چل" لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں - حضرت عمر نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آ گئے ہیں - اس نے کہا یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے" حضرت عمر نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصہ میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے؟ ابو عبیدہ کے نام نہایت پُرتاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا کہ الا عمر یقریک السلام ویقول لکم یا اھل الاسلام اصدقوا اللقاء وشدوا علیھم شد اللیوث - ولتکونوا اھون علیکم من الذر فانا قد کنا علمنا انکم علیھم منصورون -

یہ عجیب حُسنِ اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد - ابو عبیدہ کے پاس آیا، اُسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے - مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی - اور اُنھوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں، رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیر الجبل میں اُتریں خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں - معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے میمنہ پر مقرر کیا - قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج

کے چار حصے کیئے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن ہبیرہ۔ میسرہ بن مسروق۔ عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا، یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اسوجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے، رومی بھی بڑے سر و سامان سے نکلے۔ دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۲۴ صفیں تھیں جنکے آگے آگے ان کے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لیئے جوش دلاتے جاتے تھے، فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحی فی حجالها   الست یوم الحرب من ابطالها

پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو   کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتیار بھی نہیں سنبھال سکا تھا کہ ان کا وار چل گیا تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا، اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلہ میں جدا جدا فوجیں متعین کی تھیں، لیکن سب نے شکست کھائی، اس دن یہیں تک نوبت پہنچکر لڑائی ملتوی رہ گئی۔

رات کو **باہان** نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑ چکا، بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر انکو یہاں سے ٹالا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجدو، ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں۔ ابو عبیدہؓ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد جو پیغام لیکر آیا اسکا نام جارج تھا۔ جسوقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہکر کھڑے

ہوئے اور جس محویت، سکون و وقار، ادب و خضوع سے اُنھوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کیے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔ یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکۃ المقربون۔ مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا، تو جارج بے اختیار پکار اُٹھا کہ بے شک عیسیٰؑ کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمھارا پیغمبر سچّا ہے“ یہ کہکر اُس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اِس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائیگا اُس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لیے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دُور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے انپر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے، باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اُس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لیکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسیٰؑ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم اِن الفاظ کا پُورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمھارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا لیکن ہم نے جسکو سردار بنا رکھا ہے اُسکو

ایک لحظہ کے لیئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اُسکو معزول کردیں، باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کرکے کہا کہ "اہلِ عرب! تمھاری قوم کے جو لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ اُن کے ساتھ دوستانہ سلوک کیئے، ہمارا خیال تھا کہ اِس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا، لیکن خلافِ توقع تم ہمارے مُلک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے مُلک سے نکال دو، تمکو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کیئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں، اَب تمکو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم، جاہل، وحشی، اور بے سر و سامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے، ہم اسپر بھی درگزر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کی طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سَو سَو دینار دلا دیئے جائیں گے"۔

باہان اپنی تقریر ختم کرچکا تو خالدؓ اُٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہہ تم دولتمند ہو، مالدار ہو، صاحبِ حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہمکو معلوم ہے لیکن یہ تمھارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعتِ مذہب کی ایک تدبیر تھی جسکا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہوگئے۔ اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمھارے ساتھ ہوکر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا، قبائل۔ آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے، اور اُنکو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بُت تراشتے تھے اور اُسکی عبادت کرتے تھے لیکن خدا نے ہمپر رحم کیا۔ اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، زیادہ پاک خو تھا اُس نے ہمکو توحید سکھلائی اور بتادیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، وہ بیوی اور اولاد نہیں رکھتا۔ اور بالکل یکتا و یگانہ ہے"، اُس نے ہمکو یہ بھی حکم دیا کہ ہم اِن عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جسنے اُن کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے جسنے نہ مانا لیکن **جزیہ** دینا قبول کرتا ہے

اُس کے ہم حامی اور محافظ ہیں، جسکو دونوں سے انکار ہو اُس کے لیئے تلوار ہے۔

باہان نے جزیہ کا نام سُن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں"۔ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اُٹھ کر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی طیاریاں شروع ہوئیں جسکے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے خالد کے چلے آنے کے بعد۔ باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے سُنا۔ اہل عرب کو دعوے ہے کہ جب تک تم اُنکی رعایا نہ بن جاؤ اُن کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تمکو اُنکی غلامی منظور ہے؟

تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی"

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سر و سامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھکر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اُس کے ۳۶ حصّے کیئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اِسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا، میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرجیل مامور ہوئے۔ میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کیئے چُن کر اُن لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنونِ جنگ میں شہرتِ عام رکھتے تھے۔ خُطبا۔ جو اپنے زورِ کلام سے لوگوں میں ہلچل ڈال دیتے تھے اِس خدمت پر مامور ہوئے کہ پُرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں انھیں میں ابو سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے اللّٰہ انکم ذادۃ العرب و انصار الاسلام و انہم زادۃ الروم و انصار الشرک۔ اللّٰھم ان ھذا یوم من ایامک اللھم انزل نصرک علی عبادک عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایھا الناس غضوا ابصارکم واشرعوا الرماح والزموا مراکزکم فاذا حمل عدوکم فامھلوا	یارو! نگاہیں نیچی رکھو برچھیاں تان لو اپنی جگہ پر جمے رہو۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔

ھم حتی اذا رکبوا اطراف الاسنۃ	یہاں تک کہ جب نیزوں کی نوک پر آگئے تو ستاروں کی
فنثوا فی وجوھھم وثوب الاسد	طرح ان پر ٹوٹ پڑے

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنھوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے۔ سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی ہمدان خولان۔ لخم جذام وغیرہ کے مشہور سردار تھے، اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اسمیں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں، امیر معاویہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں، عضدوا الغلفان بسیوفکم امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔ مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورۂ انفال (جسمیں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ کا ٹڈی دل ایک ساتھ بڑھا، ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا "اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے"۔ خالد نے جھلا کر کہا چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہدیتا کہ "عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھالیں"۔

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیروں کا مینہ برسا دیے۔ دیر تک مسلمان برابر ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہوگیا، اور

نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھکر سخت غصہ آیا، اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ نامردو! اِدھر آئے تو چوبوں سے تمھارا سر توڑ دیں گے،" خولہ یہ شعر پڑھکر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا هاربا عن نسوةٍ تقیات   رُمیت بالسّهم والمنیات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ اُن کے بیٹے نے کہا ہاں۔ یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلۂ زبید کے سردار تھے پانسو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلۂ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور اُن پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سر، ہاتھ، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ "ازدیو! دیکھنا۔ مسلمانوں پر تمھاری وجہ سے داغ نہ آئے"۔ نو بڑے بڑے بہادر اُن کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعتہً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں اُبتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا "عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمھارے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے؟

یہ کہکر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریبًا سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالد نے اپنے زانو پر اُن کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا "خدا کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہوکر نہ مرینگے"۔

غرض عکرمہ اور اُن کے ساتھی گو خود ہلاک ہوگئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کردیے خالد کے حملوں نے اور بھی اُن کی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر اُن کو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد انکو دباتے ہوئے سپہ سالار (درنجار) تک پہنچ گئے۔ درنجار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لیئے کہ "اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں"۔

عین اُسوقت جب اِدھر میمنہ میں بازارِ قتال گرم تھا ابن قناطیرؓ نے میسرہ پر حملہ کیا، بدقسمتی سے اِس حصے میں اکثر لخم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مُدت سے رُوم کے باجگزار رہتے آئے تھے۔ رُومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اُسکا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہوچکا ہوتا۔ رُومی۔ بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھکر بے اختیار نکل پڑیں اور اُن کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روکدیا۔ فوج اگرچہ اَبتر ہوگئی تھی، لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم۔ سعید بن زید۔ یزید بن ابی سفیان۔ عمرو بن العاص۔ شرجیل بن حسنہ، داد شجاعت دے رہے تھے قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر اُن کے تیور پر بل نہ آتا تھا نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اُس شخص کو ہتیار دے جسنے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ

---

[1] تاریخ طبری واقعہ یرموک۔ [2] رومیوں کے میمنہ کا سپہ سالار تھا ۱۲

سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا"۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ اُن کے ہاتھ میں لا کر دیدیتے اور پھر وہ شبیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابو الاعور۔ گھوڑے سے کُود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ "صبر و استقلال دنیا میں عزّت ہے اور عقبیٰ میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نجانے پائے"، سعید بن زید غصّہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رُومی اُن کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے، اتفّاق سے اُن کے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے اُنکی طرف آنکلے۔ بیٹے کو دیکھکر کہا "جانِ پدر! اسوقت میدان میں ایک ایک سپاہی۔ شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے، تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اِس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے"۔ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ "خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں ؟" یہ آواز جسکے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرجیل نے اُن کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رُومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رُک گئے۔

اُدھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پُشت پر آکھڑی ہوئیں اور چلّا کر کہتی تھیں کہ "میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا مُنہ نہ دیکھنا"۔

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے۔ بلکہ غلبہ کا پلّہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعۃً قیس بن ہبیرہ جنکو خالد نے فوج کا ایک حصّہ دیکر میسرہ کی پُشت پر متعیّن کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے

اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی تمام صفیں ابتر ہوگئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا، رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اُس کے کنارے تک آ گئے تھوڑی دیر میں انکی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہوگیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جسوقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے اُن کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہوگیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈھتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا؟ اُن کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے چنانچہ سوار بن اوفیٰ ایک شاعر نے کہا۔

[۱] ومنا ابن عتاب وناشد رحله ومنا الذی ادی الی الحی حاجبا

رومیوں کے جسقدر آدمی مارے گئے۔ انکی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے، مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازور۔ ہشام بن العاصی۔ ابان۔ سعید وغیرہ تھے۔ **قیصر** انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اُسیوقت قسطنطنیہ کی تیاری کی۔ چلتے وقت شام کی طرف رُخ کر کے کہا "الوداع اے **شام**"۔

ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا۔ اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جسمیں حذیفہ بن الیمان بھی تھے۔ حضرت عمر یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعتہ سجدے میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

---

[۱] یہ تمام واقعہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱ میں مذکور ہے ۱۲

ابو عبیدہ یرموک سے حمص کو واپس گئے۔ اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اوّل مقابلہ کیا۔ لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدّت سے آکر آباد ہو گیا تھا، یہ لوگ برسوں تک کمل کے خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدّن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوالی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہمقومی کے اتحاد سے اُن کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے انھوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے حلب کا رُخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انھوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ کی آمد سُن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ اور اُن کی جان۔ مال۔ شہر پناہ مکانات۔ قلعے۔ اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھدیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے۔ چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آکر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا، چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی، ان صدر مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا۔ عیسائی خود آکر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا۔ جومہ۔ سرمین۔ توزی۔ قورس۔ تل غراز۔ دلوک رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوتے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر

نہیں گرا۔ اسیطرح بالس اور قاصرین بھی پہلے حملہ میں فتح ہوگئے۔ جرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے انکی یہ درخواست منظور کرلی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائی کوچک کی سرحد ملتی تھی یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان۔ تنوخ۔ ایاد۔ رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کررہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے اُن پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکلجائیں۔

بیت المقدس ۱۶ھ ۶۳۷ء

ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین۔ عمروبن العاص کے حصّے میں آیا۔ عمروبن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکر ہی کے عہد میں فتح کرلیئے تھے اور فاروقی عہد تک نابلس۔ لد۔ عمواس۔ بیت جبرین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہوچکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابوعبیدہ سے ملتے تھے اور اُنکو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے[1]۔ یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کرکے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہوکر لڑتے رہے، اُس وقت حضرت ابوعبیدہ۔ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کرچکے تھے، چنانچہ اُدھر سے فرصت پاکر بیت المقدس کا رُخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمّت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیئے یہ شرط اضافہ کی

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰۔

کہ عمر خود یہاں آئیں اور معاہدۂ صلح اِن کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ "عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں آپ انکی اس درخواست کو رد کر دیں تو انکو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان انکو بالکل حقیر سمجھتے ہیں بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے" لیکن حضرت علی نے اس کے خلاف رائے دی حضرت عمر نے انہی کی رائے کو پسند کیا۔ اور سفر کی تیاریاں کیں، حضرت علی[1] کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار انکو سپرد کیے اور[2] رجب سنہ ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ **فاروق اعظم** کا سفر۔ اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا۔ کس سر و سامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاؤ لشکر، ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہی زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دیجا چکی تھی کہ جابیہ میں آکر اُن سے ملیں، اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ حضرت عمر کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پُر تکلف قبائیں تھیں اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اُتر پڑے اور سنگریزے اُٹھا کر انکی طرف پھینکے کہ اسقدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کرلیں۔

---

[1] یہ طبری کی [illegible] ہے یعقوبی نے حضرت علی کے بجائے حضرت عثمان کا نام لیا ہے۔ [2] یعقوبی صفحہ ۱۶۷۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں (یعنی سپہ گری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا) فرمایا: "تو کچھ مضائقہ نہیں[1]"، شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا، عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کم ترکوا من جنات وعیون الخ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمر کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی، چنانچہ رئیسان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتہً کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اڑاتے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمر نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہیں۔ غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے[2]۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سُم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رُک رُک کر قدم رکھتا تھا حضرت عمر یہ دیکھ کر اتر پڑے لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمر سوار ہوئے تو اٹھلانے لگا فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سیکھی۔ یہ کہکر اُتر پڑے اور پیادہ پا چلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہ اور سردارانِ فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمر کا لباس اور سروسامان اس معمولی حیثیت

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۲، [2] یہ طبری کی روایت ہے بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس [illegible] غالباً اس معاہدے کو [illegible] اس کتاب کے دوسرے حصے میں نقل کیا ہے۔ دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ (۱۲۱)۔

کا تھا اُسکو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی، حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا نے ہمکو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیئے یہی بس ہے۔" غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ محراب داؤد کے پاس پہنچکر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر اُدھر پھرتے رہے

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہوگئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیئے۔ ایک دن بلال (رسول اللہ کے مؤذن) نے آکر شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں حضرت عمر نے افسروں کی طرف دیکھا اُنھوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اُسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیدیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ۔ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لیئے اذان نہ دونگا۔ لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجالاؤنگا اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہوگئے، حضرت عمر کی ہچکی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔

ایکدن مسجد اقصے میں گئے اور کعب احبار کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے۔ مسجد اقصی میں ایک پتھر ہے جو انبیاے [illegible] کی یادگار ہے اسکو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اسکی اسیطرح تعظیم کرتے ہیں جسطرح مسلمان حجر اسود کی حضرت عمر نے [illegible] تھا جسکی ابتد[illegible] پوچھا تو کعب نے کہا کہ صخرہ کیطرف حضرت عمر نے فرمایا کہ تم میں ابتک یہودیت کا اثر باقی

باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آ کر جوتی اتار دی۔ اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصہ کے صفحہ ۱۲، و ۱۶۹۔ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش سنہ ۱۷ھ ۶۳۸ء

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ ایران اور روم کی مہمیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لیے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سر سے ہمت کیجیے، ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی۔ ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔

ابو عبیدہ نے بھی ادھر اُدھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں جمائیں، ساتھ ہی حضرت عمر کو تمام حالات سے اطلاع دی، حضرت عمر نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آ جائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑائے۔ قعقاع بن عمر کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لیکر حمص کو پہنچ جائیں سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچکر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچکر عرب کے اُن قبائل کو تمام

رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے۔ جزیرہ والوں نے جب سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچھتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد نے کہلا بھیجا کہ افسوس! میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجکو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پروا نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔ ادھر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو انھوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا میری جو رائے ہے معلوم ہے، عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے، اس پر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پرزور اور مؤثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہگیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئیگا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا۔" فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لیئے بیقرار تھی۔ ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعتہً سب نے ہتھیار سنبھال لیئے، ابو عبیدہ قلب فوج اور خالد و عباس میمنہ اور میسرہ کو لیکر بڑھے قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آتے تھے حمص سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی۔ فوج چھوڑ کر سو سواروں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آملے۔ مسلمانوں کے حملے کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹے، ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک انکے قدم نہ جمے یہ اخیر معرکہ تھا جسکی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جسکے بعد انکو پھر کبھی پیشقدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرتِ خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ ۶۳۸ء کے واقعات میں حضرتِ خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آتے ہیں لیکن یہ اُنکی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلافِ بیانی کا بھی خیال نہیں۔ خود ہی ۱۳ھ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی ۱۷ھ کے واقعات میں اُنکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغازِ خلافت میں اُن سے کچھ تعرّض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد کی عادت تھی کہ وہ کاغذاتِ حساب دربارِ خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لیئے انکو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اِسکا خیال رکھیں خالد نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں اور اَب اِس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو اُنکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اِسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بناء پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالد کے حال میں بتفصیل لکھا ہے۔

✓ بااینہمہ انکو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابوعبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اِس کے بعد ۱۷ھ ۶۳۸ء میں واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیئے۔ پرچہ نویسوں نے اسی

وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالدؓ جس کیفیت سے معزول کیے گئے وہ سننے کے قابل ہے قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا مجمعِ عام میں خالدؓ سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر کا حکم تھا کہ اُن سے درگزر کیجائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اُتار لی اور اُن کی سرتابی کی سزا کے لیئے اُن ہی کے عمامہ سے انکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایسا بڑا سپہ سالار جسکا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اِس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مُطلق دم نہیں مارتا۔ اِس واقعہ سے ایک طرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے۔ اور دوسری طرف حضرت عمر کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچکر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المؤمنین عمرؓ نے مجھکو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھکو معزول کر دیا اِس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چُپ رہ! اِن باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے" خالد نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے[لہ]۔

خالدؓ مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ! خدا کی قسم تم میرے معاملے میں ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی خالد نے کہا کہ مالِ غنیمت سے۔ اور یہ کہکر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جسقدر زیادہ رقم نکلے وہ مَیں آپ کے حوالے کرتا ہوں چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالد کی

[لہ] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ (۸۷) اور تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۷

طرف مخاطب ہوکر کہا کہ خالدؓ! واللہ تم مجکو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں۔ یہ کہکر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اُن کے مفتوں ہوتے جاتے ہیں۔ اسلئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے[1]۔ ان واقعات سے ایک نکتہ بیں شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اُنمیں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا ۱۸ھ

۶۳۹ء

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی۔ اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اُسکی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرغ[2] پہنچکر ابو عبیدہ وغیرہ سے جو اُن کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بُلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن مہاجرین فتح نے یک زبان ہوکر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمر نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کُوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے انکو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا۔

افرارًا من قدر اللہ	یعنی اے عمرؓ! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے انکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

نعم افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ	یعنی ہاں" تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کیطرف ہوں

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۸ [2] ایک مقام کا نام ہے ۱۲

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابوعبیدہ کو لکھا کہ مجکو تم سے کچھ کام ہے کچھ دنوں کے لیے یہاں آجاؤ ابوعبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بُلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہوگا۔ میں مُسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھکر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اُتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے۔ اِس لیے کوئی عمدہ موقع تجویز کرکے وہاں اُٹھ جاؤ۔ ابوعبیدہ نے اِس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جاکر مقام کیا جو آب ؤ ہوا کی خوبی میں مشہور تھا جابیہ پہنچکر ابوعبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدّت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پُراثر الفاظ میں وصیّت کی۔ معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرّر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وُہی نماز پڑھائیں اِدھر نماز ختم ہوئی اِدھر اِنھوں نے داعی اجل کو لبّیک کہا۔ بیماری اُسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا اُنہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اسلیئے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیئے۔ معاذ نے سُنا تو ممبر پر چڑھکر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا۔ بلا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے۔ خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا یا ابنی الحق من ربك فلا تکونن من الممترین یعنے اے فرزند۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ دیکھ شُبہہ میں نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب یا ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین۔ یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجکو صابر پائیں گے۔" یہ کہکر انتقال کیا معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرّر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی۔ بڑے اطمینان اور مسرّت کے ساتھ جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی طعمۂ اجل ہوتے جاتے تھے۔ لیکن معاذ اُسکو خدا کی رحمت سمجھا کیئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ اُنھوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی

ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ اس لیئے تمام فوج کو یہاں سے اُٹھکر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیئے اگرچہ اُن کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہمخیال تھے ناپسند آئی یہاں تک ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ "تو جھوٹ کہتا ہے" تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج اُن کے حکم کے مطابق اِدھر اُدھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اسوقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو آدھی دنیا کے فتح کرنے کے لیے کافی ہو سکتے تھے، موت کے مہمان ہو چکے تھے۔ انہیں ابو عبیدہ۔ معاذ بن جبل یزید بن ابی سفیان۔ حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمر۔ عتبہ بن سہیل۔ بڑے درجے کے لوگ تھے۔

حضرت عمر کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی۔ اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرجیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اِس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہً رک گیا

فوج بجائے اسکے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے ہزاروں عورتیں بیوہ بن گئیں۔ جو لوگ مرے تھے اُنکا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علی کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفا اُنکا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اُسکے اونٹ پر سوار ہوئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے"! اِسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لیئے ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا، اُسنے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے۔ اور اُس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اسمیں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق آئے۔ اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کیئے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں

جو لوگ وبا میں ہلاک ہوئے۔ تھے اُن کے دُور و نزدیک کے وارثوں کو بُلا کر اُن کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو اسامیاں خالی ہوئی تھیں اُن پر نئے عہدے دار مقرر کیے (ان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصہ میں آئیگی) چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا، اور جو انتظامات کیے تھے اُن کے متعلق تقریر کی۔

اِس سال عرب میں سخت قحط پڑا۔ اور اگر حضرت عمر نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے۔ اِسی سال۔ مہاجرین اور انصار اور قبائلِ عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کیے۔ چنانچہ اِن انتظامات کی تفصیل دوسرے حصہ میں آئیگی۔

قیساریہ کی فتح۔ شوال سنہ ۱۹ھ ۶۴۰ء

یہ شہر بحرِ شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے ضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سَو بازار آباد تھے۔ اِس شہر پر اول اول سنہ ۱۳ھ ۶۳۵ء میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مُدت تک محاصرہ کیے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمر نے یزید بن ابی سفیان کو اُن کی جگہ مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں۔ وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن سنہ ۱۸ھ ۶۳۹ء میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے سروسامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا۔ امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سُرنگ کا نشان دیا۔ جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اُسکی راہ قلعہ کے اندر پہنچکر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی

تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ مورخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اسکی فتح سے گویا تمام کا مطلع صاف ہوگیا۔

جزیرہ[1] سنہ ۱۶ ہجری

مدائن کی فتح سے دفعۃً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ حقیر ذلیل سمجھتے تھے یا اب انکو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمر کو ان حالات سے اطلاع دی۔ وہاں سے عبداللہ بن المعتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل، میمنہ پر حارث بن حسان، میسرہ پر فرات بن حیان۔ ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن المعتم پانچ ہزار کی جمعیت سے **تکریت** کی طرف بڑھے۔ اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینے سے زیادہ محاصرہ رہا۔ اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی **ایاد و تغلب۔ نمر** بھی شریک تھے۔ عبداللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو۔ ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا ہوا۔ عجمی مقابلے کو نکلے تو خود ان کے ساتھ کے عربوں نے عقب سے انپر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر بالکل پامال ہوگئے

---

[1] جزیرہ اس حصۂ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اسکی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک جنوب شام مشرق عراق۔ شمال آرمینیہ کے کچھ حصے۔ [illegible] سنہ ۱۲ [illegible]

[2] تکریت جزیرہ کا ایک شہر ہے [illegible] سرحد عراق سے ملی ہوئی ہے دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے [illegible] ہے ۱۱

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اسکا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لیے مؤرخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے۔ اور خود اُس زمانے میں بھی یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا، ۱۷ھ میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی ردوکد کے بعد جزیہ پر صلح کرلی رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اِس سرے سے اُس سرے تک فتح ہوگیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں اُن کے نام یہ ہیں۔ رقہ۔ حران۔ نصیبین۔ میافارقین۔ سمساط۔ سروج۔ قرقیسیا۔ زوزان۔ عین الوردہ

خوزستان[۱]

سنہ ۱۵ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سنہ ۱۶ ہجری کے شروع میں اہواز پر جسکو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کرلی۔ مغیرہ وہیں رُک گئے۔ سنہ ۱۷ ہجری میں مغیرہ معزول ہو کر اُن کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کردی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکرکشی کی۔ اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اُس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔

---

[۱] خوزستان اُس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ۱۴ اچھے شہر ہیں جسمیں سب سے بڑا شہر "اہواز" ہے جو نقشہ میں بھی درج کردیا گیا ہے ۱۲

غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی، لونڈی غلام بنکر تقسیم کیے گئے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابوموسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس معرکہ میں مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے۔ اور قلعہ والوں نے اُن کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ ابوموسے نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابوموسے نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیسِ شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اُسکو امن دیدیا جاتا تھا۔ بدقسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابوموسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔ سوس کے بعد رامہرز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزدگرد اُسوقت قم میں مقیم تھا اور خاندانِ شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابوموسے کی دست درازیوں کی خبریں اُسکو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا، یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دیدیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اُسی وقت فرمانِ حکومت عطا کر کے ایک جمعیتِ عظیم ساتھ کر دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں یہیں تھیں۔ ہرمزان نے وہاں پہنچکر قلعہ کی مرمت کرائی۔ اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا۔ اِس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لیئے آمادہ کریں۔ اِس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیتِ عظیم فراہم ہو گئی۔ ابوموسے نے

دربارِ خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن غنیم نے جو سروسامان کیا تھا اُس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابو موسےٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدھی فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑدو اور باقی فوج لے کر خود ابو موسےٰ کی مدد کو جاؤ۔ ادھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لیکر جلولا پہنچا۔ ابو موسےٰ نے اس سروسامان سے تُستر کا رُخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرتِ فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابو موسےٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ براء بن مالک کو دیا۔ (یہ حضرت انس (صحابی مشہور) کے بھائی تھے)۔

میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پُہنچ گئے۔ اُدھر ہرمزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا براء مارے گئے۔ ساتھ ہی مخزاۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھکر وار کیا۔ لیکن ہرمزان نے انکا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسےٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں۔ ابو موسےٰ نے منظور کیا۔ اس نے ایک عرب کو جسکا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اُتر کر ایک تہ خانے کی راہ شہر میں داخل ہوا۔ اور اشرس کے مُونھ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا

ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابوموسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابوموسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو بہادروں نے بڑھکر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اسی تہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے۔ اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ ادھر ابوموسے فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اُتر آتا ہوں۔ کہ تم مجھکو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو” ابوموسے نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لیے۔ مدینہ کے قریب پہنچکر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی۔ اور شاہانِ عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اسکا دربار بھی بڑے سرو سامان کا ہوگا۔ حضرت عمر اسوقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس

کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یہ دنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں"۔ اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اُسوقت تک مترجم نہیں آیا تھا مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے اسلیئے انھوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہؓ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لیے کہا کہ از کدام ارضی؟ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا[1] شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اسقدر رنج تھا کہ انھوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کرلیا تھا تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمرؓ! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھدیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لیے شرط کے موافق، تم مجکو قتل نہیں کرسکتے۔ حضرت عمرؓ اس مغالطے پہ حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لاچکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیئے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا[2]۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے" اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کردیا۔ حضرت عمرؓ، فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے شوشتر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا جو شوشتر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دئے اور نہایت

---

[1] ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے ۱۲ [2] عقد الفرید لابن عبد ربہ باب المکیدة فی الحرب ۱۲

اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان تعجب ہوا اور اسکا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا تم ہمکو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے۔ اب کیا جھگڑا رہا۔ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے۔ **ابو موسیٰ** نے کہا ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت **عمرؓ** کو خط لکھا گیا۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جسکو اس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام **خوزستان** میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نیا ملک اضافہ ہو گیا

عراق[1] عجم سنہ ۲۱ ہجری ۶۴۱ء

جلولا کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزدگرد **رَے** چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لیئے رَے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا یہاں پہنچکر **مرو** میں اقامت کی۔ آتشِ پارسی ساتھ تھی۔ اسکے لیئے آتشکدہ تیار کرایا اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اسکا وہ پہلا رعب داب باقی نہیں رہا تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعتہ نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اسوقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچکر رک جائے گی۔ اس لیئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا لیکن خوزستان

---

[1] سرزمین عراق دو حصوں پر منقسم ہے مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان، اور مغرب میں شہرزور واقع ہے اُسوقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رَے سمجھے جاتے تھے اس وقت رَے بالکل ویران ہو گیا اور اسی کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہان قاجار کا دار السلطنت ہے ۱۲

کے واقعہ سے اُن کی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے، اس سے دفعۃً طبرستان جرجان، دماوند، رے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان۔ اور سند تک تلاطم مچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل قم میں آکر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو (ہرمز کا فرزند تھا) سرِ لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں درفشِ کاویانی جسکو عجم فالِ ظفر سمجھتے تھے۔ مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مُبارک عَلم کا پھریرا اُسپر سایہ کرتا جاتا تھا عمار بن یاسر نے جو اُسوقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر کو اِن حالات سے اطلاع دی حضرت عمر عمار کا خط لیے ہوئے مسجدِ نبوی میں آئے۔ اور سب کو سُنا کے کہا کہ گروہِ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمربستہ ہو کر چلا ہے کہ مُسلمانوں کو دُنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ طلحہ بن عبید اللہ نے اُٹھکر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں بجا لائیں"۔ حضرت عثمان نے کہا کہ "میری رائے ہے کہ شام، یمن، بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر عراق کو روانہ ہوں۔ اور آپ خود اہلِ حرم کو لیکر مدینہ سے اُٹھیں۔ **کوفہ** میں تمام فوجیں آپ کے عَلم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نہاوند کی طرف رُخ کیا جائے"۔ حضرت عثمان کی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ لیکن حضرت علی چُپ تھے۔ حضرت عمر نے اُن کی طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹیں تو اِن مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائیگا اور آپ نے **مدینہ** چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائیگی اور خود اپنے مُلک کا تھامنا مشکل ہوگا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام، یمن، بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیجدیے جائیں کہ جہاں جہاں جسقدر فوجیں ہیں ایک ایک ثلث اِدھر روانہ کر دیجائیں"۔ حضرت عمر نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں تنہا اسکا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم میں سپہ سالار بنکر کون جائے؟ لوگ ہر طرف خیال دَوڑاتے تھے لیکن اسدرجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے

وہ اوراد اور تہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انھوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف انکی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اسکا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی۔ **نعمان** تیس ہزار کی جمعیت سے کوفہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن عمر، جریر بجلی، مغیرہ بن شعبہ، عمرو معدی کرب، زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسوں کو بھیجکر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے نہاوند سے نو میل ادھر اسپدہان ایک مقام تھا وہاں پہنچکر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرؓ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں اُن کو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاوند بڑھنے نہ پائیں۔ اِس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لیے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا، مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زرّہ پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شاہزادے، دیبائے زرکش کی قبائیں۔ سر پہ تاج زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ اُن کے پیچھے دُور دُور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں جنکی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا۔ اہل عرب! سب سے زیادہ بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھکو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے

ناپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا"۔ مغیرہ نے کہا ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے۔ لیکن اس ملک میں آ کر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا اور یہ مزہ ہم نے اسی وقت چھوڑیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں"۔ غرض سفارت بیحاصل گئی اور دونوں طرف جنگ کی طیاریاں شروع ہو گئیں۔ **نعمان** نے میمنہ اور میسرہ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع۔ متعین ہوئے۔ اُدھر میمنہ پر زردک۔ اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں۔ اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں عجمی بڑے جوش سے مقابلے کو نکلے اور اس بندوبست کے لئے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ جسقدر بڑھتے آتے تھے پیچھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے۔ قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر جو فوجیں جما رکھی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جوں ہی عجمی زد پر آئے انھوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے اُس سے سینکڑوں ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے جاتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی، تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے

نعرہ پر فوج سر و سامان سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں۔ تیسرے پر دفعتہً حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے۔ انکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جوں ہی وہ گھوڑے سے گرے۔ نعیم بن مقرن ان کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور اُن کی کلاہ اور قبا پہن کر اُن کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اسکا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے، نعمان جسوقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی اُن کے پاس سے نکلا، دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اُتر کر اُن کے پاس بیٹھنا چاہا کہ اُن کا حکم یاد آ گیا۔ اسیطرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا۔ اُنھوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اُس نے کہا مسلمانوں کو فتح ہو گئی، خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً عمر کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچکر مقام کیا یہاں ایک مشہور آتشکدہ تھا، اسکا موبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجکو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسرے پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لا کر پیش کیے جسکو کسرے نے مشکل وقتوں کے لیئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور

پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مژدۂ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنکو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمرؓ پھر روئے اور فرمایا کہ "عمرؓ نہ جانے تو نہ جانے خدا اُنکو جانتا ہے"۔ جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کردیں۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کرور درہم کو فروخت ہوئے

اس لڑائی میں قریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے۔ اس معرکہ کے بعد عجم نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام **فتح الفتوح** رکھا۔ **فیروز** جسکے ہاتھ پر حضرت فاروقؓ کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۲۱ھ ۶۴۲ء

اسوقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے مُلک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ در حقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اُس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلے میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم اُنپر چڑھ کر جاسکتے"۔

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کرکے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مُسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے نہاوند

کے معرکے سے حضرت عمر کو یہ خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہیگا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے اسوقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔

اس بنا پر حضرت عمر نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو، ساپور و اردشیر کا مجاشع بن مسعود کو، اصطخر کا عثمان بن العاص الثقفی کو، فسا کا ساریہ بن رہم الکنانی کو، کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمرو کو، مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو، آذربیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۲۱ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم انکو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ سنہ ۲۱ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی یہاں کے رئیس نے جسکا نام استندار تھا اصفہان کے نواحی میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی۔ جسکے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آکر پکارا کہ جس کو دعوے ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے عبداللہ خود مقابلہ کو نکلے [illegible] اور [illegible] لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ استندار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر [illegible] اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑکر خود فیصلہ کر لیں دونوں حریف میدان میں آئے۔ فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا۔ عبداللہ نے اس پامردی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفرین نکلی اور کہا کہ میں تم سے

[illegible] نہیں پاتا تھا بلکہ شہر اور [illegible] پر حوالہ کرتا تھا اور باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دیکر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے۔ عبداللہ نے یہ شرط منظور کی اور معاہدۂ صلح لکھدیا۔

[illegible] ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو اُدھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار فوج سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کیے۔ لیکن جب محاصرہ میں دیر ہوئی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا لیکن دیلم نے رَے و آذربیجان سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبدی جو رَے کا رئیس تھا فوج کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربیجان سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ واج رود میں یہ فوجیں جمع ہوئیں۔ اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا۔ آخر دیلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمرؓ کے پاس شکست کی خبر لیکر گئے تھے۔ اس فتح کا پیام لیکر گئے کہ اُس دن کی تلافی ہو جائے۔ حضرت عمرؓ دیلم کی تیاریاں سنکر نہایت تردد میں تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعۃً عروہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں۔ بے ساختہ زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ نکلا! عروہ نے کہا آپ گھبرائیں نہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمرؓ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے رَے کو روانہ ہوں۔ رَے کا حاکم اُس وقت سیاوش تھا جو بہرام چوبین کا پوتا تھا۔ اُس نے دنباوند۔ طبرستان۔ قومس۔ جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی۔ اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زینبدی جسکو سیاوش سے کچھ ملال تھا نعیم بن مقرن سے آملا۔ اسکی سازش سے شہر پر حملہ ہوا۔ اور حملہ کے ساتھ دفعۃً شہر فتح ہو گیا۔ نعیم نے زینبدی کو رَے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے

سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رَے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اِس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پُورا پُورا قبضہ ہو گیا۔

آذربیجان[1] سنہ ۲۲ھ ۶۴۳ء

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمرؓ نے آذربیجان کا عَلَم عتبہ (بن فرقد) اور بکیر کو بھیجا تھا اور اُن کے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں۔ بکیر جرمیدان میں پُہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کا سدِ راہ ہوا۔ لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سُنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی۔ اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مؤرخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربیجان کا عَلَم۔ حذیفہ بن یمان کو ملا تھا۔ وہ نہاوند سے چلکر اردبیل پُہنچے جو آذربیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ماجروان۔ میمند۔ سراۃ۔ سبز۔ میانج وغیرہ سے ایک انبوہِ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اِس کے بعد موقان وجیلان پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اُڑائے۔

اِسی اثنا میں دربارِ خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پُہنچا اور عتبہ بن فرقد اُنکی جگہ پر مقرر ہوئے۔ عتبہ کے پُہنچتے پُہنچتے آذربیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی چنانچہ عتبہ نے دوبارہ اِن مقامات کو فتح کیا۔

---

[1] نقشہ دیکھنے سے آذربیجان کا پتہ اس طرح لگیگا کہ شہر تبریز کو اُسکا صدر مقام سمجھنا چاہیئے (سابق میں شہر مراغہ دارالصدر تھا) بردعہ اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں آذربیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ موبد آذر آباد نے ایک آتشکدہ بنایا تھا جسکا نام آذر آبادگان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی میں آذر کے معنے آتش کے ہیں اور بائیگان کے معنے ہیں محافظ یعنی نگاہ دارندۂ آتش چونکہ اس صوبہ میں آتشکدوں کی کثرت تھی اسوجہ سے یہ نام ہو گیا جسکو عربوں نے اپنی زبان میں آذربیجان کر لیا ۱۲

طبرستان[51] سنہ ۲۲ھ ۶۴۴ء

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو اُن کے بھائی سوید۔ قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا۔ اُس نے جزیہ پر صلح کر لی اور معاہدۂ صلح میں بتصریح لکھدیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا۔ اور مسلمانوں کو اُنپر یا اُن کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہو گا۔

آرمینیہ[52]

بکیر جو آذربیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمر نے ایک نئی فوج تیار کر کے انکی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جسکا نام شہر براز تھا مجوسی تھا اور سلطنتِ ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سنکر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجکو آرمینیہ کے کمینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش

---

[51] نقشہ میں صوبۂ طبرستان فتوحاتِ عثمانی میں ملیگا اسلیئے کہ خلافتِ فاروقی میں جزیہ لیکر چھوڑ دیا گیا تھا اسکی حدود اربعہ یہ ہیں مشرق میں خراسان و جرجان، مغرب میں آذربیجان، شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد جبل۔ بسطام اور استرآباد اس کے مشہور شہر ہیں ۱۲

[52] صوبۂ آرمینیہ کو بلادِ ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے شمال میں بحر اسود، جنوب میں کوہی اور صحرائی حصہ دور تک چلا گیا ہے مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلادِ روم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافتِ عثمانی میں کامل فتح ہوا تھا اس لیے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے ۱۲

پیش آئے تو فوجی امداد دیجائے۔ چونکہ **جزیہ** درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط منظور کر لی گئی۔ اِس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ربیعہ بلنجر کی طرف جو مملکت **خزر** کا پایۂ تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں عبدالرحمن نے کہا لیکن میں جب تک اِس کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضاء فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ اِدھر بکیر نے قان کو جہاں سے اران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ حبیب بن مسلمۃ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان کا رُخ کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اُڑتا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ ہو چکا۔ چنانچہ یہ ناتمام مہمات حضرت عثمانؓ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس ۲۳ھ

۶۴۴ء

فارس پر اگرچہ اوّل اوّل ۱۷ھ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اُسوقت چنداں کامیابی ہوئی ہم نے اُس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکا لکھنا مناسب نہ سمجھا عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشین پہاڑ حایل ہوتا تو اچھا تھا" لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علاء بن الحضرمی ۱۷ھ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہر میدان میں اُن سے بڑھ کر قدم

---

[1] حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اُس وقت فارس کے حدود یہ تھے شمال میں اصفہان، جنوب میں بحرِ فارس، مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراقِ عرب۔ اسکا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے ۱۲

مارنا چاہتے تھے۔ سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا۔ یہاں تک کہ دربار خلافت سے اجازت تک نہ لی اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سر لشکر تھے اور جارود بن المعلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطخر پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا وہ ایک انبوہ کثیر لے کر پہنچا اور دریا اتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آ گئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ مسلمانو! بیدل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔ خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز تھا۔

یا آل عبد القیس للنزاع　　قد حفل الامداد بالجراع
وکلهم فی سنن المصاع　　بحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہازات غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بدقسمتی سے ادھر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابو سبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان

جہاں رُکے پڑے تھے وہاں پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ اُدھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہِ کثیر جسکا سرشکر شہرک تھا اکھٹا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے بالآخر ابو سبرۃ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہاوند کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں متعین کیں پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دیکر یہاں بڑا سامان کیا تھا لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں تو انکو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ انکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور۔ اُردشیر۔ توج۔ اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی سنہ ۲۳ھ میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس مُہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرۂ ابرکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کیے یہاں سے کبھی کبھی اُٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجاتے۔ اس طرح اردشیر سابور اصطخر۔ ارجان کے بہت سے حصے دبا لیئے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا۔ راشہر پہنچا تھا کہ اِدھر سے حکم خود آگے بڑھکر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پانوں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیجدیں، اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رُخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازرون نوبندجان۔ ارجان۔ شیراز۔ سابور۔ جو فارس کے صدر مقامات ہیں خود عثمان کے ہاتھ سے فتح

ہوئے۔ فسا۔ دارابجرد وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان[۱] سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے چنانچہ سنہ ۲۳ھ میں ایک فوج لیکر جسکا ہراول بشیر بن عمرو العجلی کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد لے کر مقابلہ کیا لیکن وہ خود میدانِ جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور بیشمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا"

سیستان[۲] سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

یہ ملک عاصم بن عمرو کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑ کر بھاگ نکلے عاصم برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اُن کی تمام اراضی حمی سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اِس مُلک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جسقدر ممالک تھے اُن کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی چنانچہ وقتاً

---

[۱] اسکا قدیم نام کرمانیہ ہے حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں کوہستان، جنوب میں بحر عمان، مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس ہے پایۂ تخت سابق میں اسکا دارالصدر کواشیر (بعد سیرجان) تھا جسکی جگہ اب جیرفت آباد ہے ۱۲

[۲] سیستان کو عرب میں سجستان کہتے ہیں۔ حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان ہے مشہور شہر زرنج ہے جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے رقبہ ۲۵۰۰ میل مربع ہے ۱۲

فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

مکران۔ سنہ ۲۳ ہجری ۶۴۴ء

مکران پر حکم بن عمرو تغلبی مامور ہوئے تھے چنانچہ سنہ ۲۳ھ میں روانہ ہوکر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اُتاریں۔ مکران کا بادشاہ جسکا نام راسل تھا خود پار اُتر آیا اور صف آرائی کی ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامۂ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دربار خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامۂ فتح لیکر گئے تھے حضرت عمرؓ نے اُن سے مکران کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے کہا ارض سھلہا جبل وماءھا وشل وتمرھا دقل وعدوھا بطل وخیرھا قلیل وشرھا طویل والکثیر بہا قلیل۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے۔ اُنھوں نے کہا میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہانتک پہنچ چکی ہیں وہیں رُک جائیں چنانچہ فتوحاتِ فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ ہند میں بھی آچکا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء

---

[1] آجکل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ مؤرخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے اسلیئے ہمنے بھی نقشہ میں فتوحات فاروقی کی وہیں تک حد قرار دی ہے ۱۲

[2] علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر فرغانہ، خوارزم، طخارستان اور سیستان رقبۂ خراسان میں داخل تھا مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اسکے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، نسا اور ابی ورد وغیرہ تھے جن میں سے پچھلے دو اب بالکل ویران ہیں ۱۲

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے انہیں احنف بن قیس بھی تھے اور انکو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا احنف نے سنہ ۲۲ھ میں خراسان کا رُخ کیا، طبسین ہو کر ہرات پہنچے اور اُسکو فتح کر کے مرو شاہجہان پر بڑھے یزدگرد شاہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ انکی آمد سُنکر وہ مرورود چلا گیا اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے احنف نے مرو شاہجہان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرورود کی طرف بڑھے۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اس اثنا میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جنکے میمنہ و میسرہ وغیرہ پر یہ افسر علقمہ بن النضری۔ ربعی بن عامر التمیمی عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی۔ ابن ام غزال الہمدانی۔ تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لیکر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اُتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پاکر ہر طرف فوجیں بھیجدیں اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کر لیا مرورود کو تخت گاہ قرار دیکر مقام کیا۔ اور حضرت عمر کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمر فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اسمیں لکھا کہ جہاں تک پُہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اُدھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا تو اس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لیکر یزدگرد کے ساتھ ساتھ خراسان کو روانہ ہوا احنف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمد سُنکر مرورود کو روانہ ہوئے اور وہاں پُہنچکر مقام کیا۔ خاقان۔ بلخ ہوتا ہوا مرورود پُہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر مرو شاہجہان کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہر اُتر کر ایک میدان میں جسکی پشت پہ پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مُدت تک آمنے سامنے صفیں

جماعے پڑی رہیں۔ عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ اُدھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس آجاتے تھے۔ ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدانِ جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدانِ جنگ میں گئے۔ اُدھر سے معمول کے موافق ایک ترک طبل و عَلم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک ردّ و بدل رہی آخر احنف نے ایک برچھی ماری۔ ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا۔

ان علیٰ کل رئیس حقًا ان یخضب الصعدۃ او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترک میدان میں آئے۔ اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے۔ خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں۔ چونکہ شگون بُرا تھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بیفائدہ، پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ اُسیوقت کوچ کا حکم دیدیا۔

یزدگرد مرو شاہجہاں کا محاصرہ کیئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے نا اُمید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا اور جب اُسنے نہ مانا تو برسرِ مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سر و سامان، **خاقان** کے پاس پہنچا اور حضرت عمر کی اخیر خلافت فرغانہ میں جو خاقان کا دار السلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمر کو فتح کا نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژدہ فتح سنایا اور ایک پُر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدیگا۔

مصر کی فتح ۲۰ھ
۶۴۱ء

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر انکی تجارت کا جولانگاہ تھا اُس زمانہ میں مصر کی نسبت گو ہمیں فتح کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہوگا لیکن اُسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ انکی نظر میں پھرتی رہتی تھی حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اسمیں یہ اُن سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے۔ احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کردی، اسپر بھی اُنکا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اسمیں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آ پہنچے۔[1]

غرض عریش سے چلکر فرما پہنچے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں آباد تھا اور جالینوس کی زیارتگاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اُس نے شہر سے نکلکر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو۔ فرما سے چل کر بلبیس اور اُم دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ فسطاط۔ اُس زمانے میں کف دست میدان تھا اور اُس قطعۂ زمین کا

---

[1] مقریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمرو سے ملا۔ انھوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہوگا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچکر لیلوں گا۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لے کر کھولا اور پڑھ کر کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچ چکے ہو تو رک جانا لیکن ہم تو مصر کی حد میں آ پہنچے" لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے اول تو بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط انکو عریش ہی میں ملا۔ لیکن رفح میں ملا ہو تب بھی کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ رفح خود مصر میں داخل ہے ۱۲

تمام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اُسوقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حُکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اسکے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہازات و کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں ان وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کے لیئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو تاکا۔ اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس جو مصر کا فرماں روا اور قیصر کا باج گزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمرو نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی۔ انھوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام۔ عبادہ بن الصامت۔ مقداد بن عمر سلمہ بن مخلد تھے۔ **زبیر** کا جو رتبہ تھا اُس کے لحاظ سے عمرو نے اُن کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیدیئے، انھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیئے اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کیئے۔ اسپر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے انکا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔ بدحواس ہو کر بھاگے ادھر زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور اور افسرانِ فوج کی بڑی دُھوم دھام سے دعوت کی۔ عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے اُن لوگوں کی دعوت کی۔ رُومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور مخملی کُرسیوں پر بیٹھے۔ کھانے میں خود مُسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیدیا تھا سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادت کے موافق کھانے پر بیٹھے۔ کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بُوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اِس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شوربے کی چھینٹیں اُڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں کھانے کے بعد رُومیوں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے۔ یعنی وہ ایسے گنوار و بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا "وہ اہل الرای تھے اور یہ سپاہی ہیں"۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لیے معاہدہ صلح لکھوایا تھا لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اُس نے نہایت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رُومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسیوقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچکر مُسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو۔

اسکندریہ کی فتح ۲۱ھ

۶۴۱-۴۲ء

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمر کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنا لیا تھا۔ خیمہ اُکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا

اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہرحال سنہ ۲۱ھ میں عمرو نے اسکندریہ کا رُخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں انھوں نے سدّراہ ہونا چاہا چنانچہ ایک جماعتِ عظیم سے جسمیں ہزاروں قبطی بھی شامل تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مُسلمانوں کو وہیں روک لیں مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہُوا۔ مُسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور بیشمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچکر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدّت مُعین کے لیے صلح ہو جائے عمروؓ نے انکار کیا۔ مقوقس نے مُسلمانوں کے مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتیار لگا کر شہر پناہ کی فصیل پر مُسلمانوں کے آمنے سامنے صف جما کر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جا سکیں اُنھوں نے شہر کی طرف مُنھ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہلا بھیجا کہ ہم تمھارا مطلب سمجھے لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہمنے اَب تک جو مُلک فتح کیے کثرتِ فوج کے بَل پر نہیں کیے۔ تمھارا بادشاہ ہرقل جس سروسامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں"۔ مقوقس نے کہا "سچ ہے یہی عرب ہیں جنھوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا"۔ اسپر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت بُرا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اُس نے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں۔ اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمھارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے"۔ قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکہ میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مُسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی

---

[1] معجم البلدان صفحہ ۲۲۰۔

فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گزر کر تلوار کی نوبت آئی ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعوے ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے انکو زمین پر دے پٹکا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی عمرو کو اسپر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کر کے کہا کہ "زنخوں کو میدانِ جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے" مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اُسی طرح قائم تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن عاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ جان دینی چاہی تو انھوں نے کہا دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا۔ تو ہم تمکو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیئے نکلنا چاہا مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہکر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے انھوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور

اُنھوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا[1]۔

محاصرہ جسقدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمر کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اسقدر دیر نہ ہوتی۔ جسدن میرا خط پہنچے۔ تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جنکو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے"۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پُر اثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت کو جو برسوں رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے بُلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجکو دیجئے خود سر سے عمامہ اُتارا اور نیزہ پر لگا کر اُنکو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا عَلَم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں"۔ زبیر بن العوام اور سلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا غرض اس سر و سامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا عمرو نے اُسیوقت معاویہ بن خدیج کو بُلا کر کہا کہ جسقدر تیز جا سکو جاؤ اور امیر المومنین کو مژدہ فتح سُناؤ۔ معاویہ اُونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہِ خلافت میں تو نہ گئے سیدھے مسجد نبوی کا رُخ کیا اتفاق سے حضرت عمر کی لونڈی اِدھر آنکلی اور اُن کو مسافر کی ہیئت میں دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اُنھوں نے کہا۔ اسکندریہ سے۔ اُس نے اُسیوقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المومنین بُلاتے ہیں۔ حضرت عمر اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لیئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سُنکر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اُٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ الصّلوٰۃ جامعۃ" سُنتے ہی تمام مدینہ اُمنڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیے وہاں سے اُٹھ کر حضرت عمر کے ساتھ اُن کے گھر

---

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۵ جلد اول۔

پڑ گئے۔ حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغنِ زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ انھوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں! فرمایا کہ افسوس! تمھارا۔ میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالیگا۔[1]

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قطعے متعین کیے اور داغ بیل ڈالکر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں تفصیل اسکی دوسرے حصے میں آئیگی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہجائے۔ چنانچہ خارجہ بن حذافہ العدوی۔ فیوم۔ اشمونین۔ اخمیم۔ بشرودات۔ صعید اور اُس کے تمام مضافات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اِسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنیس۔ دمیاط۔ تونہ۔ دمیرہ۔ شطا۔ دقہلہ۔ بنا۔ بوصیر کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کیئے۔[2]

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی گرفتار ہوئے تھے۔ عمرو نے دربارِ خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہدو کہ اُن کو اختیار ہے مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو اُنکو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے۔ ایک جا جمع کیے۔ عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا

---

[1] یہ تمام تفصیل مقریزی سے لیگئی ہے ۱۲ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۷۔

اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے۔ بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہکر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے۔ اور خوشی سے بچھے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا اور مسلمان اسقدر غمزدہ ہوتے تھے کہ اُنکے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصّۂ رسدی کے موافق کامیاب آئے[۱]۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶- ذوالحجہ ؁۲۳ھ مطابق ؁۶۴۴ء

(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن)

مدینہ منورہ میں **فیروز** نام ایک پارسی غلام تھا جسکی کنیت ابو لؤلؤ تھی۔ اُس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی اُس نے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے" بولا کہ "نجاری" "نقاشی" "آہنگری"۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔" فیروز۔ دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب

---

[۱] طبری صفحہ ۲۵۸۲ و ۲۵۸۳۔

معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر امامت کے لیے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعتہ گھات میں سے نکل کر چھ وار کیئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر سامنے بسمل پڑے تھے **فیروز** نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔ حضرت عمر کو لوگ اٹھا کر گھر لائے سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ میرا قاتل کون تھا"؟ لوگوں نے کہا فیروز۔ فرمایا کہ "الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا" لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے۔ غالباً شفا ہو جائے چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ اسوقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جایئے"

حضرت عمر نے عبد اللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے" عبد اللہ حضرت عائشہ کے پاس آئے۔ وہ رو رہی تھیں حضرت عمر کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ "اس جگہ کو میں اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں **عمر** کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی" عبد اللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمر کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انھوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے" فرمایا کہ "یہی سب سے بڑی آرزو تھی" اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا، تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جایئے۔ حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اسکو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے انکو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے

باب میں غلطاں پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی اُن کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا اُن کے مُونھ سے بیساختہ آہ نکل گئی کہ "افسوس اس بار گراں کا کوئی اُٹھانیوالا نظر نہیں آتا"۔ تمام صحابہ میں اُسوقت چھ شخص تھے جنپر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی۔ عثمان۔ زبیر۔ طلحہ۔ سعد وقاص۔ عبد الرحمن بن عوف۔ لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ اور اُسکا اُنھوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کردیا

سلہ حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہمنے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ "اُن کے مزاج میں ظرافت ہے" یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اُسیقدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کیے ہیں ہم اُنکو اس موقع پر اس لیے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا، مکالمہ عبد اللہ ابن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر۔ کیوں عبد اللہ ابن عباس! علی ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے۔؟

عبد اللہ ابن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبد اللہ ابن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ لیکن میں جانتا ہوں، تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبد اللہ ابن عباس۔ کیوں؟

حضرت عمر۔ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہوگے کہ حضرت ابوبکر نے تمکو خلافت سے محروم کردیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی اگر وہ تمکو خلافت

تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک تفصیل مذکور ہیں، مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے، لیکن بعض اسباب سے انکی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے[1]۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جسکی نسبت کثرت رائے ہو، خلیفہ منتخب کر لیا جائے"

(متعلقہ صفحہ ۱۷۰) دیا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا"

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ ابن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اسکی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے"

عبداللہ ابن عباس وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ ابن عباس ظلماً کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں لیکن حسداً۔ تو اسکا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر افسوس بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ ابن عباس ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے

حضرت عمر۔ اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ ابن عباس۔ بہت مناسب۔ (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۱)

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری اور بیباکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ حضرت عمر خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۷۷۷۔

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہانتک انکی قوت اور حواس نے یاری دی اسی دھن میں مصروف رہے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اسکو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین۔ انصار اعراب وہ اہل عرب جو اور اور شہروں میں جا کر آباد ہوگئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی یہودی۔ پارسی جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تشریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے "میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے" قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبد اللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کسقدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم، فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان **عدی** سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل **قریش** سے۔ لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا" یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ **نافع** جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے کہتے تھے کہ عمرؓ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اسطرح ادا کیا گیا کہ انکا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جسکو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک **دار القضا** کے نام سے مشہور رہا چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔ حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی۔ حضرت عبد الرحمن۔ حضرت علی حضرت عثمان۔ طلحہ۔ سعد وقاص۔ عبد الرحمن بن عوف نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالمتاب خاک میں چھپ گیا"

تمام شد

لہ دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۳ ٢ہ دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۹

سلسلۂ

نامورانِ اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مفصّل سوانح عمری کا

حصّہ دوم

جس مین اوّل حضرت عمرؓ کے تمام مُلکی، مالی اور فوجی انتظامات کی تفصیل ہے پھر اُنکے ذاتی
اخلاق و عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہے اور خصوصاً اُنکے مجتہدانہ کارنامونکو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے

مؤلفہ

شبلی نعمانی

حسب اجازت سید حسن شاہ صاحب مہتمم اتحاد لکھنؤ

سید ظہور الحسن مالک اخبار قومی رفیق کارخانہ احسن التجارت دہلی زیر جامع مسجد کٹرہ نظام الملک کے

قومی پریس دہلی مین چھپی

رجسٹری شدہ　　تعداد ۵　　قیمت فی جلد [illegible]

حصہ دوم

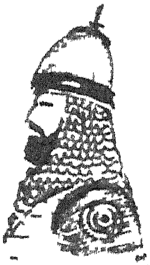

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے مین تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو [illegible] تمھارے دل پر اس عہد کے مسلمانون کے جوش، ہمت، عزم، واستقلال، کا قوی اثر پیدا ہوا ہوگا لیکن اسلاف کی داستان سُننے مین تم نے اسکی پروانہ کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفۂ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جاے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مؤرخ کے دل مین فوراً یہ سوالات پیدا ہونگے کہ چند صحرا نشینون نے کیونکر فارس و روم کا دفتر اُلٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنےٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا اِن واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہین دیجا سکتی؟ جو کچھ ہوا اُسمین فرمانرواے خلافت کا کتنا حِصّہ تھا؟ ہم اس موقع پر انھی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہین لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اُسکے حدود اربعہ کیا تھے؟

حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کُل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مُربع یعنی مکۂ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حدِ حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہین۔

اسمین شام۔ مصر۔ عراق۔ جزیرہ۔ خوزستان عراق عجم۔ آرمینیہ۔ آذربائیجان۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان

اور مکران - جسمین بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیاے کوچک پر جسکو اہل عرب روم کہتے ہین سنہ ۲۰ ھ مین حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست مین شمار ہونیکے قابل نہین - یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہین اور اسکی تمام مدت - دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے -

پہلے سوال کا جواب یوروپین مورخون نے یہ دیا ہے کہ اُسوقت فارس و روم دونون سلطنتین اوجِ اقبال سے گر چکی تھین - فارس مین خسرو پرویز کے بعد نظامِ سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا - دربار کے عمائد و ارکان مین سازشین شروع ہو گئی تھین اور انہی سازشون کی بدولت تخت نشینیون مین اَدَل بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصے مین عنانِ حکومت چھ سات فرمانرواؤن کے ہات مین آئی اور نکل گئی - ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیروان سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد و زندقہ کیطرف مائل تھا - نوشیروان نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا - اسلام کا قدم جب فارس مین پہنچا تو اس فرقے کے لوگون نے مسلمانون کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہین کرتے تھے - عیسائیون مین نسطورین فرقہ جسکو اور کسی حکومت مین پناہ نہین ملتی تھی - وہ بھی اسلام کے سایہ مین آکر مخالفون کے ظلم و ستم سے بچ گیا اسطرح مسلمانون کو دو۲ بڑے فرقون کی ہمدردی اور اعانت مفت مین ہات آگئی -

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی - اسکے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنون زورون پر تھے اور چونکہ اسوقت تک مذہب کو نظامِ حکومت مین دخل تھا اسلیے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی -

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہین لیکن جس قدر واقعیت ہے اُس سے زیادہ طرزِ استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے - بے شبہ اُسوقت فارس و روم کی سلطنتین

اصلی عروج پر نہین رہی تھین لیکن اسکا صرف اس قدر نتیجہ ہوسکتا تھا کہ وہ پرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتین۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہوجاتین روم و فارس گو کسی حالت مین تھے تاہم فنون جنگ مین ماہر تھے۔ یونان مین خاص قواعد حرب پر جو کتابین لکھی گئی تھین اور جو اب تک [illegible] رومیون مین ایک مدت تک انکا عملی رواج رہا۔ اسکے ساتھ رسد کی فراوانی، سروسامان کی بہتات، آلات جنگ کے تنوع، فوجون کی کثرت، مین کمی نہین آئی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ کسی ملک پر حملہ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک مین، اپنے قلعون مین، اپنے مورچون مین، رہکر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانون کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد مین جو ایران کی شوکت و شان کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیون نے چھین لئے تھے واپس لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران مین خسرو پرویز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ وجلال حاصل تھا خسرو پرویز کی وفات سے۔ اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے سے عرصے مین ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہان تک کمزور ہوسکتی تھی! البتہ تخت نشینون کی ادل بدل سے نظام مین فرق آگیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزا یعنی خزانہ۔ فوج۔ اور محاصل مین کوئی کمی نہین آئی تھی۔ اس لیے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریون نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ۔ گو ایران مین موجود تھا لیکن ہمکو تمام تاریخ مین ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہین ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسطورین کی کوئی اعانت ہمکو معلوم نہین عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ مین خود یوروپین مورخون نے کہین نہین بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجین جو مصر و ایران و روم کی جنگ مین مصروف تھین انکی

مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جسمین عرب نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود۔ زرہ۔ جلیتہ۔ جوشن۔ بکتر۔ چار آئینہ آہنی دستانے۔ جلم۔ موزے۔ یہ جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ[۵] تھا۔ اسمین سے عربون کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی تھی۔ آلات جنگ مین گرز و کمند سے عرب بالکل ناآشنا تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکہ مین ایرانیون نے جب پہلی پہل اُن کو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہین۔

ہمارے نزدیک اِس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانون مین اُسوقت بانیٔ اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی۔ دلیری، پیدا ہو گئی تھی اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتین عین عروج کے زمانے مین بھی اُسکی ٹکر نہین اُٹھا سکتی تھین۔ البتہ اِسکے ساتھ اور بھی چیزین مِل گئی تھین جنھون نے فتوحات مین نہین بلکہ قیامِ حکومت مین مدد دی۔ اسمین سب سے مقدم چیز مسلمانون کی راستبازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہان کے لوگ مسلمانون کی راستبازی کے اسقدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلافِ مذہب کے انکی سلطنت کا زوال نہین چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے مین مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تمکو پھر اس ملک مین لائے"، اور یہودیوں نے توریت ہاتھ مین لیکر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہان نہین آسکتا۔

رومیون کی حکومت جو شام و مصر مین تھی وہ بالکل جابرانہ تھی اس لئے رومیون نے

---

[۵] ابن قتیبہ نے اخبار الطوال میں لکھا ہے کہ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں ۱۲

مسلمانون کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا اسکے ساتھ نہ تھی۔ مسلمان جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہوتی تھی البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی، وہان سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبون کے مالک تھے، وہ سلطنت کے لئے نہین بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لیے لڑتے تھے یہی وجہ تھی کہ پایہ تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس مین ہر قدم پر مسلمانون کو مزاحمتین پیش آئین۔ لیکن عام رعایا وہان بھی مسلمانون کی گرویدہ ہو جاتی تھی اور اس لئے فتح کے بعد بقاے حکومت مین اُن سے بہت مدد ملتی تی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانون کا اوّل اوّل حملہ شام و عراق پر ہوا ان دونون مقامات مین کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام مین دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق مین لخمی خاندان[1] والے در اصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربون نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اوّل اوّل مسلمانون کا مقابلہ کیا لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رایگان نہین جا سکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانون کے دست و بازو بن گئے۔ شام مین بھی آخر عربون نے اسلام قبول کر لیا اور رومیون کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہان بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونون نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کین۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم، اور قتل عام، کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اُسنے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہان کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار

---

[1] آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے اُنکے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں ۱۲

شہر والون کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیے۔ ایک ساٹھ ہزار باشندون کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے انھین ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس مین جب اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردون کو قتل کرا دیا۔ اس طرح کی اور بھی بے رحمیان اُسکے کارنامون مین مذکور ہین۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقا نہین چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتین بھی دیر پا نہوئین۔ لیکن فوری فتوحات کے لیے اس قسم کی سفاکیان اکثر کارگر ثابت ہوئین ہین، انکی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اسلیے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہین رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز۔ بخت نصر۔ تیمور۔ نادر۔ جتنے بڑے بڑے فاتح گذرے ہین سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات مین کبھی سر مو قانون انصاف سے تجاوز نہین ہو سکتا تھا آدمیون کا قتل عام ایک طرف۔ درختون کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچون اور بوڑھون سے بالکل تعرض نہین کیا جا سکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہین کیا جا سکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہین کیجا سکتی تھی۔ افسرون کو تاکیدی احکام جاتے تھے کہ فان قاتلوکم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا[۱] یعنی دشمن تم سے لڑائی کرین تو ان سے فریب نکرو۔ کسی کی ناک کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نکرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے اُن سے دوبارہ اقرار لیکر درگذر کی جاتی تھی۔ یہانتک کہ عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہان سے جلا وطن کر دیا لیکن اسکے ساتھ انکی کل جائداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیون کو سازش اور بغاوت کے جرم مین نکالا تو انکی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیے کہ جدھر اُن لوگون کا گذر ہو انکو ہر طرح کی اعانت دیجاے اور جب یہ کسی

شہر مین قیام اختیار کرین تو ایک سال تک اُن سے جزیہ نہ لیا جائے ۔

جو لوگ فتوحات **فاروقی** کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہین کہ دنیا مین اور بھی ایسے فاتح گذرے ہین، اُنکو یہ دکھانا چاہیئے کہ اس احتیاط ۔ اس قید ۔ اس پابندی، اس درگذر، کے ساتھ دنیا مین کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے ۔

اسکے علاوہ ۔ سکندر ۔ اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ مین شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بنکر فوج کو لڑاتے تھے ۔ اِسکی وجہ سے علاوہ اسکے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان مین بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا ۔

حضرت عمر تمام مدت خلافت مین ایک دفعہ بھی کسی جنگ مین شریک نہین ہوے، فوجین ہر جگہ کام کر رہی تھین البتہ انکی باگ حضرت عمر کے ہات مین رہتی تھی ۔

ایک اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات، گذرنے والے بادل کیطرح تھین کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا ۔ اِن لوگون نے جو ممالک فتح کئے وہان کوئی نظم حکومت نہین قائم کیا۔ برخلاف اِسکے فتوحات فاروقی مین یہ استواری تھی کہ جو ممالک اُسوقت فتح ہوے ۔ تیرہ سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے مین ہین ۔ اور خود حضرت عمر کے عہد مین ہر قسم کے ملکی انتظامات وہان قائم ہو گئے تھے ۔

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات مین خلیفۂ وقت کی چندان تخصیص نہ تھی ۔ اسوقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہین ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے مین بھی تو آخر وہی مسلمان تھے ۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہہ برقی قوت ہین لیکن یہ قوت اُسی وقت کام دے سکتی ہے جب کام لینے والا بھی اُسی زور و قوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی صورت نہین ۔ واقعات

خود اسکا فیصلہ کر سکتے ہین، فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھکر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشارون پر حرکت کرتی تھی، فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص انکی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا- اسی کتاب مین آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھوگے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقین، بارگون کی تعمیر، گھوڑون کی پرداخت، قلعون کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملون کی تعیین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام- افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کیے اور انکو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کروگے کہ حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہین دے سکتی تھی-

عراق کی فتوحات مین حضرت عمرؓ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا- فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اسکے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے- فوج، قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اسکے لحاظ سے فوج کی ترتیب، اور صف آرائی کے متعلق ہدایتین بھیجین- جس قدر افسر جن جن کامون پر مامور ہوئے تھے انکے خاص حکم کے موافق مامور ہوے تھے-

تاریخ طبری مین عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار، دور سے تمام فوجون کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُس کے اشارون پر ہوتا ہے

ان تمام لڑائیون مین جو دس برس کی مدت مین پیش آئین سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے- ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیون نے فارس کے صوبجات مین ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک مین آگ لگا دی تھی اور لاکھون فوج مہیا کر کے مسلمانون کی طرف بڑھے تھے دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والون کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی

کی تھی۔ ان دونون معرکون مین صرف حضرت عمر کی حسن تدبیر تھی جسنے ایک طرف ایک اُٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہ گران کے پرخچے اُڑا دیے چنانچہ ہم اِن واقعات کی تفصیل پہلے حصے مین لکھ آئے ہین۔

ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعوی صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فاتح اور کشورستان نہین گذرا۔

نظامِ حکومت

اسلام مین خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد مین پڑی لیکن نظامِ حکومت کا دور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی دو سالہ خلافت مین اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدون کا خاتمہ ہوگیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئین، تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہین قائم ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اِسکے لیے کافی ہوسکتا تھا، حضرت عمر نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتین ٹوٹ کر عرب مین مِل گئین، دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اسکو اس قدر ترقی دی کہ انکی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے بین وجود مین آچکے تھے،

لیکن قبل اسکے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائین پہلے یہ بتانا چاہیے کہ اُس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اسوقت عرب کا تمدن جس حد تک پہونچا تھا اسکے لحاظ سے حضرت عمر کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونون مین سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہین ہوسکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے، یعنی سلطنت کا میلان، ذاتی اختیارات

پر تنہا یا عام رائے پر

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ۔

جمہوری اور شخصی طریق حکومت مین جو چیز سب سے بڑھکر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے، یعنی حکومت مین جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اُسی قدر اسمین جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہان تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہوجائین اور وہ جماعت کارکن کا صرف ایک ممبر رہجائے برخلاف اسکے شخصی سلطنت مین تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اِس بنا پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہین۔

(۱) بجائے اسکے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتین کام مین آئین، صرف چند ارکانِ سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

(۲) چونکہ بجز چند عہدہ دارون کے اور لوگون کو مُلکی انتظامات سے کچھ سروکار نہین ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوّت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے

(۳) مختلف فرقون اور جماعتون کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہین ہوتی۔ کیونکہ جن لوگون کو اُن حقوق سے غرض ہے اُنکو انتظامِ سلطنت مین دخل نہین ہوتا اور جن لوگون کو دخل ہوتا ہے اُنکو غیرون کے حقوق سے اِس قدر ہمدردی نہین ہوسکتی جتنی خود اربابِ حقوق کو ہوسکتی ہے۔

چونکہ بجز چند ارکانِ سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کامون مین دخل دینے کا مجاز نہین ہوتا۔ اس لئے قوم مین ذاتی اغراض کے سوا قومی کامون کا مذاق معدوم ہوجاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہین اور کبھی اُس سے جدا نہین ہوسکتے۔ برخلاف اِسکے جمہوری سلطنت مین اسکے برعکس نتائج ہونگے۔ اس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی

کی بحث ہو اُسکی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب مین جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب مین مدت سے تین وسیع حکومتین موجود تھین۔ لخمی۔ حمیری۔ غسانی۔ لیکن یہ سب شخصی تھین، قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کیے جاتے تھے لیکن اُنکو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ انکی حیثیت سپہ سالارون یا قاضیون کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہین کیا کیونکہ گو اُنکا انتخاب کثرت راے پر ہوا تھا لیکن وہ ایک فوری کاروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ فلا يغترن امرء ان يقول انما كانت بيعة ابي بكر فلتة وتمت الا وانها قد كانت كذلك ولكن الله وقى شرها۔[1]

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش جو سلطنتین تھین وہ بھی جمہوری نہ تھین۔ ایران مین تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہین پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے مین اس شرف سے ممتاز تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہان شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانے مین تو وہ بالکل ایک جابرانہ خودمختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضا سے اُسکے تمام اصول و فروع مرتب نہو سکے تاہم جو چیزین حکومت جمہوری کی روح ہین سب وجود مین آگئین۔ انمین سب سے اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت راے کے عمل مین نہین آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام مین اُسوقت دو گروہ تھے جو کُل قوم کے پیشوا تھے اور جنکو تمام عرب نے گویا اپنا قائمقام

---

[1] دیکھو صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ پارہ دوم صفحہ ۱۰۰۹۔

تسلیم کرلیا تھا یعنی مہاجرین۔ و انصار۔ مجلس شورٰی مین ہمیشہ لازمی طور پر ان دونون گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلون مین منقسم تھے۔ اوس و خزرج چنانچہ ان دونون خاندان کا مجلس شورٰی مین شریک ہونا ضرور تھا، مجلس شورٰی کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہین بتا سکتے تاہم اسقدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ عبد الرحمن بن عوف۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت اسمین شامل[51] تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعہ۔ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہوجائین۔ جب لوگ جمع ہوجاتے تھے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی مین جاکر دو رکعت نماز پڑھتے تھے، نماز کے بعد ممبر پر چڑھکر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا[52]۔

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار مین اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر مین دیدیے جائین تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس مین تمام قدماے مہاجرین اور انصار مین سے عام لوگون کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم مین ممتاز تھے اور جنمین سے ۵ شخص قبیلہ اوس اور ۵ قبیلۂ خزرج کے شریک ہوئے۔ کئی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگون نے تقریرین کین۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی[53] اسکے جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہین کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفۂ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے انی لم ازعجکم الا لان تشرکوا

---

[51] کنز العمال بحوالۂ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ مطبوعۂ حیدر آباد ۱۲

[52] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۵۷ ۱۲

[53] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴ و ۱۵ مین ہے ۱۲

فی اماتتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم ولست ارید ان تتبعوا هذا الذی هوای۔

سنہ ۲۱ھ مین جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیون نے اس سروسامان سے تیاری کی کہ لوگون کے نزدیک خود خلیفۂ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھیرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبداللہ زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف، وغیرہ نے باری باری کھڑے ہوکر تقریرین کین اور کہا کہ آپکا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہین۔ پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور ان لوگون کی تائید مین تقریر کی۔ غرض کثرت راے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر موقع جنگ پر نہ جائین، اسیطرح فوج کی تنخواہ۔ دفتر کی ترتیب۔ عُمال کا تقرر۔ غیر قومون کو تجارت کی آزادی اور اُنپر محصول کی تشخیص۔ اس قسم کے بہت سے معاملات مین جنکی نسبت تاریخون مین بتصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ مین پیش ہوکر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہونیکے وقت ارکانِ مجلس نے جو تقریرین کین وہ بھی تاریخون مین مذکور ہین۔

مجلس شوریٰ۔ کا انعقاد اور اہل الراے کی مشورۃ استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمر نے مختلف موقعون پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہین اُنکے خاص الفاظ یہ ہین۔ لا خلافۃ الا عن مشورۃ[لہ]۔

مجلس شورے کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتون کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ لیکن اسکے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہان روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی مین منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس مین شریک ہوتے تھے صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبرین جو دربار خلافت مین پہنچتی تھین حضرت عمر انکو اس مجلس مین بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا

[لہ] کنز العمال بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۳۹

تھا تو اُسمین لوگون سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیون پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس مین پیش ہوا تھا۔ مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے مین ان الفاظ مین لکھا ہے

كان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه ويحدثهم عما ينتهي اليه من امر الآفاق فقال يوما ما ادري كيف اصنع بالمجوس

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی امور مین مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل مین آتا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اور شام مین جب عُمّال خراج مقرر کیے جانے لگے تو حضرت عمر نے ان تینون صوبون مین احکام بھیجے کہ وہان کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجین جو اُنکے نزدیک تمام لوگون سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزید کو لوگون نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر نے انھین لوگون کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابویوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ مین بیان کیا ہے یہ ہین۔

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلا من اخيرهم واصلحهم والى اهل البصرة كذلك والى اهل الشام كذلك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرقد وبعث اليه اهل الشام معن بن يزيد وبعث اليه اهل البصرة الحجاج بن علاط كلهم سلميون قال فاستعمل كل واحدٍ منهم على خراج ارضه[1]

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پایۂ تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرّر کیا تھا لیکن جب لوگون نے اُنکی شکایت کی تو معزول کر دیا

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر کی حکومت مین ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے ہر سال سفارتین آتی تھین جنکو وفد کہتے تھے اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے۔ حضرت عمر نے خود بار بار مختلف موقعون پر اس حق کا اعلان کردیا تھا یہان تک کہ خاص اسکے لئے مجمع عام مین خطبہ پڑھا۔ فرمانون مین تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالان سلطنت کو حج کے مجمع عام مین طلب کرکے اِسکا اعلان کیا، چنانچہ اسکی پوری تفصیل عمالون کے بیان مین آئیگی۔

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق مین، عام آدمیون کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہو، ملک کی آمدنی مین سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت مین اُسکی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے، اُسکے اختیارات محدود ہون، ہر شخص کو اُسپر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو، یہ تمام امور حضرت عمر کی خلافت مین اس درجے تک پہنچے تھے کہ اُس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمر کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہون نے متعدد موقعون پر ظاہر کردیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے اُنکی کیا حیثیت ہے۔ اور ان کے کیا اختیارات ہین؟ ایک موقع پر اُنہون نے اِسکے متعلق جو تقریر کی تھی اُسکے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہین۔

انما[1] انا وما لکم کولی الیتمان استعیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف۔	مجھکو تمہارے مال (یعنی بیت المال) مین اسقدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال مین اگر مین دولتمند ہونگا تو کچھ نہ لونگا

---

[1] دیکھو کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

لکم علی ایها الناس خصال فخذونی بها لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مما افاء الله علیکم الا من وجهه ولکم علی اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقه ولکم علی ان ازید فی اعطائکم واسد ثغورکم ولکم علی ان لا القیکم فی المهالک

اور ضرورت پڑیگی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لونگا۔ صاحبو میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جنکا تمکو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ مین خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہونے پائے۔ ایک یہ کہ مین تمھارے روزینے بڑھاؤن اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں ایک یہ کہ تمکو خطروں مین نہ ڈالوں۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر کو مخاطب کر کے کہا کہ اتق اللہ یا عمر یعنی "اے عمر خدا سے ڈر"۔ حاضرین مین سے ایک شخص نے اُسکو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر نے فرمایا "نہین کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہین تو یہ بے مصرف ہین۔ اور ہم لوگ نہ مانین تو ہم"[1] ان باتون کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگون پر ظاہر ہوگئے تھے۔ اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصوُّر دلون سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل نے رومیون کی سفارت مین حضرت عمر کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومتِ جمہوری کی اصلی تصویر ہے۔ اور حکومتِ جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہین بیان کی جاسکتی۔

نوعیتِ حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہین حکومت کے نظم ونسق مین جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہون اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے جسطرح تمدن کی ابتدائی حالت مین مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حُجرہ تمام ضرورتون کے لئے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱،

کافی ہوتا ہے، پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے، اور دیگر ضروریات کیلئے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہین۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائی تمدن مین انتظام کے تمام صیغے ملے جُلے رہتے ہین، جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے، مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ امن کی حالت مین وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے، جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہین اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزکٹیو۔ اختیارات اب تک ملے جُلے ہین، یعنی کلکٹر ضلع مالگزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع مین تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے حضرت عمر کے عجیب و غریب کارنامون مین ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اسکے کہ اسوقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت مین تھا اور سلسلۂ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گذرے تھے تاہم اُنھون نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کرکے جداگانہ محکمے قائم کئے چنانچہ ان تمام شعبون کو ہم تفصیل سے لکھتے ہین۔

ملک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عہدہ داران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جسپر تمام انتظامات متفرع ہین، ملک کا مختلف حصّون مین تقسیم ہونا ہے جنکو صوبہ، ضلع، اور پرگنہ، سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام مین حضرت عمر پہلے شخص ہین جس نے اسکی ابتدا کی اور اُس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور تناسب سے اسکے حدود قائم کئے۔ تمام مؤرخین نے اسکی تصریح کی ہے کہ اُنھون نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبون پر تقسیم کیا۔ مکہ۔ مدینہ۔

شام جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ مصر فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے ۸ کے بجاے ۹ صوبے لکھے ہین۔ اور لکھا ہے کہ "یہ انتظام حضرت عمرؓ نے سنہ ۲۰ھ مین کیا تھا" مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اسمین ایک احتمال ہے۔ جس کی تفصیل بتا دینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اُسکے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہین ہو سکتے تھے۔ فارس۔ خوزستان۔ کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے اُنکی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلعے تھے اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اُسی طرح رہنے دیے۔ اس لیئے مورخین نے اُنکا نام نہین لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کیئے اُنکا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی مین بھی تصرفات کیئے تھے فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اُسمین ۱۰ ضلعے شامل تھے سنہ ۱۵ھ مین جب حضرت عمرؓ نے فلسطین جاکر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصّے کر دیئے۔ ایک صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا، اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونون صوبون مین متعین کیا[1]۔

مصر کی نسبت ہمکو معلوم نہین کہ فتح سے پہلے اسکی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اُسکو دو صوبون مین تقسیم کیا۔ بالائی حصّہ جسکو عربی مین صعید کہتے ہین اور جسمین ۲۸ ضلعے شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دیکر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہان کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصّہ جسمین ۱۵ ضلعے شامل تھے اُسپر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

فارس وغیرہ مین چونکہ حضرت عمرؓ نے قریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیے تھے۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۳، ۲۴۰۷ و ۲۴۰۲ - اصل عبارت یہ ہے۔ فصارت فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیا و نصف مع اہل الرملہ وہم عشرۃ کور، و فلسطین تعدل الشام کلها + + + و فرق فلسطین علی رجلین + فنزل کل واحد منهما فی عمله ۱۲

اسلئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد مین یہ ملک کتنے صوبون مین منقسم تھے۔ مؤرخ یعقوبی[1] نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے صوبون مین منقسم تھی۔

خراسان۔ اسمین مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرورود۔ فاریاب۔ طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ باذغیس۔ باورد۔ غرشستان۔ طوس۔ سرخس۔ جرجان۔

آذربائیجان۔ اسمین مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ طبرستان۔ رے۔ قزوین۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسبذان۔ مہرجان قذق۔ شہرزور۔ صامغان۔ آذربیجان۔

فارس۔ اسمین مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور۔ کازرون۔ فسا۔ دارابجرد۔ اردشیرخرہ۔ سابور۔ اہواز۔ جندیسابور۔ سوس۔ نہرتیری۔ مناذر۔ تستر۔ ایذج۔ رام ہرمز۔

صوبون مین مفصلۂ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ۔ کاتب یعنی میر منشی۔ کاتبِ دیوان یعنی دفتر فوج کا میر منشی۔ صاحب الخراج یعنی کلکٹر۔ صاحب احداث یعنی افسر پولیس۔ صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ۔ قاضی یعنی صدر الصدور و منصف۔ چنانچہ کوفہ مین عمار بن یاسر۔ والی۔ عثمان بن حنیف کلکٹر۔ عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ۔ شریح قاضی۔ عبداللہ بن خلف الخزاعی۔ کاتب دیوان تھے[2]۔

ہر صوبے مین ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتون مین صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہان تک ہمکو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً عمار بن یاسر جسوقت کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین مین قدامۃ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی

---

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲ جلد اول۔ [2] طبری ۲۶۴۷ و ابن خلکان صفحہ ۲۵۳۔

کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اُسکے ممبر خود دربارِ خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔ عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس معزز آدمی انکے اسٹاف مین دیے جن مین ایک قرظہ خزرجی بھی تھے۔[1]

میر منشی قابل، تقریر اور تحریر مین یکتا ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جسکی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اسکے علم کے پیچھے آجاتا۔

اضلاع مین بھی عامل، افسر خزانہ، اور قاضی، وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر صوبہ کے ماتحت اور اسکے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنون مین غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اس کے ساتھ اُسکا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ دارون کا انتخاب اور اُنکی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل، لائق، راستباز، اور متدین نہون اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہین ہو سکتی، حضرت عمرؓ نے اس باب مین جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزارون ورق اُلٹ کر بھی اسکی نظیر نہین ملتی، اس مرحلے مین اس بات سے بڑی مدد ملی کہ انکی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی یعنی جس شخص مین جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اسکے ساتھ اُنھون نے ملک کے تمام قابل آدمیون سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ اُنھون نے جس شخص کو جو کام دیا اُس کے انجام دینے کے لئے اس سے

---

[1] اسد الغابۃ تذکرۂ قرظہ۔ ۱۲

بہتر آدمی نہیں مل سکتا تھا، عرب میں چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ[۵۱]، زیاد بن سمیہ حضرت عمر نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے۔ اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نہ کرنے پائے، زیاد انکے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اسلیئے اسکو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اسکی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابوموسی اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اسکو شریک کار بنائیں۔ فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں انکو دخل نہ تھا حضرت عمر نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں ایران کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ انکو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے[۵۲]

عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی، آپ نے فرمایا کہ اسکا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں"، یہ کہکر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھکر لائے۔ آنحضرت صلعم نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمر بھی موجود تھے۔ انکی اس قابلیت پر انکو خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر انکے دل میں ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو انکو میر منشی مقرر کیا، نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمر نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپکو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا چنانچہ حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یکزبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے، عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقدس میں

---

[۵۱] اسد الغابہ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ ۱۲ [۵۲] استیعاب قاضی ابن عبدالبر قرطبی صفحہ ۲۶۱ ۱۲

مین بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے، قبولیتِ عام اور بعض مصلحتون کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے انکو کوفہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب اُن سے کام نہ چل سکا تو معزول کر دیا اور اُنکے طرفدارون کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزون نہ تھے، اِس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جنکا استقصار نہین کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابون سے عرب کے تمام لایق آدمیون کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان پُرزون کو حکومت کی کل مین کیسے مناسب موقعون پر لگایا تھا۔

تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہین جا سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ اگر آپ لوگ میری مدد نہ کرینگے تو کون کریگا؟[1]۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہم آپکو مدد دینگے“ لیکن اُسوقت مُلکی انتظام مین حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم رسول اللہؐ کے اصحاب کو دنیا مین آلودہ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا مین ان بزرگون سے مدد نہ لون تو کس سے لون“۔ ابوعبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہین بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہونے پائین[2]۔ غرض حضرت عمرؓ نے لوگون کی رای و مشورت سے نہایت دیانت دار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور انکو ملکی خدمتین سپرد کین۔ زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس مین انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اُس خدمت پر مامور ہوتا تھا چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگون کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگون سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، اُسکو انتخاب کر کے بھیجو چنانچہ اُنہی منتخب لوگون کو وہان کا عامل مقرر کرتے تھے عثمان بن فرقد۔ معن بن یزید حجاج بن غلاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال ان لم تعینونی فمن یعینی الخ ۱۲

[2] کتاب الخراج صفحہ ۶۴۔

ہم اسکی تفصیل اوپر لکھ آئے ہین۔

اس وقت یہی تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے مین تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے وہ اسکو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہ اسی طرح جس طرح آجکل کے مقدس واعظون کو اگر یہ کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتون کو انجام دین اور معاوضہ لین تو انکو نہایت ناگوار ہوگا، لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو رقمین ملتی ہین اس سے انکو احتراز نہین ہوتا۔ حضرت عمر کے زمانے مین بھی بہت سے لوگ اس غلطی مین مبتلا تھے لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا، اس لئے حضرت عمر نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہین مقرر کین، ایک موقع پر حضرت ابوعبیدہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمر نے بڑی مشکل سے انکو راضی کیا[51] حکیم بن حزام نے حضرت عمر کے بار بار اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا[52]۔

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اسکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس مین اسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا[53] اسکے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی۔ عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگون کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جسکی وجہ سے لوگ اسکے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے، اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگون کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا، حضرت عمر کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملون کے جو فرائض ہین ایک ایک ان سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعون پر اسکے متعلق خطبے دیئے ایک خطبے مین جو مجمع عام مین دیا تھا عاملون کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

---

[51] طبری صفحہ ۲۵۰۷۔ [52] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۲۲ [53] طبری صفحہ ۲۷۴۴۔ اسد الغابہ (تذکرہ حذیفہ بن الیمان) سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے اسکے الفاظ یہ ہین کان عمر اذا استعمل عاملا کتب عهده وقد بعثت فلانا وامرته بكذا فلما قدم المدائن استقبله الدهاقين فلما قرأ عهده الخ ۱۲

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی یھتدی بکم فادروا علی المسلمین حقوقھم ولا تضربوھم فتذلوھم ولا تحمدوھم فتفتنوھم ولا تغلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم ولا تستاثروا علیھم فتظلموھم	یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ اُن کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں۔ اُنکی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ اُن کے لئے اپنے دروازے نہ بند رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ اُن سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ اُن پر ظلم کرنا ہے۔

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے اُس کو فرمانِ تقرری عنایت کرتے تھے اور اِن صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے[51] جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اُسکی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔

عاملوں سے حسن سلوک کا عہد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ تُرکی گھوڑے پر سوار نہو گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائیگا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہلِ حاجت کے لیئے دروازہ ہمیشہ کُھلا رکھیگا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کیجاتی تھیں اور اُن کو مجمع عام میں پڑھکر سُنایا جاتا تھا۔

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اُس کے پاس جسقدر مال اور اسباب ہوتا تھا اُسکی مُفصّل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اُس سے مواخذہ کیا جاتا تھا[53]۔ ایک دفعہ اکثر عُمّال اس بلا میں مُبتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اِسکی اطلاع دی حضرت عمرؓ نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔ اسمیں اُن عاملوں کے نام بھی بتفصیل

---

[51] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ میں ہے کان عمر اذا استعمل رجلا اشھد علیہ رھطا من الانصار [52] کتاب الخراج صفحہ ۶۶

[53] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ میں ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عمالہ اذا ولاھم ثم یقاسمھم ما زاد علی ذلک۔

سے بتائے ہیں

ابلغ امیر المؤمنین رسالة … فانت امین الله فی المال والامر
فلا تدعن اهل الرساتیق والقری … یسیغون مال الله فی الادم والوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابه … وارسل الی جزء وارسل الی بشر
ولا تنسین النافعین کلیهما … ولا ابن غلاب من سراة بنی نصر
وما عاصم منها بصفر عیابه … وذاك الذی فی السوق مولی بنی بدر
وشبلا فسله المال وابن محرش … فقد کان فی اهل الرساتیق ذا ذکر
نؤوب اذا آبوا ونغزو اذا غزوا … فانی لهم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارة … من المسك راحت فی مفارقهم تجری

زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی۔

تمام عمّال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں، حج کی تقریب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔ حضرت عمر کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے[1]۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر اُس کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ صاحبو! عمّال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لیے نہیں بھیجے جاتے کہ تمکو طمانچے ماریں یا تمھارا مال چھین لیں، بلکہ میں اُنکو اسلیے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم کا طریقہ سکھائیں، سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اُسکا انتقام لوں” عمرو بن العاص نے جو مصر کے گورنر تھے اُٹھکر کہا کہ “اگر کوئی عامل ادب دینے کے لیے کسی کو ماریگا تب بھی آپ اُسکو سزا دینگے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۶۸۰ سے ہے وکان من سنة عمر وسیرته ان یاخذ عماله بموافاة الحج فی کل سنة للسیاسة ولیحجزهم بذلك عن الرعیة ولیکون لشکاة الرعیة وقتا وغایة ینهونها فیه الیه۔

حضرت عمر نے کہا اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دونگا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے، اُن کے حقوق تلف نکرو ورنہ وہ کفران نعمت پر مجبور ہونگے۔[1]

ایک دفعہ مجمع عام میں تمام عُمّال حاضر تھے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھکو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمر نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا، حضرت عمر نے فرمایا ہاں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ عمرو بن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دو اشرفی لیکر اپنے حق سے باز آئے۔[2]

عاملوں کی تحقیقات

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں اُنکی تحقیق کے لیے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر **محمد بن مُسلمہ انصاری** مامور تھے، یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہتے تھے۔ ایکدفعہ رسول اللہ ایک مہم پر تشریف لیگئے تو انکو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر گئے، اس وجہ سے حضرت عمر نے ایسے بڑے کام کے لیے انہی کو انتخاب کیا، جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے[3] اور موقع پر جا کر مجامع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ سنہ ۲۱ھ میں سعد وقاصؓ جنہوں نے **قادسیہ** کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے، اِن کی نسبت لوگوں نے حضرت عمر کے پاس جا کر شکایت کی، یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر نہاوند کے قریب آ پہنچے تھے۔ مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور اُن کے مقابلے کے لیے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں، عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے، حضرت عمر نے فرمایا

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [3] اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں ہے وھو کان صاحب العمال ایام عمر۔ کان عمر اذا شکی الیہ عامل ارسل محمدا یکشف الحال وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم طبری نے مختلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے ۱۲

کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پرخطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھکو سعد وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا انھوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جاکر لوگوں کے اظہار لیئے اور سعد بن وقاص کو ساتھ لیکر مدینے میں آئے یہاں حضرت عمر نے خود انکا اظہار لیا[1]۔

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتداءً عامل کو مدینہ میں بلاکر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اس وقت ہوتا تھا جب عامل، صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا چنانچہ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے اُنکی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی الزامات یہ تھے کہ ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لیئے رکھے ہیں۔ انکی ایک لونڈی ہے جسکو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔ کاروبارِ حکومت زیاد بن سمیّہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ وسپید کا مالک ہے تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا، تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست وتدبیر کا آدمی ہے اس لیئے میں نے اُسکو اپنا مشیر بنا رکھا ہے، حضرت عمر نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا اس لیئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی اُن سے چھین لیگئی[2]۔

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی خصوصاً اُن باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس سے عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت

---

[1] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۶۷۴ تا ۲۶۷۸ میں ہے صحیح بخاری میں بھی اس واقعہ کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۱ مطبوعہ میرٹھ ۱۲

[2] طبری صفحہ ۲۷۱۱ تا ۲۷۱۲۔

نہیں کرتا یا کمزور اُسکے دربار میں بار نہیں پاتا وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔[1]

ایک دفعہ حضرت عمر بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر! کیا عاملوں کے لیئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے، تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اُس کے دروازہ پر دربان مقرر ہے" حضرت عمر نے محمد بن مسلمہ کو بُلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لوالاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پُہنچکر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کُرتہ پہنے بیٹھے تھے، اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لیکر مدینے آئے حضرت عمر نے وہ کُرتہ اُتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلّہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لیجا کر چراؤ،" عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے حضرت عمر نے فرمایا تجکو اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔ غرض **عیاض** نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔[2]

حضرت سعد وقاص نے کوفہ میں اپنے لیئے ایک محل بنوایا تھا جسمیں ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رُکاؤ ہوگا محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جاکر ڈیوڑھی میں آگ لگادیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے دیکھا کیئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابلِ اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرّض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر تمام مُلک میں مساوات اور جمہوریت کی جو رُوح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور اُن کے دست و بازو یعنی ارکانِ سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں، عام آدمیوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں، اُن کے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶

افعال کا اثر بھی انہی تک محدود رہیگا، لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں اُن کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک [illegible] باقی تمام لوگ غلام ہیں، اِس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ بآسانی [illegible] اس قسم کی باتیں، پولیٹکل مصالح سے خالی نہ تھیں، مساواۃ اور عدم ترجیح جسکو آجکل [illegible] ہیں سوشیلزم کہتے ہیں، عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اُصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ ورنہ امیر معاویہ شام میں بڑے سر و سامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر نے اُن کے خدم و حشم کو دیکھکر استقدر کہا اکسروانیۃ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب اُنھوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور اُنکی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا تو حضرت عمر نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اُصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اِس راز کو نہیں سمجھیں جسکی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہوگیا ہے۔ حضرت عمر کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہیں علیٰ قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ، چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچہزار روپیہ تھی[1]۔

---

[1] استیعاب قاضی عبدالبر اور ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۱۔

اب ہم عمالانِ فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کَل میں کس قسم کے پُرزے استعمال کیے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیان	"	"	تمام بنو اُمیہ میں اِنسے بڑھکر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہ	"	"	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاص	مصر	"	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	"	آنحضرتؐ کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوان	بصرہ	"	مہاجرین میں سے ہیں۔ بصرہ اِنہی نے آباد کرایا۔
ابو موسے اشعری	"	"	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	"	آنحضرتؐ نے اِنکو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبد الحارث	"		فُضلای صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	"		ابو جہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاص	طائف		آنحضرتؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما
یعلی بن اُمیہ	یمن		صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرۂ عام رکھتے تھے۔
علا بن الحضرمی	"		بڑے صاحب اثر تھے آنحضرتؐ نے اِنکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمان	مداین	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیف	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمایش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنم	جزیرہ	والی	جزیرہ اِنہی نے فتح کیا۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
عمیر بن سعد	حمص	والی	حضرت عمر انکی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمان	مدائن		مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے رازدار تھے۔
نافع بن عبد الحارث			بڑے خاندان کے آدمی تھے
خالد بن حرث ہمانی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرہ بن جندب	سوق الاہواز		اکابر صحابہ میں ہیں۔
نعمان بن عدی	بیسان		صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہ	موصل	کمشنر مالگزاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

صیغۂ محاصل

(خراج)

خراج کا نظم و نسق، عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان، تاج و تخت کے مالک ہوئے جنھوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اسقدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اسلیئے زمین ہمارے ہی قبضہ میں چھوڑ دیجائے جناب رسول اللہ نے انکی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے انکی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوۃ تھی۔ حضرت ابوبکر کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔ حضرت عمر کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی سنہ ۱۶ھ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا تو حضرت

عمرؓ نے خراج کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ اُمرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر اُن کی جاگیر میں عنایت کیے جائیں، اور باشندوں کو اُن کی غلامی میں دیدیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن وقاص کو وہاں کی مردم شماری کے لیئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کُل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصّے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین، باشندوں کے قبضے میں رہنے دیجائے اور اُن کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے[1]۔ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ اہلِ فوج کے ہمزبان تھے حضرت بلال نے اسقدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا اللھم اکفنی بلالا یعنے اے خدا مُجھ کو بلال سے نجات دے،، حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالکِ مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آیندہ، افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن وامان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے؟ عبدالرحمٰن بن عوف کہتے تھے کہ "جنکی تلواروں نے مُلک کو فتح کیا ہے اُنہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آیندہ نسلیں مُفت کیونکر پا سکتی ہیں"۔ چُونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرتِ رائے پر ہوتا تھا، اس لیئے ایک عام اجلاس ہوا جس میں تمام قدماء مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلۂ اوس اور پانچ قبیلۂ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر شریک ہوئے[2]۔ حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ اور طلحہ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمرؓ کو دفعۃً قرآن مجید کی ایک آیۃ یاد آئی جو اس بحث کے لیئے نصِ قاطع تھی یعنی لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ الخ اس آیت کے اخیر فقرے وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آیندہ نسلوں کا بھی حق

---

[1] طبری، ۲۴۶۷، وفتوح البلدان صفحہ ۲۶۶ وکتاب الخراج صفحہ ۲۱ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۴

حضرت عمر کا استدلال

ہے، لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر نہایت پُر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ بے شبہہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔ اس استدلال کی بنا پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کیے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائیگا۔ اس اُصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا، سب سے پہلے اُس سے شروع کیا۔ حضرت عمر کا ایک یہ بھی اُصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اُسوقت مالگزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر قسم کی مزروعہ پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کیے جاتے تھے یہ طریقہ سب سے پہلے **قباد** نے قائم کیا تھا اور نوشیرواں نے اسکی تکمیل کی تھی۔ نوشیروان تک تعین لگان میں یہ اُصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے، لیکن خسرو پرویز نے اُسپر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں[1]۔ حضرت عمر نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے چونکہ دیانت کے ساتھ فن مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اُسوقت تک رائج نہ تھے، اس لیے فی الجملہ دقت پیش آئی، آخر دو شخص انتخاب کیے گئے، عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان، یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے، خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پُوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج

افسرانِ بندوبست

---

[1] کتاب الاوائل ذکر اول من غیر سنۃ ساسان و ذکر اول من وضع الخراج ۱۲

عراق کا کل رقبہ

میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے اِس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمایش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے حضرت عمر نے پیمایش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمایش کا کام جاری رہا۔ کُل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۳۲۰ یعنی کُل ۳۰۰۰۰ میل مکسر ٹھہرا۔ اور پہاڑ۔ صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندان شاہی کی جاگیر۔ آتشکدوں کے اوقاف۔ لاوارثوں۔ مفروروں اور باغیوں کی جائداد۔ وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں، دریا بُرآورد جنگل۔ ان تمام زمینوں کو حضرت عمر نے خالصہ قرار دیکر انکی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ تھی رفاہِ عام کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کیجاتی تھی لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دیدی گئی اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگھہ پختہ	۴ درہم سال
جو	〃	۱ درہم سال
نیشکر	〃	۶ درہم سال
روئی	〃	۵ درہم سال
انگور	〃	۱۰ درہم سال
نخلستان	〃	۱۰ درہم سال
تل	〃	۸ درہم سال
ترکاری	〃	۳ درہم سال

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا یعنی گیہوں پر فی

جریب چار درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے، افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو، و جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اِس طرح کُل عراق کا خراج ۸ کرور ساٹھ لاکھ درہم ٹھیرا۔ چونکہ پیمایش سے پیشتر مختلف لیاقت کے تھے اِس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا تاہم جہاں جسقدر جمع مقرر کی گئی اُس سے زیادہ مالکانِ اراضی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو ذمّی رعایا کا اسقدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ عثمانؓ نے کہا کہ نہیں بلکہ ابھی اسیقدر اور گنجایش ہے"[1]

عراق کا خراج

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جنکو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُنکی حالت اُسی طرح قائم رہنے دی، اور اُن کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔

زمیندار اور تعلقدار

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اسکے کہ لگان کی شرحیں نوشیرواں کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعتہً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔ چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال، خراج کی مقدار آٹھ کرور سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی[2]۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا، اسپر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا۔ تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ اُنکو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگزاری کسی ذمّی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لیگئی ہے[3]۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی۔

ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جاتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جسقدر مالگذاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانۂ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جسقدر خراج وصول ہوا زمانۂ مابعد میں کبھی نہیں ہوا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ، حجاج پر خدا لعنت کرے کمبخت کو نہ دین کی لیاقت

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ [2] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۵ [3] کتاب الخراج صفحہ ۶۵ ۔ اصل عبارت یہ ہے۔ ان عمر الخطاب کان یجبی العراق کل سنة مائة الف الف اوقية ثم يخرج اليه عشرة من اهل الكوفة وعشرة من اهل البصرة يشهدون اربع شهادات بالله انه من طيب ما فيه ظلم مسلم ولا معاهد ۱۲

تھی نہ دنیا کی، عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگذاری ۱۰ کرور ۲۸ لاکھ درہم وصول کی زیاد نے ۱۰ کرور ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر اور ظلم کے صرف ۲ کرور ۸ لاکھ وصول کیے[لہ]، مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے لیکن اُس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کرور ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

لہ معجم البلدان ذکر سواد ۱۲۱

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، عراق کے سوا حضرت عمر نے اور کسی صوبے کی پیمایش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے انکو اُسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا حضرت عمر کے عہد میں بھی اُسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی۔ یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر نے قدیم طریقۂ انتظام میں جہاں جو کچھ غلطی دیکھی اُسکی اصلاح کردی چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا، تالومیز (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا، اور رومن امپایر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمایش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقۂ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیے تھے۔

مصر میں فرعون کے زمانہ کے قواعد مالگزاری۔

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر، اُس کے لحاظ سے جمع تشخیص کیجائے۔

(۳) بندوبست چارسالہ ہو[کہ]

[کہ] پروفیسر FA VAN BERCHEM. نے ایک کتاب فرنچ زبان میں مسلمانوں کے قانون مال گزاری پر لکھی ہے، یہ حالات میں نے اسی کتاب سے لیے ہیں آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے LA PROPRIETE. TERRITORIAL ET L' IMPOT FONGIER SONS LES PREMIERS CALIFES

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ، مصر سے غلے کی ایک مقدار کثیر پایۂ تخت قسطنطنیہ کو روانہ کیجاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیئے یہیں سے غلہ جاتا تھا جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا حضرت عمر نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔ یورپ کے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی، چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے موافق بھیجا گیا، لیکن یہ انکی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی، لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا، کوئی نیا خراج یا ٹکس نہ تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف تصریح کردی ہے[1] اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہگیا تو حرمین کے لیئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا، خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف کی تصریح کی ہے[2]۔ حضرت عمر نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیئے غلے کے کھتوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

حضرت عمر نے قدیم طریقہ کی اصلاح کی

مصر میں مال گزاری کا طریقہ

حضرت عمر نے مال گزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کردی، مصر ایک ایسا ملک ہے جسکی پیداوار کا مدار دریائے نیل کی طغیانی ہے اور چونکہ اسکی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے اسلیئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا، چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لیئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے اُن کا کام چل سکے بہر حال حضرت عمر کے زمانے میں مالگذاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مال گزاری کی قسطیں

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶ - [2] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۹، -

کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس، اور زمیندار اور عرّاف، طلب کیے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کُل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے، اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گانوں پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اسمیں سے اوّل گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ، نکال لیا جاتا تھا، باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی، ہر گانوں پر جو جمع تشخیص ہوتی تھی پڑتے سے اسکا ایک حصہ گانوں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا[1]۔

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل وانصاف کا یہی مقتضا تھا اور مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدّت سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائیگا۔

اس عدل وانصاف کے ساتھ حضرت عمر کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اُسکی تعداد ایک کرور ۲۰ لاکھ دینار تھی جسکے تقریباً پانچ کرور چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں؛ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی، خراج اس کے علاوہ تھا، ابوحوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابوحازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے، لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے، خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ، جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کرور دینار وصول کیے تو حضرت عمر نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کرور وصول کیے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پرس

---

[1] مقریزی سے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ،، ۔ علامہ بشاری کی کتاب خراجیہ صفحہ ۲۱۲ سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے ۱۲

کی"۔ یہ مسلّم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا، اسلیئے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اسکا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اِس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہانتک پُہنچی زمانہ مابعد میں کبھی اِس حدتک نہیں پُہنچی۔

مصر کا خراج دولت امیہ اور ہاشمیہ کے زمانے میں

بنو اُمیّہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وُصول نہیں ہوئی۔ ہشام بن عبدالملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام مُلک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کرور فدان ٹھیری، تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہوگئے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عبداللہ بن سعد گورنرِ مصر نے ۱ کرور ۴۰ لاکھ دینار وُصول کیئے تھے، لیکن جب حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اُونٹنی نے زیادہ دودھ دیا، تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ "ہاں لیکن بچّہ بھوکا رہا"[1] امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے اِن کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی[2]۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المعزلدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کردی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہوئے[3]۔

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالکِ مقبوضہ میں قائم کیا تھا، اِس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جُداگانہ شرح کے لگان مقرر کیئے تھے، یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وُہی اِن تمام ممالک میں جاری تھا[4] قراین اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وُہی قدیم قانون جاری رہنے دیا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اُسکی کل تعداد ۱ کروڑ ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۵ کرور ۶۰ لاکھ روپے تھی۔

---

[1] دیکھو مقریزی صفحہ ۹۰ جلد اول [2] معجم البلدان ذکر مصر [3] ابن حوقل ذکر مصر [4] دیکھو پروفیسر نعیم فرانسیسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مالگذاری پر ۱۱

عراق، مصر، اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مؤرخین اِن ملکوں کے حالاتِ فتح میں صرف اسقدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہوگیا ہے تو اُسکی تعداد لکھدی ہے، باقی اَور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے، اور چُونکہ اِس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اسلیئے ہم بھی اُسکی چنداں پروا نہیں کرتے۔

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اِس صیغے میں فتوحاتِ فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اِسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر نے اِس صیغے میں کیا اور جسکی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعتہً نہایت ترقی کر گئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیتِ زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مِٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسرانِ فوج اور کچھ ارکینِ دربار کو دیدیں، کچھ شاہی جاگیر قرار پائیں، کچھ کلیسیا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالکِ زمین اُنکی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے اخیر اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں لیکن زمینداری کی حفاظت اور اُس سے متمتع ہونے کے لیے، رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی، اس بہانے سے زمیندار خود اُس زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا، یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ، افسرانِ فوج یا ارکانِ دولت کی جاگیر میں دیدیا جاتا تھا۔

قانون مالگ
میں عمر
کی اص

حضرت عمر نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ، اِس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا، رومی تو اکثر ملک کے

مفتوح ہوتے ہی نکل گئے یا جو مارے گئے ان کے قبضے سے زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگان ملک کے حوالے کر دیں، اور یہ اس لئے کہ وہ مسلمان [illegible] دل پائیں [illegible] داروں کو خاص [illegible] دیا، پھر قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے، یعنی مالکان اراضی کو قیمت دیکر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا، چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید، ابن لہیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا[1]۔ حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اسقدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطیفی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اسکو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ میں تجکو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو[2]۔

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اسلیئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدو انکی برابری نہیں کر سکتے تھے، سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ **فرانس** کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ "یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگزاری کے معاملے کو بہت دخل ہے رومن سلطنت میں باشندگانِ ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اس نے مسلمانوں کی فتوحات

---

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۵ [2] حسن المحاضرہ صفحہ ۹۳۔

کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی۔ دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ تک کے دروازے بند کیے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں[1]۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمر نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی، یعنی انکو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمر کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کا اصلی جوہر یعنی دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت، عزم اُسی وقت تک قائم ہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے۔ جس دن اُنھوں نے زمین کو ہاتھ لگایا، اُسی دن یہ تمام اوصاف بھی اُن سے رخصت ہو گئے۔

بندوبست مالگذاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اِس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اُصول جو حضرت عمر نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام اُمور میں **ذمی** رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور اُن کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عُمّال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ہو۔ پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بُلوائے اور اُن کے اظہار لیے[2]۔ اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملہ میں رائے لو۔ اسپر نہ تسلی ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اسکا اظہار لیا[3]۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اِسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

---

[1] دیکھو مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴، ۷۵۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ [3] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴، ۷۵۔

اِن باتوں کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیئے جسکا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی، عام حکم دیدیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں اُفتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے اُس کی ملک ہو جائینگی لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اُس کے قبضے سے نکل جائیگی" اس طریقہ سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں، حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی اُن کے لیئے اشتہار دیدیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے، زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اُسکا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آکر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی آپ کی فوج اُدھر سے گزری اور اُسکو برباد کر دیا، حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اُس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے، تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بند باندھنے تالاب تیار کرنے، پانی کے تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے، اِس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ ۲۰ ہزار مزدور روزانہ سال بھر اِس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے[2]۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزء بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سیکڑوں نہریں تیار ہوئیں جنکا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

پاشی

جی اور
شری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۷ [2] مقریزی صفحہ ۷۶ جلد اول ۔

اوپر گزر چکا، عشری اُس زمین کا نام تھا جو مُسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھیں اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے۔

(۱) عرب کی زمین جسکے باشندے اوائلِ اسلام میں مُسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینۂ منورہ وغیرہ

(۲) جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکلکر مُسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی مثلاً وہ لاوارث مر گیا یا مفرور ہو گیا، یا بغاوت کی، یا استعفا دیدیا،

(۳) جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی مِلک نہیں ہوتی تھی اور اُسکو کوئی مُسلمان آباد کر لیتا تھا۔

اِن اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا، اِس لیئے اِن زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جسکی مقدار اصل پیداوار کا، دسواں حصہ ہوتا تھا، یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلعم نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمر کے عہد میں بھی قائم رہی، حضرت عمر نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مُسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں، تو اُن پر خراج مقرر کر دیا، چنانچہ اِس قسم کی زمینیں، عبد اللہ بن مسعود و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور اُن سے خراج لیا جاتا تھا اور اگر خود مُسلمان نئی نہر یا نیا کنواں کھود کر اُس کی آبپاشی کرتے تھے تو اسپر عادۃً عُشر مقرر کیا جاتا تھا[1]۔

مُسلمانوں کے ساتھ عُشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے، اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ۔ رُپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی اِن محصولوں سے بالکل مستثنےٰ تھے۔ اِس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۳۵ و صفحہ ۳۷۔

میں آتی تھی، اِس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہوسکتی تھی، یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کرسکتا تھا، بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی، اور وقتاً فوقتاً اس پر عملدرآمد بھی ہوتا تھا، اِس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عشر وصول کیا جاتا تھا۔

اَور قسم کی آمدنیاں

خراج وعشر کے سوا آمدنی کے جو اَور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ۔ عشور۔ جزیہ۔ مال غنیمت کا خمس۔ **زکوٰۃ** مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائداد یا آمدنی اس سے مستثنےٰ نہ تھی یہاں تک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ، سبھی پر زکوٰۃ تھی، زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہؐ کے عہد میں مرتب ہوچکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا، یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرتؐ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنےٰ فرمایا تھا لیکن اس سے عیاذاً باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہ کی مخالفت کی۔ آنحضرتؐ نے جو الفاظ فرمائے تھے، اُس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا، آنحضرتؐ کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے اُن کے زکوٰۃ سے مستثنےٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بہرحال زکوٰۃ کی مد میں ایک نئی آمدنی تھی اور اوّل حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی **عشور** خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے اُن سے وہاں کے دستور کے موافق مالِ تجارت پر فی صدی دس روپیہ ٹکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت

گھوڑوں پر زکوٰۃ۔

عمر کو اس واقعہ سے اطلاع دی، حضرت عمر نے حکم دیا کہ اِن مُلکوں کے تاجر جو ہمارے مُلک میں آئیں اُن سے بھی اسیقدر محصول لیا جائے۔ منبج کے عیسائیوں نے جو اُسوقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے، خود حضرت عمر کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہمکو عُشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر نے منظور کرلیا اور ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی قاعدہ جاری کردیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا یعنی حربیوں سے فیصدی ۱۰، ذمیوں سے ۵، مسلمانوں سے ڈھائی لیا جاتا تھا، رفتہ رفتہ حضرت عمر نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کرکے اسکا ایک خاص محکمہ قائم کردیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہوگئی، یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اُسکی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی، یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لیجائے اُس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا، یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا حضرت عمر نے محصّلوں کو یہ بھی تاکید کردی تھی کہ کُھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسیکے اسباب کی تلاشی نہ کی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئیگی۔

صیغۂ عدالت

محکمہ قضا

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغۂ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مُدتوں کے بعد اِن دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمر نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کردیا، حضرت ابوبکر کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہولیتا۔ ہر صیغے کا اجرا رعب و داب کا محتاج رہتا ہے

اس لیے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جسکو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے[1] بلکہ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعود کو فصل قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے **قضا** کا صیغہ بالکل الگ کر دیا اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کیے، اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اسکو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں[2]۔ رومن امپایر کے دوازدہ گانہ قواعد[3] جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کیے جاتے ہیں اور جنکی نسبت سیسرو روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام

---

[1] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع۔

[2] اس فرمان کو علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں اور علامہ بیہقی و ماوردی و جاحظ و ابن عبدربہ اور بہت سے محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے

[3] سنہ ۴۵۱ قبل مسیح - رومن امپائر نے یونان میں سفرا بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کرکے آئیں اور سلطنت کے لیے ایک مستقل قانون بنائیں یہ سفرا یونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل بنایا جسمیں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے یہ تمام قواعد سیسہ کی تختی پر کندہ کیے گئے اور مدت تک - رومن امپائر کا وہی شاہی قانون رہا اسمیں صیغہ قضا کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں

(۱) جب تم عدالت میں طلب کیے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اسکو پکڑ سکتے ہو۔

(۴) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اسکو سواری دو ورنہ اسپر حاضری کے لیے جبر نہیں کیا جا سکتا

(۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اسکو چھوڑ دو۔

فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھکر ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں، ان دونوں کا موازنہ کرکے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے۔

قواعد عدا
کے متعلق
عمر کی تحر

اما بعد فان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة اس بين الناس في وجهك و مجلسك وعدلك حتى لا ييأس الضعيف من عدلك ولا يطمع الشريف في حيفك البينة على من ادعى واليمين على من انكر والصلح جائز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا۔ لا يمنعك قضاء قضيته بالامس فراجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو، اور زور آور کو تمہاری رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو، جو شخص دعوے کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا

قصہ
روس یونان
کے قواعد عدا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸، (۶) دولتمند کا ضامن دولتمند ہونا چاہیئے۔

(۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیئے۔

(۸) جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا۔

(۹) فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا۔

(۱۰) غروب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

(۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو انکو ضامن دینا چاہیئے۔

(۱۲) جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا۔ مدعا علیہ کے دروازے پر دعوے کو پکار کر کہے۔

یہ قواعد ہیں۔ جسکو یاد کرکے یورپ۔ رومن اسپارٹا پر ناز کرتا ہے۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم	ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو۔ اور اُس کی
يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال	مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو
والاشباه ثم قس الامور عند ذلك و	شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اُس کے لئے ایک میعاد مقرر
اجعل لمن ادعى بينة امدا ينتهي اليه	کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ
فان احضر بينة اخذت له بحقه والا	خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثناء ان اشخاص
وجهت القضاء عليه۔ والمسلمون عدول	کے جن کو حد کی سزا میں درّے لگائے گئے ہوں
بعضهم على بعض الا مجلود في حد او مجربا	یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت
في شهادة زور او ظنينا في ولاء او وراثة	میں مشکوک ہوں

اِس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسبِ ذیل ہیں

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے۔

(۲) بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اِس سے قسم لیجائیگی۔

(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امرِ خلاف قانون ہے اُس میں صلح نہیں ہو سکتی ہے

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اُس میں نظرِ ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معیّن ہونی چاہیئے

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدّعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصل کیا جائیگا۔

(۸) ہر مسلمان قابلِ ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جسکا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابلِ شہادت نہیں۔

صیغۂ قضا کی عمدگی یعنی فصلِ خصومات میں پُورا عدل و انصاف تین باتوں پر موقوف ہے

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جسکے مطابق فیصلے عمل میں آئیں

(۲) قابل اور متدین حکّام کا انتخاب۔

(۳) وہ اُصول اور آئین جنکی وجہ سے حکّام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں رُو رعایت نہ کرنے پائیں۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا تاکہ مقدمات کے انفصال میں ہرج نہ ہونے پائے ۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام اُمور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا تھا قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، اسلام کا اصلی قانون **قرآن مجید** ہے جو تھا البتہ چونکہ اسمیں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی، حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اسکی ہدایت لکھی، قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات[1] میں، اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو، تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ لکھکر بھیجتے رہتے تھے آج اگر انکو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے

---

[1] کنز العمال صفحہ ۴، ۱جلد ۳۔ مسند دارمی میں یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ اسکی اصلی عبارت یہ ہے

عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاءک شیء فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بھا فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ ولم یتکلم فیہ احد قبلک فاختر ای الامرین شئت۔ ان شئت ان تجتہد برایک ثم تقدم فتقدم وان شئت تتاخر فتاخر ولا اری التاخر الا خیراً لک

لیکن ہم اس موقع پر انکا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفا وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

قُضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کیے گئے وہ اِس حیثیت سے تمام عرب میں انتخاب تھے پاے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی۔ زید بن ثابتؓ[1] تھے جو رسول اللہؐ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں اِن کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام بن سیرینؒ نے اِن کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کیے ہیں[2]۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ اُن پانچ شخصوں کے ہیں جنھوں نے رسول اللہؐ کے عہد میں تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے اُن کو اہل صُفّہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ انکا اسقدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ نے اِن کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے انکو معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر لیا[3]۔

کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعود تھے جنکا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اوّل وہی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کے بعد ۱۹ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اسقدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں انکا جواب نہ تھا۔ چنانچہ انکا نام آجتک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ انکو اقضی العرب کہا کرتے تھے۔ اِن بزرگوں کے سوا۔ جمیل بن معمر الجمحی۔ ابو مریم الحنفی۔ سلمان بن ربیعۃ الباہلی عبدالرحمن بن

---

[1] اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استعمل زیدا علی القضاء وفرض لہ رزقا۔ [2] دیکھو اسد الغابۃ فی احوال الصحابۃ و استیعاب قاضی بن عبدالبر تذکرہ کعب بن سور الازدی۔ [3] استیعاب قاضی بن عبدالبر۔

ربیعہ۔ ابوقرۃ الکندی۔ عمران بن الحصین۔ جو حضرت عمر کے زمانے کے قضاۃ ہیں۔ ان کی عظمت و جلالت شان، رجال کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہے۔

قاضی۔ اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا، تاہم حضرت عمر زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لیئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمر اسپر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہوگیا۔ حضرت عمر نے اسکو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا، اسپر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کیئے گئے۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لیکر سواری لی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ حق یہی ہے اور اسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کردیا[1]۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔

ناجائز وسائل آمدنی کے روکنے کے لیئے بہت سی بندشیں کیں۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

(۱) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی[2]۔ اور یہ تعداد اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابوموسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اسمیں اِس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ ,, دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ

---

[1] کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ ۱۲ [2] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۷۔

ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔لہ

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربہ کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوان عدالت میں شاہ و گدا امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر کو اس کا اسقدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیئے متعدد دفعہ وہ عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور اُبی بن کعب میں کچھ نزاع تھی اُبیّ نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہکر اُبیّ کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر کو دعوے سے انکار تھا۔ اُبیّ نے قاعدے کے موافق حضرت عمر سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کرکے اُبیّ سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔"

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمر نے جس قسم کے اصول اختیار کیے اُس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو اُمیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے (یہ بنو اُمیہ کے زمانے میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع، قاضی سے خالی نہیں تھا

لہ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع۔

اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں اسلیے اسلامی عدالتوں میں اُن کے مقدمات کم آتے تھے - اور اس بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا کافی تھا

ماہرین فن کی شہادت

صیغہ قضا اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمر نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان اُن کے اجتہادات کے ذکر میں آئیگا۔ ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اسمیں خاص اُس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا - مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی زبرقان نے حضرت عمر کے ہاں مقدمہ رجوع کیا چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں - حضرت عمر نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بُلا کر پوچھا اور اُن کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا - اسیطرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار لیے - چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں -

سہل حصولیت کے متعلق اگرچہ حضرت عمر نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا، ورنہ سب سے مقدم اُن کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا - آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ دادخواہوں کو دعوے سے باز آنا اسکی بہ نسبت زیادہ آسان ہے - لیکن حضرت عمر کے اُصول اور آئین اسقدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت عمر کو خاص اسبات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا

عدالت کا مکان

یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لیئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیم اور اجازتِ عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی -

مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا، عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

افتا۔

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جسکی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیئے کہ قانون سے واقف ہے، یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اسکا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلّم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اسپر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہہ یہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لیئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی، یورپ میں تعلیم اسقدر عام ہو چکی لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون داں بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لیئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جسکا نام محکمۂ افتا تھا۔ اسکا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون داں یعنی فقہا ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا، ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں۔ اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا اور اس لیئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا

یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمر کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اسپر عمل ہوا زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابوبکر کے عہد میں بھی نہیں ہوا۔

حصہ ۲
کے رکیے
کے فتو

اس طریقے کے لیئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کے لیئے نامزد کر دیے جائیں۔ تاکہ ہر کس و ناکس۔ غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے حضرت عمر نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انھوں نے افتا کی اجازت دی۔ مثلاً حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ معاذ بن جبل۔ عبد الرحمن بن عوف۔ ابی بن کعب زید بن ثابت۔ ابو ہریرہ ابو درداء وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتوے دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں "سابق وعظ و فتوےٰ موقوف بود برائے خلیفہ۔ بدون امر خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتوےٰ نمی دادند و آخر بغیر توقف برائے خلیفہ وعظ مے گفتند و فتوے می دادند"۔ تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتوےٰ کی اجازت نہ تھی انھوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمر نے ان کو منع کر دیا چنانچہ ایک دفعہ عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا[۱]۔ بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے حضرت ابو ہریرہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتوےٰ دیا؟ اور جب انھوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آیندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے[۲]۔

دوسرا امر جو اس طریقہ کے لیئے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اُسوقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جلسے بڑھکر اعلانِ عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمر نے بارہا اسکا اعلان کیا شام کے سفر میں بمقام جابیہ۔ بیشمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اُسمیں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیات ابیا ومن اراد ان یسال الفرائض فلیات زیدا ومن اراد ان یسال عن الفقه فلیات معاذ	یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے وہ ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے، مقدمات فوجداری کے لیئے حضرت عمر نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں

---

[۱] کتاب مذکور صفحہ ۲۳ [۲] مسند دارمی و ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۰-

گیا، البعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا، اور سرقہ۔ قضاۃ کے ہاں فیصل ہوتے تھے، اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں، پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اُسوقت اُسکا نام **اَحداث** تھا چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعون اور حضرت ابوہریرہ کو مقرر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالگزاری کی خدمت دی اور حضرت ابوہریرہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دوکاندار ترازو میں دھوکا نہ دینے پائیں، کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام اُمور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لیے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں، کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے بازار کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمر کا یہ فعل عہدۂ احتساب کا ماخذ ہے"

جیلخانے کی ایجاد

اس صیغے میں حضرت عمر کی ایک ایجاد یہ ہے کہ **جیلخانے** بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیلخانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دیجاتی تھیں، حضرت عمر نے اوّل مکہ معظمہ میں صفوان بن اُمیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اُس کو جیلخانہ بنایا پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیلخانہ نرسل سے بنا تھا، اُسوقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے لیکن دورِ خلافت کے بعد قاضی شریح مدیونوں کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیلخانے میں بھجواتے تھے

جیلخانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں بھی تبدیلی ہوئی مثلاً ابومحجن ثقفی بار

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۶۳۔

بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے اُن کو حد کی بجائے قید کی سزا دی

جلاوطنی کی سزا

جلا وطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیجدیا تھا۔[1]

بیت المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آں حضرتؐ کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جسکی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اُسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا چنانچہ پہلے سال ۱۰-۱۰ درہم اور دوسری سال ۲۰-۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے، ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان **بیت المال** کے لیئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اُسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا

تقریباً سنہ ۱۵ھ میں حضرت ابوہریرہ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے، حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دیجائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے

---

[1] اسد الغابۃ ذکر ابو محجن ثقفی۔

اس کے خلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں، دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے[1]۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اسکی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی عبد اللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کیے جن میں سے عبد الرحمن بن عبید القاری اور معیقیب بھی تھے[2]۔ معیقیب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ کے انگشتری بردار تھے اور اسو جہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

ت المال
ے افسر

دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کیے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے، مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث اور کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود، خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں، کوفہ میں بیت المال کے لیے اول ایک محل تعمیر ہوا جسکو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جسکا مصالحہ خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اسمیں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاص کو لکھا کہ مسجد کی عمارت، بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا،، چنانچہ سعد وقاص کے حکم سے

بیت المال
کی عمارتیں

---

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۴۴۴ تا ۴۶۱ [2] کتب رجال میں معیقیب کا تذکرہ دیکھو

روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اسقدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی۔ اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا[٥١]۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیر حضرت علیؓ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانے پر قبضہ کرنا چاہا تو سیابجہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرہ پر متعین تھے اور انھوں نے طلحہ و زبیر کے ارادہ کی مزاحمت کی۔ سیابجہ کی نسبت اسی مؤرخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے، حضرت عمر کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسے نے اُن کو بصرہ میں آباد کرایا[٥٢]۔

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے اُنکا یہ انتظام تھا کہ جسقدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لیے ضروری ہوتی تھی رکھ لیجاتی تھی باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیجدی جاتی تھی چنانچہ اُس کے متعلق عمّال کے نام حضرت عمر کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے[٥٣]۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کسقدر رقم محفوظ رہتی تھی، مؤرخ یعقوبی کی تصریح سے اسقدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے۔ خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اُسکی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر کو جو اہتمام تھا اُس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جنکی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

---

[٥١] یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ میں ہے [٥٢] فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۶ [٥٣] عمرو بن العاص گورنر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے فاذا حصل الیک و جمعتہ اخرجت عطاء المسلمین و ما یحتاج الیہ مما لا بد منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الیَّ (کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۶۳)

پبلک ورکس یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لیے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اسکا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغہ میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارات۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پل۔ شفاخانے۔ حضرت عمر کے زمانے میں اسکے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منتظم اور وسیع طور پر تھیں۔ زراعت کی ترقی کے لیئے۔ حضرت عمر نے جسقدر نہریں تیار کرائیں اُن کا مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں اُن نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

نہر ابی موسیٰ۔ یہ نہر ۹ میل کی لمبی تھی جسکی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمر نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ اُنھوں نے نہایت پراثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے اسبات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر نے اُسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لیئے نہر کھُدوا دی جائے چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعے سے گھر گھر پانی کی افراط ہوگئی[1]۔

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جسکی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذا جاء نهر الله

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۶ و ۳۵۷ میں اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ جغرافیہ بشاری میں بھی اسکا ذکر ہے ۱۲

نہر معقل۔ یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اسکی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لیئے انہی کے نام سے مشہور ہوگئی۔

نہر سعد۔ اس نہر کے لیے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی، سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا۔ انھوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا لیکن کچھ دور تک پہنچکر ایک پہاڑ بیچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانہ میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمر کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیرالمومنین کے نام سے مشہور ہے اور جسکے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لیئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمر نے ان دقتوں پر خیال کرکے، عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لیکر دارالخلافہ میں حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط وگرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا دقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جاکر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی۔ اس ذریعے سے دریائے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلزم میں مل گیا۔ جہازات نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جار پہنچکر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کا بندرگاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب

یہ ہے کہ چھ مہینے میں بنکر تیار ہو گئی، چنانچہ پہلی ہی سال میں ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے بندرگاہ میں آئے، یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی عمر بن عبد العزیز کے بعد عاملوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آ کر بالکل بند ہو گئی۔ سنہ ۱۵۰ھ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اسکو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحرِ روم و بحرِ قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لیئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحرِ روم و بحرِ قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضمندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آ کر حاجیوں کو اڑا لیجائیں گے اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصہ میں آتا۔

عمارات جو حضرت عمرؓ نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں۔

(۱) **مذہبی** جیسے مساجد وغیرہ۔ انکا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئیگا۔ یہاں اسقدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں

(۲) **فوجی** جیسے قلعے، چھاونیاں۔ بارکیں، انکا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئیگا۔

(۳) **ملکی** مثلاً دار الامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن ان

---

۱ یہ تفصیل حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۹۳ و ۹۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۷۱، و جلد دوم صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۴ میں ہے

۲ تقویم البلدان ابو الفدا صفحہ ۱۰۶

کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت عمر
کے عہد میں عما
رتیں

دارالاما

(۱) **دار الامارۃ**۔ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں اُن کا دفتر رہتا تھا کوفہ و بصرہ کے دار الامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسیقدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

دفتر

(۲) **دیوان**۔ یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

خزانہ

(۳) **بیت المال**۔ یعنی خزانے کا مکان یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا۔

قید خانے

(۴) **قید خانے** مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال۔ صیغہ پولیس کے بیان میں گذر چکا۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دار الامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔

مہمان خانے

(۵) **مہمان خانے** یہ مکانات اس لیے تعمیر کیے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لیے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھیرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اسکی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امر عمر ان یتخذ لمن یرد من الآفاق دارًا فکانوا ینزلونها[1] مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ھ میں تعمیر ہوا چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ مابعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اُس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا اور حضرت عمرؓ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اسکے علاوہ اسوقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اُس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۷، [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۸۔

کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا[1]، البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

ڑکوں کا
نتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہِ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیں گی۔ حضرت ابو عبیدہ نے شام فتح کیا تو شرائطِ صلح میں یہ امر بھی داخل تھا[2]۔

معظمہ سے
ینہ منورہ
ک چوکیاں
ور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہِ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ ۱۷ھ میں جب مکہ معظمہ گئے تو اُن کی اجازت سے مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں اور سرائیں اور چشمے تیار ہوئے[3]۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں "ازاں جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بمکہ محترمہ توجہ فرمود و نزدیک مراجعت امر فرمود تا در منازلے کہ مابین حرمین واقع اند سایہا و بناہا سازند و ہر چاہیکہ آنباشتہ شدہ باشد آں را پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہہا کنند تا بر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسر شود"

شہروں کا آباد کرنا

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۳
[2] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے وعلی ان علیہم ارشاد الضال وبناء القناطر علی الانہار من اموالہم، تاریخ طبری واقعات سنہ ۱۶ھ صفحہ ۲۴۶۷ میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے ۱۲

[3] طبری صفحہ ۲۵۲۹ و بلاذری صفحہ ۵۳۔

حضرت عمر کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر، تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے ان میں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی نحو کے اصلی دار العلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لیے حضرت عمر نے سنہ ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں بحر فارس کے خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں، زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمر نے بتا دیا تھا، عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں پہلے کف دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان تھا، عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی، اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور پھوس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہو اتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جسکے ساتھ دفتر اور قید خانہ کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ سنہ ۱۷ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن وقاص نے جو اسوقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں حضرت عمر نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے“

بصرہ[1] سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اسلیے حضرت عمر نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اسکا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گذر چکا - بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمان حکومت میں صرف اُن لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی جسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی آل و اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی -

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اُسکا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی، دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جسکا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے - عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا - ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا مداین وغیرہ جب فتح ہو چکے - تو سعد وقاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ یہاں رہکر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آسکتی - ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو بری بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو چنانچہ سلمان و حذیفہ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی، یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اسکا نام کوفہ رکھا گیا اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرماں روا تھا اُن کا پایۂ تخت یہی مقام تھا اور اُن کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں منظر نہایت خوش نما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا - اہل عرب اس مقام کو خد العذرا یعنی عارض محبوب کہتے تھے - کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان - شقایق -

---

[1] بصرہ کوفہ وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں اسی قسم کی تھی لیکن معجم البلدان میں ایک فارسی ماخذ کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قریب قیاس ہے [illegible] اسکے [illegible] یعنی اصل میں یہ لفظ بس راہ تھا جسکے معنی فارسی میں بہت سے راستے کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو نکلتی تھیں اس لیے اہل عجم اسکو اس نام سے موسوم کرتے تھے اسکی تصدیق [illegible]

زیادہ قرار سے [illegible] ہو کہ اس کے آس پاس [illegible] بہت سے [illegible] میں تیار [illegible] فارسی سے لئے گئے [illegible] خورنق خود اصل میں ورنگاہ ہے اور سدیر جو اصل میں سہ درہ ہے

قیصوم- خزامی- کا چمن زار تھا غرض ۱۷ھ میں اسکی بنیاد شروع ہوئی- اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے- ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے- شہر کی وضع اور ساخت کے لیئے خود حضرت عمر کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰-۴۰ ہات اور اُس سے گھٹ کر ۳۰-۳۰ ہاتھ اور ۲۰-۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷-۷ ہاتھ چوڑی ہوں، جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی- اسقدر وسیع تھی کہ اسمیں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے- اِس کے ہر چہار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑدی گئی تھی-

عمارتیں اول گھانس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں- جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا اور سنگِ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا جو نوشیروانی عمارات سے نکال کر لائے گئے تھے اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ در اصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اُصولِ سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفۂ وقت ہوتا- لیکن حضرت عمر کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو اُن ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی اُن کی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ اُن کے جزیہ میں مجرا دی گئی- مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر ایوانِ حکومت تعمیر ہوا جسمیں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جسمیں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور اُن کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا-

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہوگئی اور چونکہ حضرت عمر کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی اُنھوں نے سعد کو لکھا کہ ایوانِ حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزبہ نام ایک پارسی

معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا، حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لیے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کے لیے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کیے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کیے گئے ان کے نام سب ذیل ہیں۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان بجیلۃ تیم اللات۔ تغلب بنو اسد نخع وکندۃ ازد مزینہ تمیم و محارب۔ اسد و عامر۔ بجالۃ۔ جدیلۃ واخلاط۔ جھینۃ۔ مذحج ہوازن۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے سنہ ۵۰ھ میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعۃ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۶ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "سعد بن وقاص نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب بھی قائم ہے"

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی یعنی ابو الاسود دؤلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کیے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابو حنیفہ صاحب نے قاضی ابو یوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث و فقہ

اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے اِن میں **ابراہیم نخعی**۔ حماد۔ امام **ابوحنیفہ**۔ **امام شعبی** یادگار زمانہ تھے[1]۔

فسطاط

فسطاط۔ عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کرلیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے، اُن کے مکانات خالی دیکھکر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اُسی کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی، حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لیے اُسکو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے، یہاں انکا وہ خیمہ اب تک اُسی حالت سے کھڑا تھا جسکو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے میں اُترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج۔ شریک بن سُمی۔ عمرو بن مخزم۔ حیویل بن ناشرہ۔ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جسقدر محلے اُسوقت تھے اور جو قبائل اُن میں آباد ہوئے اُن کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اُس کے قبلہ کی سمت متعین کی، اِن صحابہ میں زبیر۔ مقداد۔ عبادہ۔ ابوالدردا اور بڑے بڑے اکابر صحابہؓ شریک تھے، یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی، تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ

---

[1] کوفہ و بصرہ کے حالات طبری، بلاذری اور معجم البلدان سے لیے گئے ہیں۔

نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اسکا نام **فسطاط** پڑا جسکے معنے عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار اہل عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں یہاں ۳۶ مسجدیں ۸ ہزار سڑکیں ۱۱۷۰ حمام تھے۔ اسکی وسعت اور ہر قسم کے سر و سامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایہ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جسنے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا تھا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے ناسخ بغداد و مفخر الاسلام۔ خزانۃ المغرب لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملا من اہلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ، اور اسلام کا فخر ہے تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے۔

موصل۔ یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اسوقت اسکی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے، حضرت عمر کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا، ہرثمہ بن عرفجہ نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کیے، ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی[1]۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اسکا نام موصل

---

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۲۔

رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دُنیا کے بڑے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے، اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے، اور موصل جو مشرق و مغرب کا گذرگاہ ہے" یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اُسکو یہاں سے ضرور گذرنا پڑتا ہے"

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جیزہ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لئے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی جسمیں حمیر اور ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا، لیکن اُن کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمر کو دی، وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ اُن کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ سنہ ۲۱ھ میں **قلعہ** کی بنیاد پڑی اور سنہ ۲۲ھ میں بنکر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلۂ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے، "ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے"، چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔

حضرت عمر کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے ان میں سے بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں[1]۔

---

[1] جیزہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے ۱۲

صیغۂ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکی تھیں جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منتظم او اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جسکی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ مُلک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے اُن کو بڑی بڑی جاگیریں دیجاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت۔ اسقدر فوج لیکر حاضر ہونگے، یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے، لیکن اِن فوجوں کا تعلق براہِ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اسوجہ سے اگر یہ لوگ کبھی عَلَمِ بغاوت بلند کرتے تھے تو اُنکی فوج اِن کے ساتھ ہوکر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اِس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے، اِس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اِس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہوگئے تھے، ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا، فارسی میں جنکو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اِسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے، اِس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کردیا تھا اور آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت بُرا طریقہ تھا۔

فوجی نظام روم اور ایران میں

فوجی نظام فارس میں

فرانس میں سنہ ۱۱۵ء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کردیا جاتا تھا، اِس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہوگیا چنانچہ اسلام کے بعد سنہ ۱۵۷ء تک یہی طریقہ جاری رہا۔

فوجی نظام فرانس میں

عرب میں شاہانِ یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منتظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہیں پیش آئی، حضرت ابوبکر کے عہد میں صرف اسقدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جسقدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰-۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کردیا گیا، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی، لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہلِ فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا، حضرت عمر کی اوائلِ خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن سنہ ۱۵ھ ہی میں حضرت عمر نے اس صیغے کو اسقدر منتظم اور باقاعدہ کردیا کہ اسوقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر کا فوجی نظام

حضرت عمر کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ جو بحرین کے حاکم مقرر کیے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ میں آئے اور حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی، پانچ لاکھ کی رقم اُس وقت اسقدر اعجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمر نے فرمایا۔ خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انھوں نے پھر پانچ لاکھ کہا، حضرت عمر نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابوہریرہ نے کہا ہاں، یہ کہکر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمر کو یقین آیا تو **مجلس شوریٰ** منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اسقدر زرِ کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیانِ ملک کو دیکھا ہے کہ اُن کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے، حضرت عمر کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیبِ دفتر کا خیال پیدا ہوا۱؎۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطینِ عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرینِ قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے، دبستان۔ دبیر۔ دفتر۔ دیوان۔ سب ایک مادہ کے الفاظ

۱؎ مقریزی صفحہ ۹۲- اور فتوح البلدان صفحہ ۴۴۹-

ہیں جنکا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جسکے معنے نگاہ رکھنے کے ہیں۔

ام ملک کا
ج بنانا

بہرحال سنہ ۱۵ھ میں حضرت عمر نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب میں اُن کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انھوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا میں ایسی تعمیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اُسوقت تین شخص بہت بڑے نسّاب اور حساب کتاب کے فن میں اُستاد تھے۔ مخرمۃ بن نوفل، جبیر بن مطعم عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب۔ عرب کا موروثی فن تھا۔ اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے، حضرت عمر نے اُن کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام **قریش** اور **انصار** کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو، اِن لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابوبکر کا خاندان پھر حضرت عمر کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب اُن لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت۔ خود غرضی کا آلہ بن جاتی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ "یوں نہیں بلکہ آنحضرت کے قرابت داروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جسقدر آنحضرت سے دُور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے اُن کے نام آخر میں لکھتے جاؤ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو"۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمر کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرت سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں[2]۔

---

[1] جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (جلد دوم صفحہ ۳ مطبوعہ مصر) میں لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص اشعار عرب اور انساب اخبار کے حافظ تھے مخرمۃ بن نوفل، ابوالجہم، حویطب بن عبدالعزی، عقیل بن ابیطالب ۱۲

[2] تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲ و بلاذری صفحہ ۴۴۸ و یعقوبی صفحہ ۱۷۵ و طبری صفحہ ۲۴۱۱ کے بیانات کو حتے الامکان مطابق کرکے لکھا ہے ۱۲

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگِ بدر میں شریک تھے	۵ ہزار درہم
مہاجرینِ حبش اور شرکائے جنگِ اُحد	۴ ہزار درہم
فتح مکّہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکّہ میں ایمان لائے۔	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔	۲ ہزار درہم
اہلِ یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین۔	۳۰۰ درہم
بلا امتیازِ مراتب	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے اُن کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہلِ بدر کی اولادِ ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اِس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی اُن کے غلاموں کی بھی وُہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا پایہ تھا؟

جسقدر آدمی درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن اُن کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

---

[۱] اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اسکو فوجی صیغے سے چنداں تعلق نہیں بلکہ یہ رفاہِ عام کی غرض سے تھا لیکن یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اوّلاً تو جہاں مورخوں نے اس واقعہ کا سلسلہ وار بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا انی جئت الشام فرایت ملوکھا قد دونوا دیوانا و جندوا جنودا فدون دیوانا وجند جندا فاخذ بقولہ۔ یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دفتر بنائیے اور فوج مرتب

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی، (۲) جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جا سکتے تھے ان کو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آجکل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اسوجہ سے اسمیں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی سنہ ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اسقدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوج کی اسقدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو **فاروق اعظم** کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سنہ ۲۰ھ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں **ملکی اور فوجی**۔ ملکی کا

(بقیہ صفحہ ۷۷) کیجئے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لیجاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ انکی تنخواہ نہیں مقرر کرتے تھے یہی باعث ہے کہ مکہ والوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی فتوح البلدان میں ہے ان عمر کان لا یعطی اھل مکۃ عطاءً ولا یضرب علیھم بعثاً یہی وجہ تھی کہ جب صحرانشین بدوؤں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو لیں صحرانشینوں کا روزینہ نہیں مقرر ہو سکتا۔" البتہ اسمیں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے، یا کسی فن میں صاحب کمال تھے لیکن استقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ خلط مبحث جو بضرورت اختیار کیا گیا تھا مٹتا گیا چنانچہ اسی مضمون میں آگے اصلی حالت آتی ہے۔

؎ فتوح صفحہ ۴۵۰۔

فوجی صدر مقامات

حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا۔ فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیئے جنکا نام جُند[1] رکھا اور یہی اصطلاح آجتک قائم ہے، اُن کی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ فسطاط مصر۔ دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جا سکتے تھے وہ صرف عراق۔ مصر۔ جزیرہ۔ اور شام تھے، چنانچہ اسی اُصول پر فوجی صدر مقامات بھی ان ہی ممالک میں قائم کیئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام کرنے ضرور تھے اس لیئے دمشق۔ فلسطین۔ حمص۔ اُردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ کوفہ۔ یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لیئے تھے حسب ذیل تھے۔

فوجی بارکیں

(۱) فوجوں کے رہنے کے لیئے بارکیں تھیں۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لیئے آباد ہی کیئے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اُسکو شہر کی صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لیے جدا جدا محلے بسائے۔

گھوڑدوڑ
سرو جسہ

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانہ تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آجائے تو

---

[1] جند کی بحث کے لیئے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۳۲۔ مورخ یعقوبی نے واقعات سنہ ۲۰ھ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کیئے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین جزیرہ موصل اور قنسرین کا نام لکھا ہے، یہ صریح غلطی ہے۔

۴ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے[1]۔ ۲۱ھ میں جزیرہ والوں نے دفعۃً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ ان گھوڑوں کی پرداخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ[2] تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جسکا نام ہنی تھا اسکی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے حبس فی سبیل اللہ[3] کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی۔ اور سلمان الخیل کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنے اصطبل خانہ کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخور شاہ جہاں کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب کاہوں میں چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انھوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب نسل میں ماں کی پروا نہیں کرتے تھے، سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۴ میں ہے کان لعمر اربعۃ آلاف فرس عدۃ لکون ان کان یشتیہا فی قبلۃ قصر الکوفۃ وبالبصرۃ نحو منہا وقیمہ علیہا جزء بن معاویۃ وفی کل مصر من الامصار الثمانیۃ علی قدرہا فان نابتہم نایبۃ رکب قوم ونفذوا الی ان یستعد الناس ۱۲

[2] حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے ۳ منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلع میں واقع ہے یہ چراگاہ ۱۰ میل لمبی اور اسیقدر چوڑی تھی دوسری مقام ضریہ میں تھی جو مکہ معظمہ سے سات منزل پر ہے اسکی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی اسمیں قریباً ۴ ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے ان چراگاہوں کی پوری تفصیل علامہ وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ میں ہے

[3] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۳۱۔

کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی اُسکو دو غلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے[۱] بصرہ کا اہتمام جزء بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

(۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتا تھا۔

رسد کا غلہ

(۴) رسد کے بیئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

فوجی چھاؤ

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ یہ انکا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اُسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی[۲] جو وہاں سے ہلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی۔ لیکن امن و امان قائم ہوتے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

۱۷ھ میں حضرت عمر نے جب شام کا سفر کیا تو اُن مقامات میں جہاں مُلک کی سرحد دشمن کے مُلک سے ملتی تھی یعنی دلوک، منبج، رعبان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں اُن کو فروج یا ثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب انتظامات کیئے۔ جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے (یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرسوس، صیدا، ایاس، لاذقیہ) چونکہ

---

[۱] کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو ۱۲

[۲] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے وکان المسلمون کلما فتحوا مدینۃ ظاہرۃ او عند ساحل رتبوا فیہا قدر من یحتاج لہا الیہ من المسلمین فان حدث فی شیء منہا حدث من قبل العدو سربوا الیہا الامداد اور صفحہ ۱۵۰ میں ہے وولی ابو عبیدۃ کل کورۃ فتحہا عاملا وضم الیہ جماعۃ من المسلمین وشحن النواحی المخوفۃ ۱۲

رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لیے اسکا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اسکا افسر کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا[1] بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسرحد تھا، وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اسقدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کرچکے تھے آباد کیے[2]۔ سنہ ۱۹ھ میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسوقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ تمام دریائی منظرگاہوں پر پہرہ والے تعینات کیے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے[3]

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جسقدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لیے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک **عریف** رہتا تھا۔ جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جسکی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی[4]۔

---

[1] تاریخ طبری میں صفحہ ۲۲۲۵۔ اصل عبارت یہ ہے قسم عمر الارزاق وسمى الشواتى والصوائف وسد فروج الشام و مسالحها واخذ يدوربها وسمى ذلك فى كل كورة واستعمل عبد الله بن قيس على السواحل من كل كورة ١٢

[2] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ میں ہے ورتب ابو عبيدة ببالس جماعة من المقاتلة واسكنها قوما من العرب الذين كانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمين الشام ١٢

[3] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے ان معوية كتب الى عمر بن الخطاب بعد موت اخيه يزيد يصف له حال السواحل فكتب اليه فى مرمة حصونها وترتيب المقاتلة فيها واقامة الحرس على مناظرها واتخاذ المواقيد لها ١٢

[4] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۷ میں ہے وكان لكل عريف قصر ينزل فيه بمن معه من اصحابه واتخذ وافيه الاخائذ ١٢ ◆

سنہ ۲۶ھ میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر[1] فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جسقدر فوج تھی اُسکی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لیے مخصوص کر دی۔ عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے دس ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں[2]۔ تاہم ان اضلاع میں عجمیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خریبہ اور زابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سر سے تعمیر کر دی گئیں[3]۔

صوبہ خوزستان، میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں چنانچہ نہر تیری، مناذر، سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی سابور، مہرجانقذق، یہ تمام مقامات فوجوں سے معمور ہو گئے[4]۔ رے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ دس ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جا بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اسقدر وسعت کیوں دی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اُصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اسوقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا اُدھر یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے۔ اسوجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں

---

[1] دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۴ و مقریزی صفحہ ۱۶۷۔ [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۰۵ میں ہے وکان بالکوفۃ اذ ذاک اربعون الف مقاتل وکان یغزو ھذین الثغرین، ای الری واذربیجان منھم عشرۃ آلاف فی کل سنۃ فکان الرجل یصیبہ فی کل اربع سنین غزوۃ ۱۲۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰۔ [4] طبری صفحہ ۲۶۵۰-۱۲۔

عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا، اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں انکی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جسقدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات میں کیں جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لیئے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا، اس لیئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضرور تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

ی چھاؤنیاں
صول پر
م کی گئیں

حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اسقدر منتظم کر دیا کہ اسوقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے، فوجوں کی بھرتی کا دفتر جسکی ابتدا، مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریبًا تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے جسقدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اسکو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیزہ، وغیرہ میں جسقدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بیشمار گروہ کی علی قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتیار بند آدمی تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج

ی دفتر
وسعت

ہر سال تیس ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

فتوحات پر بھیجی جاتی تھی[1]۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے، جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی اُن کو باری باری سے ہمیشہ رے اور آذربائیجان کے مہمات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مُدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جسقدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اسمیں تبدیلی کی یعنے شیر خوار بچّوں کی تنخواہ بند کردی عبدالملک بن مروان نے اُور بھی اسکو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے۔ اور اُسی دن درحقیقت، حکومت بھی مُسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آگیا تھا، ہم پھر حضرت عمر کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمر نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہلِ عجم بھی اُسمیں داخل کیے گئے۔ **یزدگرد** شاہنشاہ فارس نے دیلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور جُند شاہنشاہ یعنی فوجِ خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہوکر اسلام کے حلقے میں آگئی، سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کرلیا اور کوفہ میں آباد کرکے اُن کی تنخواہیں مقرر کردیں[2]۔

فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

چنانچہ اسلامی فتوحات میں اِن کا نام بھی جابجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدجرد کی فوج اول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو **سیاہ** کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ۲۱ھ میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کرکے ایک دستہ تیار کرے۔ ابوموسیٰ

---

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۳۱ امام مالک نے مؤطا میں ۳ ہزار کے بجائے ۴ ہزار کی تعداد بیان کی ہے [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰۔

اشعری نے جب سنہ ۲۰ھ میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے۔ سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ کے مقابلے کو جائے، سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سرداروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ گو۔ ان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لیے جائیں چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کیے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا جا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ انہیں سے چھ افسروں کی (جن کے نام یہ تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ، افرودین) ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکہ میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی[1]۔

باذان۔ نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اسکی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی انہیں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جنکو اہل عرب زط کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کیے گئے[2]۔

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانسو آدمی شریک جنگ تھے۔ اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کیے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے[3]۔

---

[1] طبری واقعات سنہ ۱۷ھ ذکر فتح سوس و فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۵ [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۵

[3] مقریزی صفحہ ۲۹۰ میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔

غرض حضرت عمرؓ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی اُس کے لیئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی یہاں تک کہ مذہب وملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والنٹیر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جنکو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوج نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ انکی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئیگی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صیغۂ جنگ کی یہ وسعت جسمیں تمام قوموں کو داخل کرلیا گیا تھا صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لیے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انھیں کے ہمقوموں کو اُن سے لڑانا فن جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خرگوشِ ہر مرز را بے شگفت سگِ آں ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ابتدائے انتظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے اُن کے نام بھی فوجی جسٹر میں درج تھے اور اُس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اُٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی اُمور سے کچھ تعلق نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو صیغۂ تعلیم سے متعلق کرکے اس دفتر سے الگ کردیا۔ چنانچہ سعد بن وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے کہ لا تعط علی القرآن احدًا

تنخواہوں میں ترقی

اسکے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت، اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے اس لیئے ضرور تھا کہ اُن کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے، اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی ۳۰۰ کردی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھادی، بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کردیجائے

رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اسقدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لاتیں، البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا یعنے حضرت عمر مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے[1] پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ آثار غلہ لیا جاتا تھا اور وہ رسد کے کام میں آتا تھا۔ مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد، اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لیے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اسمیں رعایا کو زحمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمر نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی[2] جسکو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر نے

رسد کا مستقل محکمہ

رسد کا ایک مستقل محکمہ قایم کیا جسکا نام اہراء تھا چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہ[3] اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے ہری ایک یونانی لفظ ہے جسکے معنی گودام کے ہیں[4] چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لیے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی ایک من ۲ آثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا، اس کے ساتھ فی کس ۱۲ آثار روغن زیتون اور ۱۲ آثار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمر کے سفر شام کے ذکر میں اسکی تصریح کی ہے۔

[illegible] کپڑا اور بھتہ

تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جسکی تفصیل وردی کے ذکر میں آئیگی۔ اِن تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جسکو عربی میں معونۃ کہتے ہیں، سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا۔ لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۵۶ اصل عبارت یہ ہے فاذا احتاجوا الی العلف والطعام اخرجوا خیولا فی البر فاغارت علی اسفل الفرات وکان عمر یبعث الیہم من المدینۃ الغنم والجزر [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۶۰ و ۲۱۶ [3] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۶ - اہراء کے معنے اور مفہوم کے لیے دیکھو لسان العرب اور فتوح البلدان صفحہ ۲۰۸

اور اُس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اُسکو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اس غرض کے لیئے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دار الخلافۃ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے[1]۔

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

بخشش و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کیوقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی[2]۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا، فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰-۱۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو اُمراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہ اُن کو دیجاتی تھی، وہ عریف کو حوالہ کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کو حوالہ کرتے تھے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں سَو عریف تھے جن کے ذریعے سے ایک کرور کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔ اِس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا تھا، عراق میں اُمرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے۔ عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بُلا کر اِسکی جانچ پر مقرر کیا چنانچہ اِن لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کیئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا[3]۔ عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جسکی تقلید مدتوں تک کی گئی۔ کنز العمال باب الجہاد میں بیہقی کی روایت ہے اول من دون الدواوین و عرف العرفا عمر بن الخطاب۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ٢٧ اصل عبارت یہ ہے کان لعمر بن الخطاب اربعۃ آلاف فرس فاذا کان فی عطاء الرجل خفۃ او کان محتاجا اعطاہ الفرس ١٢

[2] طبری صفحہ ٢٤٨٦۔ اصل عبارت یہ ہے وامرلھم بمعاونہم فی الربیع من کل سنۃ و باعطیاتھم فی المحرم من کل سنۃ و بفیئھم عند طلوع الشعری فی کل سنۃ وذلک عند ادراک الغلات ١٢

[3] یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ٢٤٩٥ سے ٢٤٩٦ و مقریزی صفحہ ٩٣ میں ہیں ١٢

تنخواہ کی ترقی

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ قادسیہ میں زہرہ، عصمۃ، ضبی، وغیرہ نے بڑے مردانہ کام کیے تھے اسلیئے اُن کی تنخواہیں دُو دُو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اُسکی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلولا، میں نُو نُو ہزار نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لیئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

(۱) جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے اِن پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔ اِس تقسیم کا نام شتایہ اور صافیۃ رکھا اور یہی اصطلاح آجتک قائم ہے، یہاں تک کہ ہمارے مورخین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف **صوایف** کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ انتظام حضرت عمر نے سنہ ۱۷ھ میں کیا تھا علامہ طبری لکھتے ہیں وسمی الشواتی والصوائف + وسمی ذٰلک فی کل کورۃ۔

بہار کے زمانے میں فوج کا قیام

(۲) فصل بہار میں فوجیں اُن مقامات میں بھیجدی جاتی تھیں جہاں کی آب ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول سنہ ۱۷ھ میں جاری کیا گیا جبکہ مداین کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا۔ چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں؎۔ عمرو بن العاص گورنر مصر، موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیجدیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چراکر اور فربہ بنا کر لائیں۔

؎ تاریخ طبری میں ہے وکتب عمر الی سعد بن مالک والی عتبۃ بن غزوان ان یتربعا بالناس فی کل حین ربیع فی اطیب ارضہم کتاب مذکور صفحہ ۲۴۸۶۔

آب و ہوا کا لحاظ

(۱۳) بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجوں کے لیئے جو شہر آباد کیئے گئے مثلاً کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط وغیرہ اِن میں اُصولِ صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں حضرت عمرؓ کو اسمیں اسقدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی چنانچہ اسکی تفصیل اِن شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

کوچ کی حالت میں فوج کی آرام کا دن

(۱۴) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لیں اور ہتیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اُسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیّا ہوں چنانچہ سعد بن وقاصؓ کو جو فرمان، فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اسمیں اور اہم باتوں کے ساتھ اِن تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی[1]۔

رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجیں دُور دراز مقامات پر مامور تھیں اُن کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب اُنھوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سُنا تو افسروں کو احکام بھیجدیئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اُسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا، ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی، سے بچنے کے لیئے سخت بندشیں کی تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہلِ فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔”

فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لیئے کوئی خاص لباس جسکو وردی

---

[1] عقد الفرید جلد اول صفحہ ۹۴ میں یہ فرمان بعینہٖ منقول ہے۔

کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اُن کے جو احکام منقول ہیں اُن میں صرف اسقدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا کیونکہ سنہ ۲۱ھ میں جب مصر میں ذمیوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اُنہیں شامل تھے اور وہ یہ تھے۔ اُون کا جُبّہ۔ لمبی ٹوپی یا عمامہ۔ پاجامہ۔ موزہ[1]۔ حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمر نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم۔

فوج کے متعلق حضرت **عمر** کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جنکا عرب میں کبھی وجود نہ تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی، اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ اِن کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے، چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، بلال ہجری مترجم تھے[2]۔ فوج میں محکمہ عدالت سررشتہ حساب، مترجمی، اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہے۔

فوجی قواعد کی نسبت ہمکو صرف اِسقدر معلوم ہے کہ حضرت عمر فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے اُن میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا۔ اس کے سوا ہمکو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھلائی جاتی تھی۔

فن جنگ میں ترقی

تاہم اسمیں شبہ نہیں کہ حضرت عمر کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔ عرب میں جنگ کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا، اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے۔ مثلاً میمنہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵۔ [2] طبری واقعات ۱۴ھ صفحہ ۲۲۲۶۔

ایک سپہ سالار کے نیچے رہکر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے سنہ ۱۵ھ[1] میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنے کُل فوج جسکی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب تھی ۳۶ دستوں میں تقسیم ہوکر حضرت خالد کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے

فوج کے حصے

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فوج کے جسقدر حصے اور شعبے تھے حسب ذیل ہیں۔

قلب	سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔
میمنہ	قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔
میسرہ	بائیں ہاتھ پر۔
ساقہ	سب سے پیچھے۔
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
ردء	جو ساقہ سے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرسکے۔
رائد	جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار۔
فرسان	سوار۔
راجل	پیادہ۔
رُماۃ	تیر انداز۔

فوج کے مختلف حصے

ہر سپاہی کو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں، فتوح البلدان

---

[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقۂ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے اسمیں لکھا ہے کہ تعبیہ کا طریق اول اول مروان بن الحکم نے قائم کیا، لیکن یہ غلط ہے۔ طبری اور دیگر مؤرخین نے بتصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالد نے تعبیہ کی طرز پر صف آرائی کی۔

میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب حضرت عمرؓ کے ایک فوجی افسر تھے، ان کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ "سوئیاں، سُوا، ڈورا، قینچی، سوتالی، توبرا، چھلنی"

جنگی آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرتؐ کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا، چنانچہ سب سے پہلے سنہ ۸ھ میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسکو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعے سے فتح ہوئے مثلاً سنہ ۱۶ھ میں بہرسیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں محاصرے کے لیے ایک اور آلہ تھا جسکو دبابہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جسمیں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیراندازوں کو اسکے اندر بٹھا دیا جاتا تھا، اور اسکو ریلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے، اس طرح قلعہ کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑتے تھے بہرسیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفرمینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پُل باندھنا، یعنی جو کام آجکل سفرمینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اسکا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ عمرو بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا[1] تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رُخ کرے گی سفرمینا کی خدمتوں کو مصری انجام دیں گے[2]۔ چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلے کے لیے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری، منزل بمنزل پُل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱ [2] مقریزی صفحہ ۱۶۳ میں ہے فخرج عمرو بالمسلمین، وخرج معه جماعة من رؤساء القبط وقد اصلحوا لهم الطرق واقاموا لهم الجسور والاسواق ۱۲

ملک کو گرویدہ کر لیا تھا اِس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے اِن خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

خبررسانی جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اُس کے لیئے قدرتی سامان ہاتھ آ گئے تھے، شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا یہ لوگ چونکہ مُدت سے اِن ممالک میں رہتے آئے تھے اس لیئے کوئی واقعہ اُن سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ اِن لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اسلیئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یرموک، قادسیہ، تکریت، میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے[1]۔ شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے، قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں[2]۔ فلما رای اهل الذمة وفاء المسلمین لهم وحسن السیرة فیهم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین علی اعدائهم فبعث اهل کل مدینة ممن جری الصلح بینهم وبین المسلمین، رجالا من قبلهم یتجسسون الاخبار عن الروم وعن ملکهم وما یریدون ان یصنعوا اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا، یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کیلئے مقرر کیئے گئے اور اس کے صلے میں اُن کی مقبوضہ زمینیں انکو معافی میں دیدی گئیں[3]۔ اسی طرح جراجمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور اُن کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

---

[1] تاریخ شام لازدی صفحہ ۱۵۴ و طبری صفحہ ۲۴۴۹ و ۲۴۷۵۔ ازدی کی عبارت یہ ہے لما نزلت الروم منزلهم الذی نزلوا به دسسنا الیهم رجالا من اهل البلد کانوا نصاریٰ وحسن اسلامهم وامرناهم ان یدخلوا عسکرهم ویکتموا اسلامهم ویاتونا باخبارهم۔ [2] کتاب مذکور صفحہ ۸۰۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بیشمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے، اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دار الخلافہ تک سیکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر کے قبضۂ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اسکا عام سبب تو حضرت عمر کی سطوت اور ان کا رعب داب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی تلک الغزاۃ وبلغہ الذی قال عتبۃ[1]۔ ایک اور موقع پر لکھتے ہیں[2] وکان عمر لا یخفی علیہ شئ فی عملہ۔

پرچہ نویسوں کا انتظام

اس انتظام سے حضرت عمر یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بد اعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کرتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی ایران کی فتوحات میں عمرو معدیکرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہدیا تھا، فوراً حضرت عمر کو خبر ہوئی اور اسی وقت انھوں نے عمرو معدیکرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر انکو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جنکا استقصا نہیں ہو سکتا۔

صیغۂ تعلیم

حضرت عمر نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کیے تھے جن میں قرآن مجید۔ اخلاقی اشعار، اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء

---

[1] طبری صفحہ ۲۲۱۸ [2] طبری صفحہ ۲۵۲۶۔

صحابہ، اضلاع میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لیئے مامور کیئے تھے۔ مُدرّسین اور معلّمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چُونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی اس لیئے اسکا ذکر تفصیل کے ساتھ "صیغۂ مذہبی" کے بیان میں آئیگا۔

صیغۂ مذہبی

خلافت کی حیثیّت سے حضرت عمر کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمر کے کارناموں کا طُغرا یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ استغراق فی العبادۃ۔ صفائے قلب، قطع علائق، خضوع و خشوع۔ یہ چیزیں کسی محسوس اور مادّی سررشتۂ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اسلیئے نظامِ حکومت کی تفصیل میں ہم اسکا ذکر نہیں کرسکتے اسکا ذکر حضرت عمر کے ذاتی حالات میں آئیگا۔ البتہ اشاعتِ اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجرا، اس قسم کے کام انتظام کی تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر نے اُن کے متعلق جو کچھ کیا اُسکی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام تھا۔ اشاعتِ اسلام کے یہ معنے نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مُسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اُس کے خلاف ہوگا، حضرت عمر نے خود ایک موقع پر یعنی جب اُن کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین[1]

اشاعتِ اسلام کے یہ معنے ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام

---

[1] یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے، دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۴۹ مطبوعۂ حیدرآباد ۱۲

کے اُصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر جس مُلک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے اُن لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اُصول و عقائد سمجھائے جائیں چنانچہ فاتح ایران، سعد وقاص کو جو خط لکھا اُسمیں یہ الفاظ تھے وقد کنت امرتك ان تدعوا من لقیت الی الاسلام قبل القتال۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کا معمول تھا کہ جب اُن کے پاس کوئی فوج مُہیا ہوتی تھی تو اُنپر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا[1]، یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں، کے لیے علم وفقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی شام وعراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں اُنھوں نے کس خُوبی اور صفائی سے اسلام کے اُصول و عقائد اُن کے سامنے بیان کیے۔

اشاعتِ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمر کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اسکی بڑی وجہ یہی تھی کہ اُنھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مُسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنادیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس مُلک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ اُن کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دُنیا کی تسخیر کو اُٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا اِس طرح جب لوگوں کو اُن کے دیکھنے اور اُن سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مُسلمان۔ سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش، اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام اُن میں گھر کرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج، ابو عبیدہ کی فوج میں جاکر کس اثر

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۔

سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعتہ قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا۔ مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا[1]۔

اشاعت
کے اسبا

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پرزور قوموں کا قدم اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کیے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بیفائدہ ہے۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اسکو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی، تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بیکار ہے[2]۔ ابورجا فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ وہ قادسیہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اسوقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ "تکلے ہیں"۔ لیکن انہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی"۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ رومیوں کی سلطنت ہو چکی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ[3]۔

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جسقدر ان کا میلان ایک نبی عربی

---

[1] تاریخ مقریزی صفحہ ۲۲۶ میں ہے فخرج شطا فی الفین من اصحابہ ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک یحب الخیر و یمیل الی ما یسمعہ من سیرۃ اہل الاسلام ۱۲

[2] طبری واقعات جنگ فارس ۱۲

[3] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۹۔

کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جسقدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے، یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جسقدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جسکا نام اور کون تھا حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا[1] ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیرؤوں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جسکی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

عجم
میں
اسلام

سنہ ۱۶ھ کے اخیر میں جب **جلولا** فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا، اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے اُن کے یہ نام ہیں جمیل بن بصبہری۔ بسطام بن نرسے۔ رفیل۔ فیروز[2]۔ ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے اُن کی عایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج، جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی۔ اور اسپیشل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کُل کی کُل مسلمان ہوگئی[3]۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جسکا نام **سیاہ** تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اُس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کیے اور اصطخر کو روانہ کیا، یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے

---

[1] معجم البلدان ذکر قطرہ سماں [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۵ [3] فتوح البلدان صفحہ ۳۸۔

اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں، تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا، ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کرکے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے، اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کرلیں، چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہوگئے[1]، یہ لوگ اساورۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورۃ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیابجۃ۔ زط۔ اندغار بھی مسلمان ہوگئے۔ یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہوکر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلا، عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑے تھے گرفتار کرکے لونڈی غلام بنایا، اور وہ فروخت ہوکر تمام عرب میں پھیل گئے، تو حضرت عمر نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے اُن کو واپس لے کر مصر بھیجدیا اور لکھ بھیجا کہ اُن کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ چنانچہ ان میں سے قصبۂ بلہیب کے رہنے والے کُل کے کُل اپنی خواہش سے مسلمان ہوگئے[2]۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارۃ اور ورادۃ سے لے کر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا[3]۔

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہوگیا[4]۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۴ [2] تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اول [3] مقریزی صفحہ ۱۸۴ ایضاً ولما فتح المسلمون الفرما بعدها فتح دمياط وتنيس ساروا الى بقارة فاسلم من بها وساروا منها الى الواردة فدخل اهلها فى الاسلام وما حولها الى عسقلان [4] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۲۶

فسطاط جسکو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جسکی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلّے تھے۔ جہاں زیادہ تر نومسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلّہ بنو نبہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا، مصر کے معرکہ میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اسقدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلہ روبیل کے نام سے آباد تھا، یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے، یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا، مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے[1]۔

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نومسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم، شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا، مورخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے[2]۔ مورخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں "تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں"۔ مورخ طبری نے سنہ ۱۴ھ کے

---

[1] اسکے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۲۹۸ جلد اول میں ہے ۱۲

[2] بلاذری صفحہ ۵۔

واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہلِ عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے[1]

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مُبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعتِ اسلام کے بعد اُصول مذہب اور اعمالِ مذہبی کی ترویج تھی یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے اِن کا محفوظ رکھنا، اور اُن کی اشاعت، اور ترویج کرنی۔ اس سلسلہ میں سب سے مقدّم **قرآن مجید کی حفاظت**، اور اسکی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمرؓ نے اِس کے متعلق جو کوششیں کیں اُن کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن مے خواند از طوائفِ مسلمین، منّتِ **فاروق اعظم** در گردن اوست"۔

حضرت قرآن جمع و جو کو

یہ مُسلّم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا۔ ترتیب دینا۔ صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا۔ تمام ممالک میں اسکی تعلیم کو رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجّہ سے ہوا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ جناب رسول اللہؐ کے عہد تک قرآن مجید مُرتّب نہیں ہوا تھا، متفرق اجزا متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر، کچھ کھجور کے پتّوں پر، کچھ پتھر کی تختیوں پر، لوگوں کو پُورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سُورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذّاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہؓ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفّاظِ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ "اگر اسی طرح حفّاظِ قرآن اُٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہیگا"، اس لئے ابھی سے اُسکی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئیے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "جو کام رسول اللہؐ نے نہیں کیا میں کیونکر کروں"۔ حضرت عمرؓ نے بار بار اسکی مصلحت اور ضرورت بیان کی، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ ان کی

---

[1] طبری صفحہ ۲۲۶۱۔

رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کیے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمر نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ سے سیکھا ہو میرے پاس لیکر آئے۔ احتیاط کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اسپر دو شخصوں کی اور شہادت لیجاتی تھی کہ ہم نے اسکو آنحضرتؐ کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے۔ سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے، نگران لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید۔ مضر ہی کی خاص زبان میں اترا ہے[1]۔

ن مجید
فاظت
ت
اظ و
ب کی
یر میں

اسوقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اسکی تعلیم شائع کیجائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادیے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہوکر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمر نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھکر ممکن نہ تھا

ن مجید کی
م انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کرکے انکی تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انھوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں[2]۔ تنخواہیں اسوقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں مثلاً خاص مدینہ منورہ

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۷۹ اور اتقان ۱۲

[2] سیرۃ العمرین لابن الجوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن العفان کان یرزقان المودنین والائمۃ والمعلمین۔

مکاتب قرآن

میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کیلئے جو مکتب تھے اُن کے معلموں کی تنخواہیں ۱۵-۱۵ درہم ماہوار تھیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کیلئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر کی چنانچہ ایک شخص کو جسکا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جسکو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اُسکو سزا دے[1]۔

بدوؤں کو جبری تعلیم

کتابت کی تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھلایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیجدیے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں اُنکی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجکو مکتب میں بٹھایا گیا معلّم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں[2]"

قرا صحابہ کا تعلیم قرآن کے لیے دور دراز ممالک میں جانا

صحابہ میں سے ۵ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرتؐ ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا، معاذ بن جبل۔ عبادۃ بن الصامت۔ ابی بن کعب۔ ابو ایوب۔ ابو الدرداء۔ ان میں خاص کر ابی بن کعب سید القراء تھے اور خود آنحضرتؐ نے اس باب میں اُن کی مدح کی تھی حضرت عمرؓ نے اِن سب کو بلا کر کہا کہ "شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجیے"۔ ابو ایوب ضعیف اور اُبیّ بن کعب بیمار تھے، اِس لیئے جا نہ سکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو آدمیوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادۃ نے وہیں قیام کیا اور ابو درداء دمشق۔ اور معاذ بن جبل، فلسطین کو روانہ ہوئے معاذ بن

---

[1] اغانی جز ۱۶ صفحہ ۵۰۔ اصابہ فی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے ۱۲

[2] معجم البلدان لفظ حاضر۔ معجم میں اس روایت کو حضرت ابوبکر کے عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے ۱۲

جبل فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل نے طاعون عمواس میں وفات پائی لیکن ابو الدرداء حضرت عثمان کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے ابو الدرداء کا طریقہ تعلیم جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابو درداء دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے۔ خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب العلم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو درداء خود اسکو اپنی شاگردی میں لیتے تھے ایک دن ابو درداء نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب العلم اُن کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

یم قرآن
طریقہ

ن کی مسجد
طلبہ قرآن
تعداد

حضرت عمر نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لیے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کیے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ۔ نساء۔ مائدہ۔ حج۔ نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اسقدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ انہیں احکام اور فرائض مذکور ہیں۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں اُن کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں (بعد کو جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا) اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھکر بھیجا کرتے تھے اُن میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ اِن تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد بھی سیکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیجدو تاکہ میں انکو قرآن کی تعلیم کے لیے جابجا بھیجوں تو سعد وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں۔

اشاعت قرآن
اور وسائل

حافظوں کی
تعداد

سلہ یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۱ میں بحوالہ اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے ۱۲ سلہ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۴ سلہ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷ —

سلہ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷ —

صحا
کی تدیہ

تیسرا امر یعنی صحتِ اعراب و صحتِ تلفظ، اس کے لیے بھی نہایت اہتمام کیا اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآنِ مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا اس لیے صرف قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحتِ اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا۔ حضرت عمر نے اس کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحتِ الفاظ و صحتِ اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ اُن کے خاص الفاظ بروایت ابن الانباری یہ ہیں۔ تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلموا القرآن

ادب ا
عربیت
تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تا کہ لوگ خود اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔[1]

حدیث کا

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمر نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگوں کو روایتِ حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "چنانکہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو درداء را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکنند۔[2]" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر نے روایتِ حدیث کے متعلق جو اصول قائم کیے تھے وہ اُن کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن اُن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اُن کے ذاتی حالات میں، اُن کے فضل و کمال کا

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۸ [2] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۶۔

جہاں ذکر آئیگا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لیے حضرت عمر نے اسکو اسقدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے، یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں، مسائل فقہیہ کی ترویج کے لیے جو تدبیریں اختیار کیں حسب ذیل ہیں۔

مسائل فقہ کی اشاعت

(۱) جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے، جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اسمیں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمر نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کیے[۱]۔ اسیطرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پراثر خطبے پڑھے انمیں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کیے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لیے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہا نے اسکو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے میں جا بجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھکر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جسکی تعیین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اسکی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابو موسے اشعری کو جو تحریر بھیجی اسکو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے' دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے[۲] سنہ ۲۱ھ میں جب نماز

---

[۱] موطا امام محمد صفحہ ۲۲۷ [۲] موطا امام محمد صفحہ ۱۲۹-

تراویح، جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری اور دیگر افسران ملکی کے پاس بھیجے اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هٰذَا كِتَابُ الصَّدَقَةِ۱۔ قضا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی تھی اُسکو ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، حضرت ابو عبیدہ کو ایک دفعہ لکھا کہ "میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں، لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں"۔ روزہ کے متعلق تمام عمّال کو تحریری حکم بھیجا کہ لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُسَوِّفِينَ لِفِطْرِكُمْ زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ اِنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَصُوْمُ تَطَوُّعًا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا۔ ابو وائل کے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ہم لوگوں کو لکھا کہ اِنَّ الْاَهِلَّةَ بَعْضُهَا اَكْبَرُ مِنْ بَعْضٍ، اس طرح کی اور بہت سی بیشمار مثالیں ہیں۔

مسائل
میں ا

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمر فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مسائل جنمیں صحابہ کا اختلاف تھا اُن کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرا لیا، مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِي السَّارِقِ فَاَجْمَعُوْا اِلخ غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی، لوگوں نے مختلف رائیں دیں، اُسوقت فرمایا اَنْتُمْ اَصْحَابُ بَدْرٍ وَقَدِ اخْتَلَفْتُمْ فَمَنْ بَعْدَكُمْ اَشَدُّ اخْتِلَافًا یعنی جب آپ لوگ

---

۱ کتاب مذکور صفحہ ۱۰۶۔

اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آیندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور اُن کی رائے قطعی پاکر شائع کی گئی[1]۔ جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک متفق بات طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہوگیا۔

ال فقیہہ
ل اجماع

(۳) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اسکا اعلان کر دیا تھا۔ ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے اِنِّیْ اُشْھِدُکُمْ عَلٰی اُمَرَاءِ الْاَمْصَارِ اِنِّیْ لَمْ اَبْعَثْھُمْ اِلَّا لِیُفَقِّھُوا النَّاسَ فِیْ دِیْنِھِمْ۔ یعنے میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں[2]۔ یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اسکا لحاظ کیا جاتا، قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ اِذَا اجْتَمَعَ اِلَیْہِ جَیْشٌ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ بَعَثَ عَلَیْھِمْ رَجُلًا مِنْ اَھْلِ الْفِقْہِ وَالْعِلْمِ یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ۔ سلمان فارسی۔ ابو موسیٰ اشعری، معاذ بن جبل وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر اِن کا نام آتا ہے۔

ہبی تعلیم
کا انتظام

(۴) تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متعین کیے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں مورخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے اِن معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبد اللہ بن مغفل کے حال میں صاحب اسد الغابۃ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ اُن دس

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۸۰۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

بزرگوں کے ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں[1]" عمران بن الحصین جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے اُن کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں وَکَانَ مِمَّنْ بَعَثَهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلٰی اَهْلِ الْبَصْرَۃِ لِیُفَقِّهَهُمْ یعنے یہ اُن لوگوں میں ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ عبد الرحمٰن بن غنم کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اِن کو تعلیم فقہ کے لیئے شام بھیجا تھا، اور صاحب اسد الغابہ نے ان ہی کے حالات میں لکھا ہے کہ "یہی وہ شخص ہیں جنھوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھلائی"، عبادۃ بن الصامت کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے اُن کو اور معاذ بن جبل اور ابو درداء کو شام میں بھیجا تا کہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں حبان بن ابی جبلۃ کی نسبت لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ نے اُن کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا"

اِن فقہاء کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقینِ علم نہایت کثرت سے اُن کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے، ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے، لیکن جب اُن کو کسی مسئلے میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے، میں نے لوگوں سے اُس نوجوان کا نام پوچھا، تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبل ہیں[2]" لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء جب مسجد میں آتے تھے تو اُن کے ساتھ لوگوں کا اسقدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہی اور یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے۔[3]

---

[1] اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرۃ الذین بعثهم عمر الی البصرۃ یفقهون الناس [2] تذکرۃ الحفاظ ذکر معاذ بن جبل ۱۲

[3] تذکرۃ الحفاظ ذکر ابو درداء ۱۲

ی رواں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا

بعد کی
ـے سار

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا مثلاً معاذ بن جبل - ابودردا ، عبادہ بن صامت - عبدالرحمن بن غنم عمران بن حصین عبداللہ بن مغفل - تمام جماعت اسلام میں انتخاب تھے ، ان کی تصدیق کے لیے اسدالغابۃ اور اصابۃ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہییں - ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا مجاز نہ ہو - مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لیے جاتے تھے، چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں

مصد کی
کا مجاز

"معہذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نبود - در جمیع این امور شنہ زدند نے فتند و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نمے ساختند - لہذا درین عصر اختلاف مذاہب و تشتت آرا واقع نشد ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع، چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد و خلافت عامہ ظہور نمود، علما در ہر بلدے مشغول بافادہ شدند - ابن عباس در مکہ فتوے می داد - و عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت مے نمایند - و ابوہریرۃ اوقات خود را بر اکثار روایت حدیث مصروف میسازد، بالجملہ درین ایام اختلاف فتاوے پیدا شد یکے را بر رائے دیگرے اطلاع نہ و اگر اطلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ، و اگر مذاکرہ بمیان آمد ازاحت شبہہ و خروج از مضیق اختلاف بفیصلہ اتفاق میسر نہ، اگر تتبع کنی روایت علمائے صحابہ کہ پیش از انقراض خلافت خاصہ از عالم گذشتہ اند بغایت کم یابی، و جمعے کہ بعد ایام خلافت ماندہ اند ہر چہ روایت کردہ اند بعد ایام خلافت خاصہ روایت

کردہ اند۔ ہمچنیں جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم امّا در میان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق بائن السموات والارض ست۔"

عملی انتظام

یہ تمام اُمور جنکا اُوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کیے، ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کیے۔ اور بیت المال سے اُن کی تنخواہیں مقرر کیں، علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ مؤطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لیئے خاص اشخاص مقرر تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منا میں عقبہ کے پار پہنچا آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھیر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھیرنا مناسکِ حج میں محسوب نہ تھا۔

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہدِ خلافت میں متصل ۱۰ حج کیے اس لیئے میر حاج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالکِ مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابو موسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد۔ اور باقی ہر قبیلہ کے لیئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کیجائیں" سعد وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمّال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کیجائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی **جوامع عمری** کے نام سے مشہور ہیں گو اُن کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی ہے۔ ایک **جامع عمری** میں جو بیروت میں واقع ہے

عہ ازالۃ الخفا جزو دوم صفحہ (۱۴۰) سہ۱ موطا امام محمد صفحہ ۲۸۶ سہ۲ موطا امام محمد صفحہ ۲۲۹ سہ۳ تاریخ مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۴۶۔

راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں"، یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

م محترم کی
وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لیے سنہ ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی، اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لیے اسکی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ بھی کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے[1]۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی [2]نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ اور ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے اس لیے حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اسکی تجدید کی۔ صحابہ میں سے جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخرمہ بن نوفل، ازہر بن عبد عوف، حویطب بن عبد العزیٰ۔ سعید بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کیئے گئے۔

دنبوی
امرمت
دروسعت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لیئے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے

---

[1] الاحکام السلطانیۃ للماوردی صفحہ ۱۵۸۔ و فتوح البلدان صفحہ ۴۶۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۔

نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے اُسکو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دیکر لے لیے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ اس کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعبؓ کے پاس گیا۔ اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لیے دیدیتا ہوں۔ غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جسقدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز کا تھا اُنھوں نے ۱۴۰ گز کر دیا اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا آنحضرتؐ کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے۔ اب بھی لکڑی کے رہے، حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جسکو بات چیت کرنی، یا شعر پڑھنا ہو اُس کے لیے یہ جگہ ہے۱؎

مسجد نبوی
در وسعت
اسلام

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا، اسکی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی، یعنی اُن کی اجازت سے **تمیم داری** نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا، جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مؤذن کو حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور اُن کے کپڑے بساتا تھا۲؎۔ فرش کا انتظام بھی اوّل حضرت عمرؓ ہی نے کیا لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک

۱؎ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳۔ ۲؎ خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۷۴۔

ہیں نہ آلودہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی محکموں کا حال اوپر گزر چکا، لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لیے جدا جدا عنوان نہیں قائم کیے جاسکتے اس لیے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا

انہیں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب ہے، اسکی ضرورت سے سن اور سال کا قائم کرنا ہے حضرت عمر سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا، عام واقعات کے یاد رکھنے کے لیے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے، مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سن قائم ہوئے۔ حضرت عمر نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے

سنہ ہجری مقرر کرنا

اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۶ھ میں حضرت عمر کے سامنے ایک چک پیش ہوئی جس پر صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا، حضرت عمر نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ۔ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کیجائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لاکر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا، اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اسکو ماہ روز کہتے ہیں اور اسمیں مہینہ اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے، اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے، حضرت علی نے ہجرت نبوی کی رائے دی، اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا آنحضرت نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے، اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال، محرم سے شروع ہوتا ہے اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا[1]

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۴۴

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا، چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلہ میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے، یہاں تک کہ جب سنہ ۱۴ھ میں اُبلّہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جسکو حساب کتاب آتا ہو اور جو مالِ غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلے میں اُسکی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرّر کی[1]۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصّل کاغذات اور نقشے تیّار ہوئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پُر پیچ، روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہلِ عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں، اُن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی، مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے، پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جُدا رجسٹر تھا، اور اُن میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی، اس صیغے کے حساب کتاب کی درستی کے لئے حضرت عمر نے بڑے بڑے، قابل لوگوں کو مامور کیا مثلاً دار الخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم کو، بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبد اللہ بن خلف کو

دفتر خراج

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اسقدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کا عمدہ حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحّت سے مرتّب رہتا تھا، زکوٰۃ و صدقہ میں جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلّق تھے چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتّب تھے، جانوروں کا حلیہ، رنگ، اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت خود حضرت عمر اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے[2]۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۳۸۸ [2] طبری ۲۷۳۶۔

مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب، ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت خالد کی پہلے معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے[1]۔ جلولا کی فتح میں جو ۱۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا[2]۔

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے، چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال، مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صنفوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے، مثلاً سعد وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جسقدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کیجائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اسکا ذکر کسی اور موقع پر آئیگا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جسقدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتا تھا۔

۴ کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اسوقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اسکو لپیٹ کر رکھتے تھے، بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ، خلیفہ **سفاح** کے زمانے میں اسکے وزیر خالد **برمکی** نے ایجاد کیا۔

سکہ[3] کی نسبت اگرچہ عام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے، لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ تذکرہ خالد بن الولید [2] طبری صفحہ ۲۴۶۵ [3] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۵

موجد بھی عمر فاروق ہی ہیں ۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں

” جب امیر المؤمنین عمر خلیفہ ہوئے اور خدا نے اُن کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا، تو انھوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہیں دیا، بلکہ پرانے سکے جو جاری تھے بحال رہنے دیے ؁۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے ۔ سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفرا آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے، احنف نے باشندگانِ بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں، حضرت عمر نے اُن کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا، جنھوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جسکا نام نہرِ معقل ہے، اور جسکی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اِذَا جَآءَ نَهْرُ اللهِ بَطَلَ نَهْرُ مَعْقِلٍ، حضرت عمر نے اسی زمانہ میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لیے ایک جریبِ غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کیے ۔ اسی زمانے میں حضرت عمر نے اپنے سکہ کے درہم جاری کیے، جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر کے سکوں پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور بعض سکوں پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ اور بعض پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لکھا ہوتا تھا، حضرت عمر کے اخیر زمانے میں دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا ۔[51]

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اسقدر عموماً مسلّم ہے کہ حضرت عمر نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی ۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیۃ میں لکھا کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے، بغلی آٹھ دانگ کا ۔ طبری چار دانگ کا ۔ مغربی تین دانگ کا ۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ بغلی ۔ اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لیے دونوں کو ملا کر انکا نصف، اسلامی درہم قرار دیا جائے چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا ۔[52]

---

[51] دیکھو کتاب النقود الاسلامیۃ للمقریزی مطبوعہ مطبع جوائب ؁۱۲۹۸ھ صفحہ ۴ و ۵ ۔

[52] الاحکام السلطانیۃ للماوردی صفحہ ۱۴۷ ۔

ذمی[1] رعایا کے حقوق

سلطنتوں کا سلوک غیر قوموں کے ساتھ

۱ حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے اُسکا مقابلہ اگر اُس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں، ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم اُنکو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے، اور مالکِ سابق کو اُن پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے، یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے اُن پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا، کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے، اور وہ حقوق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے اُن کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمرؓ نے جب اِن ممالک کو زیرِ نگیں کیا تو دفعتہ وہ حالت بدل گئی، جو حقوق اُن کو دیئے گئے اُس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے، بلکہ اِس قسم کا تعلق رہگیا جیسا دو برابر کے معاملہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم اُن کو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں، جس سے اِس دعوے کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملیگا کہ یورپ نے باایں ہمہ دعوے تہذیب، اِس قسم کے حقوق کبھی غیر قوموں کو دیئے ہیں؟ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں اُنمیں بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں، کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویلِ مُحمل کا باعث تھا اِس لیئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیدیا گیا ہے، بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں

---

[1] ذمی سے وہ اقوام مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں۔

اور اُن سے ان الفاظ میں لکھا گیا جسب ذیل ہے

هذا ما اعطى عبد الله عمر امير المؤمنين
اهل ايليا من الامان اعطاهم امانا
لانفسهم واموالهم ولكنائسهم وصلبانهم
وسقيمها وبريئها وسائر ملتها انه لا
تسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقص منها
ولا من حيزها ولا من صليبهم و
لا من شيء من اموالهم ولا يكرهون على دينهم
ولا يضار احد منهم ولا يسكن بايلياء
معهم احد من اليهود - وعلى اهل ايلياء
ان يعطوا الجزية كما يعطي اهل المدائن و
عليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوت
فمن خرج منهم فهو امن على نفسه وماله حتى
يبلغوا مامنهم ومن اقام منهم فهو امن و
عليه مثل اهل ايلياء من الجزية ومن احب من
اهل ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلي
بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا مامنهم وعلى
بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا مامنهم وعلى
ما في هذا الكتاب عهد الله وذمة رسوله و

بیت المقدس کا معاہدہ

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا
کے لوگوں کو دی۔ یہ امان اُنکی جان، مال، گرجا، صلیب،
تندرست، بیمار اور اُن کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے،
اس طرح پر کہ اُن کے گرجاؤں میں نہ سکونت کیجائیگی نہ وہ ڈھائے
جائیں گے نہ اُنکو نہ اُن کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائیگا۔
نہ اُن کی صلیبوں اور اُن کے مال میں کچھ کمی
کی جائے گی، مذہب کے بارے میں اُن پر
جبر کیا جائے گا نہ اُن میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائیگا
ایلیا میں اُنکے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے ایلیا والوں پر
یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو
نکال دیں ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلیگا اُسکی جان اور
مال کو امن ہے۔ تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو
ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرے تو اُسکو بھی امن ہے اور اُسکو جزیہ
دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور
مال لیکر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو اُن کو اور
اُن کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک
کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر
میں ہے اُس پر خدا کا، رسول خدا کا، خلفاء کا، مسلمانوں کا،

وذمۃ الخلفاء وذمۃ المؤمنین اذا اعطوا الذی	ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیۂ مقررہ ادا کرتے رہیں
علیہم من الجزیۃ شہد علی ذلک خالد	اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو بن العاص
بن الولید وعمرو بن العاص وعبد الرحمن بن	اور عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان
عوف ومعاویۃ بن ابی سفیان وکتب وحضر سنہ ۱۵ھ[۱]	اور سنہ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال، اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہیگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جسقدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑے جائیں گے نہ اُنکی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ نہ اُن کے احاطوں میں دست اندازی کیجائیگی، مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرھون علی دینھم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا اس لیئے اُن کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ **یونانی** باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے تاہم اُن کے لیئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں، کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں، اور نکلنا چاہیں تو نکل جا سکتے ہیں، دونوں حالتوں میں اُن کو امن حاصل ہوگا اور اُن کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا، سب سے بڑھکر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکلکر رومیوں سے جا ملیں تو اسپر بھی اُن سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا بلکہ اُن کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے"۔ کیا کوئی قوم مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

---

[۱] دیکھو تاریخ ابوجعفر جریر طبری فتح بیت المقدس۔

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو، مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا، کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر، فوراً اس کے بدلے، مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے، امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیدیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جسکا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اس نے اسکو قتل کر ڈالا[1]۔ مال اور جائداد کے متعلق ان کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جسقدر زمینیں ان کے قبضہ میں تھیں اسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے انکے قبضے میں تھیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصلِ ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

بندوبست مالگذاری میں ذمیوں کا حال

مالگذاری جو مشخص کیگئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی اسپر بھی حضرت عمر کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو ۱۰ اشخص کوفہ اور ۱۰ اشخص بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمر ان سے چار دفعہ بتاکید قسم لیتے تھے کہ مالگذاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے[2]۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسرانِ بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی[3]۔

ذمیوں سے ملکی معاملات میں مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ انتظاماتِ ملکی میں انکو حصہ دیا جائے، حضرت عمر ہمیشہ اُن انتظامات میں جنکا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورہ اور استصواب

---

[1] الدرایۃ فی تخریج الہدایۃ مطبوعہ دہلی، صفحہ ۳۶۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۵ [3] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ میں ہے قال شہدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث او اربع واقفا علی حذیفۃ بن الیمان وعثمان بن حنیف وهو یقول لهما لعلکما حملتما الارض ما لا تطیق ۱۲

کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بندوبست جب پیش تھا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مال گزاری کے حالات دریافت کیئے مصر میں جو انتظام کیا اُسمیں مقوقس سے اکثر رائے لی۔ جان و مال و جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اُن کی پابندی کی جاتی تھی، شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہلِ فوج نے اُسکی زرعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمر نے بیت المال سے ۱۰ ہزار درہم اُسکو معاوضے میں دلوائے[۱] اضلاع کے حکّام کو تاکیدی فرمان بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے، خود بالمشافہ لوگوں کو اسکی تاکید کرتے رہتے تھے۔[۲] قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر جب شام سے واپس آرہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور اُن کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے، لوگوں سے پُوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ اِن لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اس لیئے انکو سزا دیجاتی ہے حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آخر اِن کا عذر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "ناداری" فرمایا کہ "چھوڑ دو اور ان کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ لا تعذبوا الناس فانّ الذین یعذبون الناس فی الدّنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں اُن کو عذاب پہنچائیگا"۔ حضرت ابو عبیدہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اُسمیں یہ الفاظ تھے۔

وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار بھم و اکل اموالھم الا بحلھا ووفّ لھم بشرطھم الذی شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم[۳]	مُسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں نہ انکو نقصان پہنچانے پائیں نہ اُن کا مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس قدر شرطیں تم نے اُن سے کی ہیں سب وفا کرو۔

---

[۱] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۰، [۲] کتاب الخراج صفحہ ۶۸، [۳] کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کے لیے ایک مفصّل وصیّت فرمائی تھی، اس وصیت کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ اور بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے، اُسکا اخیر فقرہ یہ ہے

واوصيه بذمة الله وذمة رسوله ان يوفى لهم بعهدهم وان يقاتل من ورائهم وان لا يكلفوا فوق طاقتهم۔[1]	یعنی میں اُن لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جنکو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمّی) کہ اُن سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور اُنکی حمایت میں لڑا جائے اور اُن کو اُنکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ مرتے وقت بھی ذمیّوں کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے اُن کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلعم کو گالی دی، غرفہ نے اُس کے مُونھ پر تھپڑ کھینچ مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جاکر شکایت کی انھوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور بازپرس کی، غرفہ نے واقعہ بیان کیا، عمرو بن العاص نے کہا "ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہوچکا ہے" غرفہ نے کہا "نعوذ باللہ اُن کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی ہے کہ رسول اللہ کو علانیہ گالیاں دیں۔ اُن سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں، اور اگر اُن پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم اُن کی طرف سے سینہ سپر ہوکر لڑیں، اور اُن پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جسکے وہ متحمل نہ ہوں، عمرو بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے[2]" اِس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کسقدر خیال رکھا جاتا تھا۔

مذہبی آزادی

مذہبی اُمور میں ذمیوں کو پُوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے، علانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے، اُنکے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے، مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ میرٹھ [2] اسد الغابۃ تذکرہ عرفہ۔

بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرا عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سنہ ۲۰ھ میں اُسکو تحریری امان لکھکر بھیجی وہ نہایت ممنون ہوکر آیا اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اُسکو نصیب ہوئی چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب صفحہ ۴۹۲ جلد اول میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور معاہدات میں اور اُمور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اسمیں یہ الفاظ تھے۔

لا يغيرون عن ملة ولا يحال بينهم وبين شرائعهم[1]	انکا مذہب بدلا نہ جائیگا اور اُن کے [illegible] امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائیگی۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لهم الامان على انفسهم واموالهم وملتهم وشرائعهم ولا يغير من شئ من ذلك[2]	اُن کے جان اور مال اور مذہب شریعت کو امان ہے اور ان میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائیگا۔

آذربائیجان کے معاہدے میں یہ تصریح تھی۔

الامان على انفسهم واموالهم وملتهم وشرائعهم[3]	جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

الامان على اموالهم وانفسهم وملتهم وشرائعهم	جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے انکا یہ فرض تھا، لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا، ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے، کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا استق انکا ایک عیسائی غلام تھا، اُسکو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب

---

[1] طبری صفحہ ۲۶۳۳ [2] طبری صفحہ ۲۶۵۵ [3] طبری ۲۶۶۲

اُس نے انکار کیا تو فرمایا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے[1]۔

مُسلما
وذمّا

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی، کوئی مُسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بیدریغ اُسکے قصاص میں قتل کردیا جاتا تھا مُسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے، ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا اس کے مقابلے میں مُسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کیجاتی تھی جسکی مقدار دونوں سے زیادہ تھی اس کے سوا عشور مُسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا البتہ اُسکی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی بیت المال سے والنٹروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اُسمیں برابر کے شریک تھے، سب سے بڑھ کر یہ اور درحقیقت صرف اِسی ایک مثال سے اِس بحث کا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مُسلمان اپاہج اور ضعیف ہوجاتا تھا اور محنت ومزدوری سے معاش نہیں پیدا کرسکتا تھا بیت المال سے اُسکا وظیفہ مقرر ہوجاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مرعی تھی اول اول یہ قاعدہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مقرر ہوا چنانچہ خالد بن الولید نے حیرہ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اُسمیں یہ الفاظ تھے۔

وجعلتُ لهم ايما شيخ ضعف عن العمل	اور میں نے اُنکو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور
او اصابه آفة من الآفات او كان غنيا	ہوجائے، یا اُس پر کوئی آفت آئے یا پہلے دولتمند تھا غریب ہوگیا،
فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه	اور اسوجہ سے اُس کے ہم مذہب اُسکو خیرات دینے لگے تو اُسکا جزیہ
طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين	موقوف کردیا جائیگا اور اُس کو اور اُس کی اولاد کو مسلمانوں کے
وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام	بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں

---

[1] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد۔ جلد پنجم صفحہ ۴۹۔

فان خرجوا الی غیر دار الهجرة و دار الاسلام فلیس علی المسلمین النفقة علی عیالهم[۱]	ہے۔ لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اُس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔

یہ قاعدہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے اُسکو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْن (صدقہ اور خیرات، فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے) اسمیں فقرا کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، اور مجکو ادا کرنے کا مقدور نہیں" حضرت عمرؓ اُسکو ساتھ گھر پر لو لائے اور کچھ نقد دیکر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے، اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ "واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ اِن لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں انکو نکال دیں[۲]"۔

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اُسیقدر استحفاظ تھا جسقدر مسلمانوں کی عزت و ناموس کا، ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ **عمیر بن سعد** جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی اُن کا ہمسر نہ تھا ایک دفعہ اُن کے مونہہ سے ایک **ذمی** کی شان میں یہ لفظ نکل گیا اخزاک اللہ یعنے خدا تجکو رسوا کرے اسپر اُن کو اسقدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفا دیدیا اور کہا کہ اِس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی[۳]۔

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاو

---

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۸۵ [۲] کتاب الخراج صفحہ ۷۲ [۳] دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۳

کی تب بھی اُن کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آجکل جن حکومتوں کو تہذیب و ترقی کا دعوے ہے علانیا کے ساتھ اُن کی تمام عنایت اسیوقت تک ہے جب تک اُنکی طرف سے کوئی پولیٹیکل شبہہ نہ پیدا ہو ورنہ دفعتہً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدلجاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پُرغیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اُس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اسکے حضرت عمرؓ کا قدم کسی حالت میں جادۂ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا، شام کے آخری سرحد پر ایک شہر تھا جسکا نام عربسوس تھا اور جسکی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا لیکن یہاں کے لوگ در پردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں اُنکو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے اُنکی اس کینہ خصلت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ جسقدر اُنکی جائداد، زمین، مویشی، اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دیدو، اور اُن سے کہو کہ اور کہیں چلے جائیں، اگر اسپر راضی نہوں تو اُنکو ایک برس کی مہلت دو، اور اُس کے بعد جلاوطن کردو، چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی[1]۔ کیا آجکل کوئی قوم اس درگزر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اُسکا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکرگاہ میں مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل تیار کراتے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبررسانی کرتے تھے۔ یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن اُنہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حُسن سلوک کی وجہ سے جو خلوص پیدا ہو گیا تھا اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۷

جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لیکر کہا کہ "جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائینگے"۔ عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قسم تم رومیوں کے بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہمکو محبوب ہو"۔

اخیر میں ہمکو ان واقعات کی حقیقت بھی بتا دینا ضرور ہے جنکی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے، یا ہوسکتا ہے، کہ حضرت عمر نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ نا انصافانہ سلوک کیے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں، کمر میں زنار باندھیں، لمبی ٹوپیاں پہنیں، گھوڑوں پر کاٹھی کسیں، نئی عبادتگاہیں نہ بنائیں، شراب اور سور نہ بیچیں، ناقوس نہ بجائیں، صلیب نہ نکالیں، بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں، ان سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمر نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے، جلاوطن کر دیے۔

بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں، اور ہم ان کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے، کیونکہ ایک زمانہ ممتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دیے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے، لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا، لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی، آیا وہی ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یا حضرت عمر نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا۔ جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا بیان کر رہے ہیں وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ حضرت عمر کا معاہدہ جسکو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا ہے اگرچہ راویوں نے اسکو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے تاہم جہاں ذمیوں کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں

فلاں لباس پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں[51] و ان نلزم زینا حیث ما کنا یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آئے تھے۔

اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زنّار جسکا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے اُسکی نسبت ہمارے فقہا نے اکثر غلطیاں کی ہیں اُنکا خیال ہے کہ وہ اُنگل برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے زنّار کے معنی پیٹی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آجکل بھی اِسی معنی میں مستعمل ہے پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اِس لحاظ سے زنار اور منطقہ مرادف الفاظ ہیں، ان دونوں الفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے، کنز العمال[52] میں بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے سردارانِ فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا و تلزموا ھم المناطق یعنی الزنانیر اسی زنار کو کستیج بھی کہتے تھے چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنّار کے کستیج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہرحال اہلِ عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے۔ علامہ **مسعودی** نے کتاب التنبیہ[53] والاشراف میں لکھا ہے کہ عجم کی اِس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب مروج الذہب میں لکھی ہے۔ ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لیئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا، لمبی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں، وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں، جسکا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے، اس درباری لباس میں پیٹی بھی داخل تھی، اور یہ وہی زنّار یا منطقہ، یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی، منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مؤرخین عرب نے تصریح کی ہے، کہ عجم کی تقلید تھی، اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس، حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے لیئے قرار دیا تھا، وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور اُن کی تحقیر کے لیئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اُس کو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دیسکتا تھا۔

---

[51] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۰۲ [52] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲ [53] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۷۔

ذمیوں کو نئی عبادتگاہیں بنانے، شراب بیچنے، صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے، اصطباغ دینے سے، روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں بیباکانہ اس راز کی پردہ داری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے جاری کیے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مؤرخوں نے اُن قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا، اور اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

لیب اور
قوس کی
ت

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اُنمیں یہ قید تھی ولا یرفعوا فی نادی اهل الاسلام صلیبا[1] یعنے مُسلمانوں کی مجلس میں صلیب نکالیں۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نواقیسهم فی ای ساعة شاؤا من لیل او نهار الا فی اوقات الصلٰوة[2]۔ یعنی **ذمی** رات دن میں جسوقت چاہیں، ناقوس بجائیں بجز نماز کے اوقات کے، "سُور کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا یخرجوا خنزیرا من منازلهم الی افنیة المسلمین۔ یعنی **ذمی** سُور کو مُسلمانوں کے احاطہ میں نہ لیجائیں۔

اِن تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا۔ یا ناقوس بجانا، عمومًا منع تھا بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی، اور اِن خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جا سکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر بنی تغلب عیسائیوں کے اولاد کا اصطباغ نہ دینا ہے۔ عیسائیوں میں دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطباغ دیدیتے ہیں، اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آیندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائیں، بعینہ اس طرح جسطرح ہم مُسلمانوں میں بچّوں کا ختنہ کیا جاتا ہے، بے شبہ حضرت عمرؓ کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا، لیکن اُس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا، یعنی یہ کہ اگر کسی عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مُسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے، تو اُسکی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائیگی؟ یعنی وہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ [2] کتاب الخراج صفحہ ۸۶۔

مُسلمان سمجھی جائیگی یا اُن کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ اسکو اصطباغ دیکر عیسائی بنالیں۔ حضرت عمرؓ نے اس صورتِ خاص کے لیئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اُسکو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں، اور یہ حکم بالکل قرینِ انصاف ہے کیونکہ جب اسکا باپ مسلمان ہوگیا تھا تو اُسکی نابالغ اولاد بھی بظاہر مُسلمان قرار پائیگی علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائطِ صلح میں یہ الفاظ نقل کیئے ہیں علی ان لا ینصروا ولدا ممن اسلم اٰباءھم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہو گا کہ جن کے باپ مُسلمان ہو چکے اُن کی اولاد کو عیسائی بنا سکیں[1]۔ ایک اَور موقع پر یہ الفاظ ہیں[2]۔ ان لا ینصروا اولادھم اذا اسلم اباؤھم۔

یہاں شاید یہ اعتراض ہو، کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کرکے معاہدہ کو کیوں سخت کیا لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لیئے اُن کی خاص حالت کے لحاظ سے اُس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ علامہ طبریؒ[3] نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے یہ شرائط پیش کیئے تھے اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امنِ عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لیئے، عیسائیوں کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مُسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سُور نہ لائیں، خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں۔ نو مُسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں، تو کیا کوئی شخص اسکو تعصبِ مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے، کہ ہمارے پچھلے مؤرخوں نے اِن احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اُڑا دیا بلکہ قدما میں بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے، روایت میں اِن خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں ابن الاثیر وغیرہ نے اسکا کچھ خیال نہیں کیا، رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اسقدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سے نا یا

اصطبا
دیے

---

[1] طبری ۲۴۸۲ - [2] طبری ۲۵۱ [3] طبری صفحہ ۲۵۰۹

اس سے معمور ہوگئی۔ فقہا چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے اُنھوں نے بے تکلف انہی غلط روایتوں کو قبول کرلیا اور انپر فقہ کے مسائل تفریع کرلیے۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے میں مسلمانوں کیطرف سے صاف نہیں ہوئے۔ **خیبر** جب فتح ہوا تو ان سے کہدیا گیا تھا کہ جسوقت مناسب ہوگا تم کو یہاں سے نکال دیا جائیگا، حضرت عمر کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمر کو ایک دفعہ بالاخانے سے دھکیل دیا جس سے اُن کے ہاتھ میں زخم آیا، مجبوراً حضرت عمر نے عام مجمع میں کھڑے ہوکر اُنکی شرارتیں بیان کیں اور پھر اُن کو عرب سے نکال دیا[1]۔ چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی۔ یمن اور اُسکی اطراف میں رہتے تھے اور اُن سے کچھ تعرّض نہیں کیا گیا تھا، لیکن اُنھوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں، اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کیے۔ حضرت عمر نے صرف اس ضرورت سے اُن کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں[2]۔

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے، کہ عیسائی اور یہودی پولیٹیکل ضرورتوں کی وجہ سے جلاوطن کیے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کی رعایت اُن کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ **فدک** کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ اُن کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے، چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت عمر نے اُنکو بیت المال سے دلوادی[3]۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی، اُنکی زمین کی قیمت دلوائی[4]۔

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا، تو اُن کے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۵ و کتاب الخراج ۲۹ [2] کتاب الخراج صفحہ ۴۲ [3] فتوح صفحہ ۲۹ [4] فتوح صفحہ ۲۹

ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں، انکو امن کا جو پروانہ دیا، اسمیں یہ شرطیں لکھیں۔

عراق یا شام، جہاں یہ لوگ جائیں، وہاں کے افسر اُن کی آبادی اور زراعت کے لیئے انکو زمین دیں جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لیجائیں وہ انکی مدد کرے۔ ۲۴ مہینہ تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے[1]

ایک ایسی فوج جسکی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اُس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کیجا سکتی ہے۔

جزیہ کی

اَب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہمنے اِس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تین زبانوں (اُردو۔ انگریزی عربی) میں چھپکر شائع ہوچکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضرور ہے۔

جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کردیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمر کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہوگیا کہ احتمال کی بھی گنجایش نہیں رہی، اوّلاً تو انھوں نے نوشیرواں کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں، اور اِس طریقے سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے، اِس کے علاوہ موقع بموقع عملی طور سے اسبات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے، اِس کتاب کے پہلے حصّے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پُرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے، اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصّوں سے ہٹ آئیں اور اُن کو یقین ہوگیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کرچکے تھے یعنی حمص، دمشق، وغیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اَب وہ ذمّہ نہیں اُٹھا سکتے، تو جزیہ سے جسقدر رقم وصول ہوئی تھی، سب واپس کردی، اور صاف کہدیا کہ اِس وقت ہم تمھارے جان و مال کی حفاظت کے ذمّہ دار نہیں ہوسکتے

---

[1] فتوح صفحہ ۱۴۱۔

اس لیے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے، اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی اُن کو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے خود سنہ ۱۷ھ میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

یستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورہ ویرفعوا عنھم الجزاء[لہ]	یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اُس سے مدد لو اور اُنکا جزیہ چھوڑ دو"

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی تو اُس سال کا جزیہ اس کے لیے معاف کر دیا گیا۔ سنہ ۲۲ھ میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھدیا گیا[ٹہ]۔

ومن حشر منھم فی سنۃ وضع عنہ جزاء تلک السنۃ۔	یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے اُس سال کا جزیہ اُن سے نہیں لیا جائیگا"

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہربراز سے جو معاہدہ ہوا اسمیں یہ الفاظ تھے۔

وعلی اھل ارمینیۃ ان ینفروا لکل غارۃ وینفذوا لکل امر ناب او لم ینب رآہ الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء[سہ]

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

انّ لکم الذمۃ وعلینا المنعۃ علیٰ ان علیکم من الجزاء فی کل سنۃ علیٰ قدر طاقتکم ومن استعنا بہ منکم فلہ جزاءہ فی معونۃ عوضا عن جزائہ[کہ]	یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہو جائے گا۔

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال سے، معاہدوں سے، طرزِ عمل سے، روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا تھا کہ جزیہ کا موضوع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

[لہ] طبری صفحہ ۲۴۹۷، [ٹہ] طبری صفحہ ۲۶۶۲، [سہ] طبری صفحہ ۲۶۶۳، [کہ] طبری صفحہ ۲۶۶۵۔

جزیہ کا مصرف، فوجی مصارف پر محدود تھا، یعنی اُس رقم سے صرف اہلِ فوج کے لیئے خوراک، لباس، اور دیگر ضروریات مُہیا کی جاتی تھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اُس کے ساتھ جنس اور غلّہ بھی شامل کیا، مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہوں، روغن زیتون، شہد، سرکہ، لیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہوگیا تو کُل جزیہ کی مقدار نقدی کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار لیئے جانے لگے۔[۱]

غُلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا، اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے، تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ انھوں نے مختلف طریقوں سے اِس کے رواج کو کم کر دیا، اور جسقدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں، بلکہ برادری اور ہمسری رہگئی۔ عرب میں تو انھوں نے سرے سے اسکا استیصال کر دیا اور اسمیں اُنکو اسقدر اہتمام تھا کہ عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ، پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں سے جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اِس کے ساتھ یہ اُصول قائم کر دیا کہ اہلِ عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے، ان کا قول ہے کہ لا یسترق عربی۔ یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا[۲]۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فن نے ان کے اِس اُصول کو تسلیم نہیں کیا، امام احمد حنبل کا قول ہے کہ لا اذھب الی قول عمر لیس علی عربی ملک[۳] یعنی میں عمرؓ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہلِ عرب غلام نہیں ہو سکتے، یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔

عرب کا غلام
ہوسکتا

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے، جب کوئی مُلک فتح ہوتا تھا تو اہلِ فوج

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶ [۲] کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے دیکھو کتاب مکرر صفحہ ۲۱۳ جلد دوم [۳] سعی الاحصار الاثر تحقیق

ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا انکی غلامی میں دیدی جائے۔ ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عمر نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کی لیکن غلامی کے لیئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا، اس لیے وہ تمام اہلِ فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا، جسقدر ممالک اُن کے زمانے میں فتح ہوئے انکی وسعت کئی ہزار میل تھی جسمیں کروروں آدمی بستے تھے۔ لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے، اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک تھے، عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا، یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیجدئے گئے۔ تو حضرت عمر نے سب کو جابجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیجدیا کہ اُن کو غلام بنانا جائز نہ تھا، چنانچہ مؤرخ **مقریزی** نے اُن دہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے[1]۔

شام کے شہروں میں سے بصریٰ، فحل، طبریہ، دمشق، حمص، حماۃ، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور شور سے لڑے، غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے، جہاں اسیرانِ جنگ غلام بنائے گئے، فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھدیئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا، صامغان، جندی سابور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لا یسبوا یعنے وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے"۔

مناذر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیرانِ جنگ کو غلام بنا کر اُن پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن حضرت عمر کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج و جزیہ مقرر کرو[2]۔ ابو موسیٰ اشعری کو یہ حکم بھیجا

---

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اول

[2] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۷ -

کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے[1]۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا یعنی قانون قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی، یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی، چنانچہ مؤرخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کے اوّلیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جسکو مکاتبۃ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھدے کہ میں اتنی مدت میں اسقدر روپے ادا کر دوں گا، جب وہ زرِ معینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے، یہ قاعدہ خود قرآن مجید میں موجود ہے فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرًا لیکن فقہاء اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدہ کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمرؓ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی، انسؓ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا حضرت عمرؓ نے انسؓ کو دُرّے لگائے اور مذکورۂ بالا آیت سند میں پیش کی، آخر انسؓ کو مجبوراً ماننا پڑا۔

حضرت ... کا قصہ

اس موقع پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اسکا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں اُنکے بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندانِ شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں، ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دیجائیں اور اُس سے اُن کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لیجائے چنانچہ حضرت علیؓ نے خود اُنکو اپنے اہتمام میں لیا، اور ایک امام حسینؓ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن

---

[1] کنز العمال صفحہ ۳۱۲ جلد دوم۔

عمر کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جسکو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں، ربیع الابرار میں اسکو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کردی، لیکن یہ محض غلط ہے، اولاً تو زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ، وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا، اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے، اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا، مدائن کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا، مرو میں پہنچکر سنہ ۳۱ھ میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہی مارا گیا، اُسکی آل اولاد، اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے، مجکو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اسکے علاوہ جسوقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُسوقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ برس کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس سنہ ۱۷ھ میں فتح ہوا، اس لیئے یہ امر بھی کسقدر مستبعد ہے کہ حضرت علی نے اُنکی نابالغی میں کنیز اس قسم کی عنایت کی ہوگی، اسکے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی، اور حضرت علی نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہوسکتا حضرت عمر کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اُسمیں وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب و انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب ملکوں میں جاری ہے، عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی، تو اول بلبیس پر حملہ ہوا، سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے، اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جسکا نام ارمانوسہ تھا یہیں

مقیم تھی، وہ بھی گرفتار ہوئی، عمرو بن العاص نے اُسکو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیجدیا، اور مزید احتیاط کے لیئے اپنے ایک سردار کو جسکا نام قیس بن ابی العاص سہمی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے[1]۔

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے روکنے کے لیئے کیئے، لیکن جو لوگ غلام بنا لیے گئے تھے اُن کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی، فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا، کہ حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو اُن کے غلاموں کی بھی اُنہی کے برابر تنخواہ مقرر کی[2]، بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی اُنھوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا، اضلاع کے جو عمّال تھے اُنکی نسبت وہ اور اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ اُسکا برتاؤ کیسا ہے، چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا، تو صرف اِسی جرم پر اُسکو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ اکثر غلاموں کو بلاکر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سُنا کر کہتے تھے کہ "خدا اُن لوگوں پر لعنت کرے جنکو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے"۔ سردارانِ فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے، تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائیگی، اور فوج کو اُسکا پابند ہونا ہوگا، چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے اِنَّ عَبدَ المسلمین مِنَ المسلمین وَ ذمّتہ مِن ذمّتہم یجوز امانہ[3]

غلاموں کے لیئے جو بڑی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے بیٹا باپ سے چھوٹ جاتا تھا، بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی آج جو لوگ غلامی کی بُرائیوں پر مضامین لکھتے ہیں وہ اسی واقعہ کو دردانگیز صورت میں دکھاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا، کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جُدا نہ ہونے پائے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا، کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۴ [2] طبری صفحہ ۲۴۷۵ [3] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۶ -

کسی اور کی غلامی میں رہے، باپ بیٹے، بھائی بہن، ماں بیٹیاں، بکتی تھیں تو ساتھ بکتی تھیں، اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں، ساتھ رہتی تھیں۔ اس باب میں اُن کے جو احکام ہیں اُنکو کنز العمال میں مستدرک حاکم، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہیں۔

لا یفرق بین الاخوین اذا بیعا	یعنی جب دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے
لا تفرقوا بین الام وولدھا۔	یعنی بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے
لا یفرق بین السبایا واولادھن	یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہو کر آئیں تو بچے ان سے علیحدہ نہ کیے جائیں

حضرت عمر نے اس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیۃ پر استدلال کیا ولا تقطعوا ارحامکم اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے[1]

حضرت عمر نے جب سمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا، اور اُن کے بیٹے شرجیل کو کوفہ میں کسی کام پر مامور کیا، تو انھوں نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے، تو مجھکو کیوں بیٹے سے دور پھینکدیا ہے[2]۔

غلاموں میں اہل کمال

حضرت عمر نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دکھلائے اُسکا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا **عکرمہ** جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں، اور جنکو حضرت عبد اللہ بن عباس نے فتوے کی اجازت دی تھی، **نافع** جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے، علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ

---

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸۔

ہیں لوگ کنیزوں اور کنیززادوں کو حقیر سمجھتے تھے، لیکن جب **قاسم** (حضرت ابوبکرؓ کے پوتے) اور **سالم** (حضرت عمرؓ کے پوتے) اور امام **زین العابدین** سنّ رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلاموں کی قدر بڑھ گئی، لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصلی سبب حضرت عمرؓ کا طریق عمل تھا، بے شبہ **قاسم و سالم** (امام زین العابدینؑ کا نام اس سلسلہ میں لینا میں بے ادبی خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلہ پر اثر کیا، لیکن اگر حضرت عمرؓ نے اُمّہاتِ اولاد کا وہ رتبہ نہ قائم کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا اور نہ خدانخواستہ اُن کو یہ حق تھا، غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانیِ اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی، امام بخاری نے کتاب المفرد میں غلاموں کے متعلق، آنحضرتؐ کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں اُن سے اس دعوے کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف،

سلاطین
عالم
اور حضرت ع
کے طریق
میں فرق

خلافت **فاروقی**، بسیطِ عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے، اور کس قدر مختلف ملک مختلف مذاہب مختلف قومیں، اُس کے دائرے میں داخل ہیں، لیکن اس سرے سے اُس سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکوت و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گزرے ہیں، جنکی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ لیکن اُن کو یہ بات اُس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جسکے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعتہً انصاف کا قانون بالکل اُلٹ دیا جائے، ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے، واقعات کے ثبوت

میں یقین کے بجائے۔ صرف قیاس سے کام لیا جائے، وحشیانہ سزائیں دی جائیں، آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں، یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے اب بھی یورپ کو باوجود اسقدر تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ عیسیوں والوں نے بار بار عہد شکنی کی تو اُن کو جلا وطن کیا لیکن اس طرح کہ انکی جائداد، مال، اسباب کی مفصل فہرست تیار کرا کر ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت ادا کر دی۔ **نجران** کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچائے تو اُن کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا مگر اس رعایت کے ساتھ کہ اُن کی جائداد وغیرہ کی قیمت دیدی اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدھر ان کا گزر ہو اُن کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں، اور جب یہ کہیں مستقل قیام اختیار کریں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے[لہ]۔

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمر کو رعایا ایسی ہاتھ آئی تھی جسمیں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا اور اس لیئے اُن کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں حضرت عمر کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا، تحیر قومیں جو حلقۂ اطاعت میں آئی تھیں پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں اور اس لیئے انکو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا، اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب ادّعا موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مثلاً ایک مؤلفۃ القلوب کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو اُمیّہ کا حق ہے اور عمر کسی میں نہیں عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ حضرت عمر نے اُن کو خراج کے معاملے میں تنگ پکڑا، تو انھوں نے

[لہ] ان واقعات کو ہم ذمیوں کے حقوق کے بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں اور وہاں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے ۱۲

نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قدرت ہے!! جاہلیت میں، میرا باپ جب کمخواب کی قبا زیب بدن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے، آج اُسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے" بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُن کے ہوتے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں تو علانیہ نقضِ خلافت کے مشورے ہوتے رہتے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں "زبیر و جمعے از بنو ہاشم در خانہ حضرت فاطمہؓ جمع شدہ در بابِ نقضِ خلافت مشورہ ہا بکار می بردند۔"[1]

حضرت عمرؓ کی سطوت نے بنو ہاشم کے اِدّعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی، اس کے علاوہ عرب کا فطرتی مذاق آزادی اور خود سری تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمرؓ۔ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھتے تو چنداں تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اِس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے، بارہا مجامعِ عام میں لوگ اُنپر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے، شام کے سفر میں جب اُنھوں نے مجمعِ عام میں حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی، تو ایک شخص نے وہیں اُٹھ کر کہا۔[2]

واللہ ما عدلت یا عمر لقد نزعت عاملاً استعملہ رسول اللہ وغمدت سیفاً سلّہ رسول اللہ ولقد قطعت الرحم وحسدت ابن العم	یعنی اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا، تو نے رسول اللہ کے عامل کو موقوف کر دیا، تو نے رسول اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا، تو نے قطع رحم کیا، تو نے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سب سن کر، صرف یہ کہا کہ "تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا۔"

اِن حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالدؓ کو۔ عین اُسوقت جب۔ تمام عراق و شام میں

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۲۹ [2] اسد الغابۃ تذکرہ احمد بن حفص المخزومی۔

لوگ اُن کا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کردیا تو کسی نے دَم نہ مارا اور خود حضرت خالد کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے، امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمر کے نام سے انکو لرزہ آتا تھا، عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا، حضرت عمر نے عمرو بن العاص کے سامنے انکو اُسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کیے۔ سعد وقاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جوابدہی میں طلب کیا تو انکو بے عذر حاضر ہونا پڑا

اِن واقعات سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت عمر کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا کسی مُدبّر اور فرماں روا کے حالات میں اسکی نظیر نہیں ملسکتی۔

اِن کی حکومت کی سب سے خصوصیت یہ تھی کہ آئینِ حکومت میں شاہ و گدا، شریف، و رذیل، عزیز و بیگانہ، سب کا ایک رُتبہ تھا۔

حضرت عمر کی حکومت کی خصوصیتیں

جبلہ بن الایہم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مُسلمان ہوگیا تھا کعبے کے طواف میں اُسکی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پانوں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اُسکے مُونہہ پر تھپڑ کھینچ مارا، اُس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصّے سے بیتاب ہوگیا، اور حضرت عمر کے پاس آیا، حضرت عمر نے اُسکی شکایت سُن کر کہا کہ "تم نے جو کچھ کیا اُسکی سزا پائی"، اُسکو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اِس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے" حضرت عمر نے فرمایا "جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کردیا" اُس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جسمیں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں، تو میں اسلام سے باز آتا ہوں" غرض وہ چھُپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمر نے اُسکی خاطر سے قانونِ انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

اصول مساوات

ایک دفعہ تمام عہدہ دارانِ ملکی کو حج کے زمانے میں طلب کیا، اور مجمعِ عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو اِن لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اِس مجمع میں عمرو بن العاص گورنرِ مصر اور بڑے بڑے

رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھکو سو درے مارے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا "اٹھ اور اپنا بدلا لے"، عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین! اس طریق عمل سے تمام عمال بیدل ہو جائیں گے، حضرت عمر نے فرمایا "تاہم ایسا ضرور ہوگا"، یہ کہکر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ "اپنا کام کر" آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے[1]

ایک دفعہ سرداران قریش انکی ملاقات کو آئے، اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے جنہیں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے، اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجے کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے ابو سفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے، انکو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ "کیا خدا کی قدرت ہے، غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں" ابو سفیان کی یہ حسرت اگرچہ اُن کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم اُن میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا "بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہم کو عمرؓ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیئے اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں[2]۔ قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافست کا موقع پیش آیا، سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے، کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائیگا، اور فہرست میں اُن کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے، لیکن حضرت عمر نے اُن کے تمام خیالات غلط کر دیئے، اُنھوں نے دولت و جاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز، کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [2] اسد الغابۃ تذکرہ سہیل بن عمرو ۱۲

خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں بیش و کم مقرر کیں، جو لوگ اول اسلام لائے تھے، یا جہاد میں کارہائے نمایاں کیے تھے، یا آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ اُن کو غیروں پر ترجیح دی، جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے اُنکی تنخواہیں برابر مقرر کیں، یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا، حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا اسی موقع پر اسامۃ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی، تو اُنھوں نے عذر کیا کہ واللہ اُسامۃ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے حضرت عمر نے فرمایا کہ، ہاں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسامۃ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]۔

اہل **عرب** کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی جَے پکارتے تھے۔ اِس فخر کے مٹانے کے لیئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں اُنکو سخت سزا دیجائے"، ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبّہ کے قبیلہ سے تھا، لڑائی میں یا آل ضبّہ کا نعرہ مارا، حضرت عمر کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لیئے اُسکی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں[2]۔

اصولِ مساوات

اِسی اُصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے عمرو بن عاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اُوپر بیٹھو"، عمّال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود اختیار نکریں

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی، زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمر اُن کے پاس گئے تو اُنھوں نے تعظیم کے لیئے جگہ خالی کر دی، حضرت عمر نے کہا "یہ پہلی نا انصافی ہے جو تم نے اِس مقدمہ میں کی"، یہ کہکر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی سبب تھا کہ طرزِ معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا۔ سفر و حضر میں، جلوت و خلوت میں، مکان اور بازار میں، کوئی شخص اُن کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفۂ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی مسجدِ نبوی میں آکر

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶ [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۷

ڈھونڈھتے تھے کہ شہنشاہِ اسلام کہاں ہیں، حالانکہ شاہنشاہ، وہیں، پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشہ میں بیٹھا ہوتا تھا۔ اُن کے عُمّال اُنکو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ عُمّال کو لکھا کرتے تھے۔

اِس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی اِدّعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا دل میں مُکدر ہوتے تھے، لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اِس لیئے عام مُلک پر اسکا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہوگیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز بروز معترف ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلانِ عام کے مقابلے میں اپنی خود رائی کے اظہار کی جُرأت نہ کر سکے۔ اِس اُصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائلِ عرب، جو انہی بیہودہ مفاخر کی بنا پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جسکی وجہ سے عرب کا سارا خطہ، ایک میدانِ کارزار بنگیا تھا انکی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیرالمومنین
کا لقب کیو
اختیار کیا

اِس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُصولِ مساوات کے ساتھ اپنے لیے امیرالمومنین کا پُر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اِس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا، افسرانِ فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے کفارِ عرب آنحضرتؐ کو امیرِ مکہ کہا کرتے تھے، سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیرالمومنین کہنا شروع کر دیا تھا[1]۔

حضرت عمرؓ کو اِس لقب کا خیال تک نہ تھا۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم، مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیرالمومنین کا لفظ اُنکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیرالمومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو، عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا، حضرت عمرؓ نے اِس خطاب

---

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیر المومنین۔

کی وجہ پوچھی، اُنھوں نے کیفیت واقعہ بیان کی، حضرت عمر نے بھی اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اسکو شہرۂ عام ہوگئی[1] اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو اُنھوں نے خلافت اختیار ہی کیوں کی؟ بے غیرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوان یغما کو ہاتھ ہی نہ لگاتے، لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے، حضرت عمر بے شبہہ خلافت سے ہاتھ اُٹھالیتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اُسکو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارگراں، اُن کے سوا کسی سے اُٹھ نہیں سکتا، کیا ایسے وقت میں اُنکی راستبازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے، خلافت سے دست بردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ اُنھوں نے پہلے ہی دن خطبہ میں کہدیا تھا کہ

[2] لَولا رجائی ان اکونَ خیرکم لکم واقواکم علیکم واللہ کذا اضطلاعاً بما ینوب من مُھِمّ امرکم ما تولیت ذِلکَ مِنکُم۔	یعنی اگر مجھکو یہ اُمید ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد سب سے زیادہ قوی، اور مہمات اُمور کیلئے سب سے زیادہ موزوں ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے مؤطا میں روایت کئے ہیں۔

[3] لو علمت ان احداً اقوی علی ھذا الامر منّی لکان ان اقدّم فیضرب عنقی اھون علیّ۔	یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کیلئے مجھسے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کی بہ نسبت میرے نزدیک زیادہ آسان تھا کہ میری گردن مار دیجائے

حضرت عمر کے اِن الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اسکا ایک حرف بھی صحت و واقعیت سے ہٹا ہوا ہے؟ حضرت عمر سیاست کے اُصول سے خوب واقف تھے، اور یہ وہ خصوصیت ہے جسمیں وہ تمام اور صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں، جو ممالک، دایرۂ خلافت میں داخل تھے اُن کی اصلی تین تقسیمیں تھیں۔ عرب، ایران، شام و مصر اِس لیئے ہر ایک کی حالت کے مناسب، الگ الگ تدبیریں اختیار کیں، عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی انکا زور اور اقتدار قائم تھا اس لیئے انکی

---

[1] امام بخاری کی کتاب ادب المفرد مطبوعہ مطبع آرہ صفحہ ۱۴۸ [2] الانساب الاشراف بلاذری [3] کتاب مذکور مطبوعہ مصطفائی صفحہ ۴۰۔

پولیٹکل تنخواہیں مقرر کردیں جس سے وہ بالکل رام ہوگئے۔ چنانچہ رؤسائے عراق میں سے ابن النخیرجان بسطام بن نرسی، رفیل، خالد، جمیل، کے معقول روزینے مقرر کردیئے۔ شام و مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائداد نہیں چھوڑا تھا، اسلئے انکی طرف سے چنداں اندیشہ نہ تھا، وہ رومی حکومت کے بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے حضرت عمر نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انھوں نے بارہا کہا کہ "ہمکو مسلمان، رومیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں"۔ غیر قوموں کے ساتھ، اگرچہ انکا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا چنانچہ اسکی بحث ذمیوں کے حقوق میں گزر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔ مصر میں۔ **مقوقس** مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا اسکے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کیے کہ وہ ناخریدہ غلام بنگیا، اور اسکی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوشِ اطاعت ہوگئی۔ ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرادیئے یا فوجی چھاؤنیاں قائم کردیں جن کی وجہ سے سیکڑوں میل تک اثر پہنچتا تھا اور کسی کو بغاوت کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا، خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا، شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص **عرب** میں ان کو مختلف پولیٹکل تدبیروں سے کام لینا پڑا، یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو ملکی افسروں میں سے جسکی نسبت زیادہ زور پاجانے کا خیال ہوتا تھا اسکو علیحدہ کردیتے تھے، جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے انکو اکثر دارالخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ آپ لوگ یہ دولت بہت جمع کرچکے ہیں پھر فرمایا لاتحرجوا فتسلوا یمیناً و شمالاً[1]۔ ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا کہ "آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں" فرمایا "اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے

---

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱۔

بہتر ہے"، اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے، صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔ اسوقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، چونکہ مہماتِ ملکی کے انجام دینے کے لیئے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا اسلیئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے، لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ اُن کی وفات کے بعد، کوئی ایسا شخص نہ رہا جو انکو دبا سکتا، چنانچہ حضرت عثمان، حضرت علیؓ کے زمانہ میں جو ہنگامے برپا ہوا کیئے۔ سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔[1]

سیاست اور پالیٹکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کو اس باب میں تمام دنیا میں جو امتیاز حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کیئے اُن کا واقعی نام۔ خدع، مکر، فریب، ظاہر داری، اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں، بڑے بڑے ریفارمر اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے۔ لیکن حضرت عمر کی کسی کارروائی پر فریب، اور حکمتِ عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے، اور لوگوں کو صاف صاف اُسکی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔

حضرت خالد کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیجدیا کہ۔

اِنی لم اعزل خالدًا عن سخطۃٍ ولا خیانۃٍ ولٰکنّ النّاس فتنوا بہٖ فخفت ان یوکلوا الیہٖ	یعنی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اسوجہ سے کہ لوگ اُنہی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اسلیئے میں ڈرا کہ اُنہی پر بھروسہ کریں

مثنیٰ کی معزولی کیوقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کیئے اور فرمایا لم اعزلھما عن ریبۃ ولکن النّاس عظموھما فخشیت ان یوکلوا الیھما۔ بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اُسکی وجہ بیان کر دی چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اسکی تفصیل آئیگی۔

---

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱۔ [2] طبری صفحہ ۲۵۲۸ [3] طبری صفحہ ۲۳۹۲۔

حضرت عمرؓ کی حُسنِ سیاست کا ایک بڑا کارنامہ، اور اُنکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اُنھوں نے حکومت و انتظام کی کَل میں نہایت مَوزوں پُرزے استعمال کیئے تھے۔

عہدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب

یہ عموماً مُسلّم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت اُنہیں سب سے بڑھ کر تھی، اِس ذریعہ سے اُنھوں نے تمام عرب میں قابلِ آدمیوں اور اُنکی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی، اور اُنہی قابلیتوں کے لحاظ سے اُن کو مناسب عہدے دیئے تھے، سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ، چنانچہ اِن سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت اِن لوگوں کے سوا شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لیئے عیاض بن غنم، سعد وقاص، خالد، نعمان بن مقرن، وغیرہ کو انتخاب کیا عمر معدیکرب، اور طلیحہ بن خالد، اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے اس لیئے اِن دونوں کی نسبت حکم دیدیا کہ اُنکو کسی حصّہ فوج کی افسری نہ دیجائے، زید بن ثابت و عبد اللہ بن ارقم، انشا و تحریر میں مستثنےٰ تھے، اُنکو میر منشی مقرر کیا، قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ۔ عبد اللہ بن مسعود، فصلِ قضایا میں ممتاز تھے اُنکو قضا کی خدمت دی، غرض جسکو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اُسی کے لیئے پیدا ہوا تھا، اِس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مؤرخوں نے بھی کیا ہے، ایک عیسائی مشہور مؤرخ لکھتا ہے کہ "عمرؓ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا رورعایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا''۔

بے لاگ عدل و انصاف

سب سے بڑی چیز جس نے اُنکی حکومت کو مقبولِ عام بنا دیا اور جسکی وجہ سے، اہلِ عرب اُنکے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ اُنکا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جسمیں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی ممکن تھا کہ لوگ، اِس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل، و اولاد، اور عزیز و اقارب کے ساتھ

بھی اُن کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ اُن کے بیٹے ابو شحمہ[1] نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے اُنکو ۸۰ کوڑے مارے، اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔ قدامہ بن مظعون جو اُن کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ اُنکو ۸۰ دُرّے لگوائے۔

سلاطین کے انتظامات سے واقفیت

حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد و انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور انمیں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اُن کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، **عشور۔ دفتر۔ رسد۔ کاغذاتِ حساب**۔ ان تمام انتظامات میں اکثر ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اُسکی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ دونوں مع مترجم کے اُن کے پاس آئے اور اُنھوں نے اُن سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا[2]۔ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اسکی تشخیص میں بھی وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کیے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیرواں کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔

وهي الوضائع التي اقتدى بها عمر بن الخطاب حين افتتح بلاد الفرس[3]۔	یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو اُن کی اقتدا کی

اس سے زیادہ صاف اور مصرح، علامہ ابن **مسکویہ** نے اس مضمون کو لکھا ہے، علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی، اور شیخ بوعلی سینا کا معاصر و ہم پایہ تھا، تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم ہے[4]۔ اسمیں جہاں حضرت عمر کے انتظاماتِ ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ

---

[1] ابو شحمہ کے قصہ میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمر نے اُن کو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے اُنھوں نے انتقال کیا۔ دیکھو معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ [3] تاریخ کبیر طبری صفحہ ۹۶۲۔ [4] یہ کتاب اب تک نہیں چھپی۔ قسطنطنیہ کے کتب خانہ ایا صوفیا میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے ۱۲

وكان عمر يكثر الخلوة بقوم من الفرس يقرؤن عليه سياسات الملوك ولا سيما ملوك العجم الفضلاء وسيما انوشروان فانه كان معجبا بها كثير الاقتداء بها

یعنی عمر فارس کے چند آدمیوں کو صحبتِ خاص میں رکھتے تھے یہ لوگ اُنکو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے خصوصاً شاہانِ عجم اور اُن میں بھی خاص کر نوشیرواں کے اسلئے کہ اُنکو نوشیرواں کے آئین بہت پسند تھے اور وہ اُنکی بہت پیروی کرتے تھے

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر نے اُسکو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظاماتِ ملکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

واقفیت
کے لئے پ
نویس او
نگار

حضرت عمر کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُن سے مخفی نہ رہنے پائے اُنھوں نے انتظاماتِ ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے جسکی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وكان عمر لا يخفى عليه شيء في عمله كتب اليه من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزة من اجيز فيها[1]

یعنی عمر پر کوئی بات چھپی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے، سب کی تحریری اطلاعیں اُنکو بھیجیں

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدیکرب کو دوہرا حصہ نہیں دیا، عمرو معدیکرب نے وجہ پوچھی اُنھوں نے کہا تمہارا گھوڑا دوغلا ہے اسلیئے اسکا حصہ کم ہوگیا، معدیکرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا بولے کہ ہاں دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے، حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی، عمرو معدیکرب کو سخت تنبیہ کی جسکی وجہ سے اُنکو آیندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی، نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے دولت و نعمت کے مزے میں پڑکر اُنھوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جسمیں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المؤمنین یسوءہ
تنادمنا بالجوسق المتہدم

غالباً امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانیں گے
کہ ہم لوگ محلوں میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں

حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی اور اُن کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھکو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی[2]

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۶ [2] اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جنکو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا، عہد نبوت میں وہ آنحضرت کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے¹، حضرت عمرؓ نے ایکدن اُن سے پوچھا کہ "منافقین کا جو گروہ ہے انہیں سے کوئی شخص میرے عمالوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے" انھوں نے کہا "ہاں ایک شخص ہے" حضرت عمرؓ نے نام پوچھا لیکن اُنھوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا، حذیفہ کا بیان ہے کہ "اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اُسکو معزول کر دیا، جس سے میں نے قیاس کیا کہ انھوں نے خود پتہ لگا لیا¹۔" اسی تفحص اور بیدارمغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال اُن کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وکانوا لا یدعون شیئا ولا یاتونہ الا وامروہ²	یعنی لوگ کوئی کام اُن سے بے دریافت کئے نہیں کرتے تھے۔

بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور کسی قسم کی رقم کو اسکی احاطہ سے باہر نہیں سمجھتے تھے خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا اُسکی نسبت فرمایا کہ

لقد هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمتہ³	یعنی میں نے ارادہ کیا ہے³ جو کچھ اُس میں سونا چاندی ہے سب لوگوں کو تقسیم کر دوں۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ "امیر المومنین! اسمیں سے میرا حق مجکو عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوی القربی میں سے ہوں" حضرت عمرؓ نے کہا جانِ پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں ہے، لیکن یہ غنیمت کا مال ہے" تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا" وہ بیچاری خفیف ہو کر اُٹھ گئیں⁴۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ اُم کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کی طور پر چند شیشیاں بھیجیں، اُس نے اُس کے جواب میں

---

¹ اسد الغابۃ ذکر حذیفہ بن الیمان ² طبری صفحہ ۲۷۴۰ ³ صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبۃ ⁴ مسند امام احمد حنبل۔

شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا اور اُس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کیئے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے اور اُنکو کچھ معاوضہ دیدیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے، لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے، مسجدِ نبوی میں جاکر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لیلوں[1]"۔ اِس کارروائی سے طلبِ اجازت کے سوا، یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامہ پر خلیفۂ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔ خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے، خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا، صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضرورت بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے، میں کسقدر اپنے مصارف کے لیئے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائیں دیں، حضرت علیؓ چپ تھے، حضرت عمرؓ نے اُنکی طرف دیکھا اُنھوں نے کہا صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس"۔ چنانچہ اُن کے اور اُن کی بی بی بچوں کے لیئے بیت المال سے کھانا کپڑا مقرر ہو گیا[2]۔ فوجی روزینہ داروں میں جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لیئے تنخواہیں مقرر ہوئیں تو اور لوگوں کے ساتھ پانچہزار درہم سال، اُن کے بھی مقرر ہو گئے، کروروں روپے کی آمدنی میں سے **فاروق اعظم** کو سال بھر میں جو ملتا تھا اُسکی یہ تعداد تھی۔

اُنکی معاشرت کے حالات میں آگے چلکر تم پڑھوگے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے تھے، زمین پر سو رہتے تھے مہینوں گیہوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا، اُسکی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ اُنکو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بیدریغ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت اُمّ کلثوم سے جب نکاح ہوا تو اُن کے شرف اور خاندانِ نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اُسیوقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اُنکو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں

---

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ [2] تاریخ طبری واقعات سنہ ۱۵ھ -

اپنا حصہ، ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اسلیئے باوجود دولتمندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لینگے۔ حالانکہ حضرت عمر کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اسکی بحث مفصل آگے آئیگی۔ انھوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کردیا تھا۔ حمص کا عامل جب مرگیا تو حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہا، لیکن چونکہ ان کیطرف سے مطمئن نہ تھے، اس لیئے بلاکر ان سے کہا کہ فی نفسی منک شیٔ یعنے میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ انھوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا۔

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفئی الذی ھو آت[1]	یعنی مجھکو ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔

یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا، حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں جب حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انھوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لیلی۔ اور جب حضرت علی نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عمر نے بیت المال کے بارے میں جو کفایت شعاری، اور تنگ ورزی برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔

تمام کام وقت پر انجام پاتا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے، دارالخلافہ سے سیکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں جنکی ایک ایک حرکت اُن کے اشاروں پر موقوف تھی، انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو، فقہ کی ترتیب اور افتا جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، الگ تھا اپنے ذاتی اشغال جدا تھے، تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی ہرج نہیں ہوتا تھا نہاوند کا سخت معرکہ جسمیں تمام ایران اُمنڈ آیا تھا، پیش تھا کہ عین اُسی زمانہ میں سعد وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گزری حضرت عمر نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۶۴ و ۶۵۔

کوفہ سے فوج کی روانگی کا انتظام ہی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوتی رہی، جزیرہ والوں نے قیصر سے ملکر جب شام پر حملہ کرنیکا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیئے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے

زیاد بن حدیر عراق میں۔ دہ یکی کی تحصیل پر مامور تھے، انھوں نے ایک عیسائی سے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دیکر محصول طلب کیا، اس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجیے اور ۱۹ ہزار مجھکو حوالے کیجیے، دوبارہ وہ عیسائی انکی سرحد سے گذرا، تو اس سے پھر محصول مانگا وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمر سے شکایت کی، حضرت عمر نے صرف اسقدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دیکر گھوڑے کو واپس لے، یہاں حضرت عمر کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ "سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جا سکتا"، ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اسوقت حضرت عمر کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے، اسی حالت میں اس نے شکایت پیش کی فرمایا۔ نہیں دو بار محصول نہیں لیا جا سکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایکدن حضرت عمر کے پاس جا کر کہا کہ میں وہی نصرانی ہوں جسنے محصول کے متعلق شکایت کی تھی، حضرت عمر نے فرمایا ہاں میں وہی حنیفی (مسلمان) ہوں جس نے تمھارا کام انجام کر دیا، عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے[1]۔

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے، عام حکم تھا اور اسکی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جسقدر اپاہج، ضعیف، از کار رفتہ، مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دیجائیں، لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے، جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب[2] آٹا پکایا جائے پک کر تیار ہوا تو ۳۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا شام کو پھر اسقدر آٹا پکوایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا، دونوں وقت کے لیئے یہ مقدار کافی ٹھیری تو

---

[1] یہ دونوں روایتیں کتاب الخراج صفحہ ۷۰، ۷۹ میں ہیں [2] قریب ۲۵ سیر کا ہوتا ہے۔

رفاہ عام

فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لیئے اسقدر آٹا مقرر کردیا جائے۔ اعلانِ عام کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لیکر کہا کہ مَیں نے تم لوگوں کے لیئے اِسقدر خوراک مقرر کردی ہے جو شخص اسکو گھٹائیگا اُس سے خدا سمجھے گا، ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لیکر یہ الفاظ فرمائے۔

انی قد فرضت لِکلّ نفسٍ مسلمۃٍ فی شھرٍ مُدی حِنطۃٍ وقسطی خلٍّ۔	یعنی میں نے ہر مسلمان کے لیئے فی ماہ دو مُد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

غربا اور مساکین کے روزینے

اسپر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیئے بھی، فرمایا ہاں غلام کے لیئے بھی۔ غربا اور مساکین کے لیئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے اُن کے روزینے مقرر کردیئے جائیں۔ چنانچہ (جیسا کہ ہم اوپر ذمیوں کے حقوق لکھ آئے ہیں) بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اِس قول سے کہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ فقرا سے مُسلمان اور مساکین سے اہلِ کتاب مُراد ہیں اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا، چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جاکر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

مہمان خانے

لاوارث بچے

اولاد لقطہ یعنے گمنام بچے جنکو اُنکی مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں، اُن کے لیئے ۱۸ھ میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اِس قسم کا کوئی بچہ ملے اُس کے دُودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ اِن مصارف کے لیئے اول ۱۰۰ درم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ یتیموں کی پرورش، اور اگر اُن کی جائداد ہوتی تھی تو اُسکی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اُسکو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اُسکو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو

یتیموں کی خبرگیری

لہ یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۴۶۰ میں ہے اور تمام تاریخوں میں بھی تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔

ٹہ بلاذری صفحہ ۴۵۲ و یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۱۔

واپس دو، چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

قحط کا انتظام

سنہ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجیب و غریب سرگرمی ظاہر کی، اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کیے جن میں سے ایک ایک میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا، حضرت عمر ان جہازوں کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ تک گئے جس کا نام جار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل ہے، بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا مفصل نقشہ بنائیں، چنانچہ بقید نام و مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا، ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا، چک پر حضرت عمر کی مہر ثبت ہوتی تھی[1]۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمر کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن ان کی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا رواج دینا ہوتا ہے۔ ایشیا میں سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے لیکن لوگ اسبات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے دوسری طرف قوم کا دریوزہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر تو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے۔ یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیئے ہیں، جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمر کی نکتہ سنجی

لیکن حضرت عمر اس سے بےخبر نہ تھے، وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے، جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی یا جنھوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی، یا وہ ضعیف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو روا

---

[1] یعقوبی صفحہ ۱۷۷، اس ماجرے کے فقرے یہ ہیں فامر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی منازلھم وامرلھم بکتب لھم صکاکا من قراطیس ثم یختم اسافلھا فکان اول من صک وختم اسفل الصکاک اردب کم و بیش تین من کا ہوتا ہے۔۱۲

نہیں کھلتی تھی۔ علامہ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو اُنکی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہو مانگ“ علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ”محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے“ اِس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمرؓ کے عمل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے

وقد فعل عمر مثل ذلك بقوم من اهل الصدقة[1]

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے؟ اور جب لوگ کہتے کہ ”نہیں“ تو فرماتے کہ ”یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا“ انکا مقولہ تھا کہ ”مَکسَبَۃٌ فیها دناءۃٌ[2] خیرٌ مِن مسَالۃِ النّاس“ یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے“ مفت خوری کا موقع زیادہ تر علماء و صوفیہ کو ملتا ہے، اُن کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو اُنھوں نے علانیہ مخاطب کر کے کہا تھا لا تکونوا عیالًا علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔

جزئیات پر توجہ

حضرت عمرؓ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ اُن کو ہمیشہ بڑے اہم اُمور سے سابقہ پڑتا تھا، تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے“ اور اس کے لیے اُن کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جنکا اختیار کرنا بظاہر شانِ خلافت کے خلاف تھا لیکن اُنکو کسی کام سے عار نہ تھا، روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے، اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے قدید اور عسفان۔ مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے اِن دونوں مقاموں میں خود تشریف لیجاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اِنکو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھروں سے نکل آتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے[3]۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر اُنکے دانت گنتے اور اُنکا حلیہ قلمبند کرتے

---

[1] الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳۵ [2] سیرۃ العمرین لابن الجوزی [3] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۲۔

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "انکا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں، وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمرؓ خود چیزیں خریدتے اور اُن کے حوالہ کرتے۔ مقامِ جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود اُن کے گھروں پر پہنچا آتے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائیگا، تم جواب لکھوا رکھو کہ اسوقت تک روانہ ہو جائے، کاغذ، قلم، دوات خود مہیا کر دیتے، اور جسکے گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔" انکی سب سے زیادہ توجہ اسبات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت اُن تک پہنچنے سے رہ نہ جائے، یہ معمول رکھا تھا کہ ہر نماز کے بعد صحنِ مسجد میں بیٹھ جاتے، اور جسکو جو کچھ اُن سے کہنا سننا ہوتا کہتا کوئی نہ ہوتا، تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اُٹھ جاتے[1]۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے۔ سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے، بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے اُن سے ہر قسم کی پرس و جو کرتے۔

رعایا کی شکا
واقفیت
وسائل

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ اُن مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتیں، اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آجکل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں، حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آئیں اور جس طرح اُنھوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں، اسکا حال عقد الفرید وغیرہ میں بتفصیل ملتا ہے۔

سفارت

ان تمام باتوں پر اُن کو تسلی نہ تھی۔ فرماتے کہ "عمال، رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا"۔ اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھیریں لیکن موت نے فرصت نہ دی، تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھیر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں اور دادرسی کی۔ اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا۔ دارالخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا سواری سے اُتر کر خیمہ کے قریب گئے، ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اُس سے پوچھا کہ عمرؓ کا کچھ حال معلوم ہے؟ اُس

شام کا سفر
اور رعایا کی
خبرگیری

---

[1] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۲ -

نے کہا ہاں، شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اسکو غارت کرے۔ آجتک مجکو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا، حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دور کا حال۔ عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ بولی کہ اسکو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟ حضرت عمر کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے

ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں اور روایتیں نقل کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبر گیری میں انکو کسقدر سرگرمی اور ہمدردی تھی؛

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا۔ اسکی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے، ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذرے تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا کہ "تو بڑی بے رحم ماں ہے" اس نے کہا کہ "تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجکو دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے انکا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اسی غرض سے اسکا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے" حضرت عمر کو رقت ہوئی اور کہا کہ "ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا" اسی دن منادی کرادی کہ بچے جسدن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔

اسلم (حضرت عمر کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایکدفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لیے نکلے، مدینہ سے ۳ میل پر صرار ایک مقام ہے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، اسنے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے، ان کے بہلانے کے لیے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر اسیوقت اٹھے۔ مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی، اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھدو، اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہوں۔ فرمایا۔ ہاں۔ لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض سب چیزیں خود لاد کر لائے اور

عورت کے آگے رکھدیں، اُس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمر خود چولھا پھونکتے جاتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچّوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اُچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔ سچ یہ ہے کہ امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہو نہ عمر۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے ایک بدّو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا، پاس جاکر بیٹھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کیں، دفعتہً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر نے پوچھا کون روتا ہے؟ اُس نے کہا میری بی بی دردِزہ میں مُبتلا ہے۔ حضرت عمر گھر پر آئے، اور اُمِّ کلثوم (حضرت عمر کی زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدّو سے اجازت لیکر اُمِّ کلثوم کو خیمہ میں بھیجا، تھوڑی دیر کے بعد بچّہ پیدا ہوا، اُمِّ کلثوم نے حضرت عمر کو پُکارا کہ امیر المؤمنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ امیر المؤمنین کا لفظ سُن کر بدّو چونک پڑا، اور مؤدب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ "نہیں کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا میں اُس بچّے کی تنخواہ مقرر کر دوں گا"

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ ایکدفعہ حضرت عمر رات کو میرے مکان پر آئے، میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھکو بُلا لیا ہوتا، فرمایا کہ ابھی مجھکو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اُترا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے، آؤ ہم تم چلکر پہرہ دیں، چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا اُن کی عجیب حالت ہوئی۔ جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی، غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے، کہ اے خدا! محمد کی اُمّت کو میری شامتِ اعمال سے تباہ نہ کرنا، اسلم اُن کے غلام کا بیان ہے کہ، قحط کے زمانے میں حضرت عمر کو جو فکر و تردّد رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا تھا، کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے[1]۔ قحط کا، جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا اُسکو ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بدّ [illegible] آیا اور یہ اشعار پڑھے

---

[1] یہ تمام روایتیں کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ میں مستند [illegible]وں سے منقول ہیں۔

یا عُمر الخیر جُزیت الجنّۃ	اے عمر لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے
اکسُ بُنیّاتی و اُمّہنّہ	میری لڑکیوں کو اور انکی ماں کو کپڑے پہنا
اقسم باللہ لتفعلنّہ	خدا کی قسم تجھکو یہ کرنا ہوگا

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا بدّو نے کہا

تکونُ عن حالی لتسئلنّہ	تو قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا
والواقف المسئول بینہنّہ	اور تو ہکّا بکّا رہ جائے گا
امّا الیٰ نارٍ وامّا جنّہ	پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا

حضرت عمرؓ اسقدر روئے کہ ڈاڑھی تر ہوگئی پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کُرتہ اسکو دیدے اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں[1]۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک عورت اپنے بالاخانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی

تطاول ہذا اللیلُ وازور جانبہ	رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے
ولیس الیٰ جنبی خلیل الاعبہ	اور میرے پہلو میں یار نہیں جس سے خوش فعلی کروں۔

اِس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا، اور وہ اس کے فراق میں یہ دردانگیز اشعار پڑھ رہی تھی حضرت عمرؓ کو سخت قلق ہوا، اور کہا کہ میں نے زنانِ عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت، کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انھوں نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوئی تو ہر جگہ حکم بھیجدیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے نہ پائے۔

سعید بن یربوع ایک صحابی تھے، جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے۔ انھوں نے کہا، میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھکو راستہ بتائے، حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کردیا جو ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ رہتا[2]۔

---

[1] سیرۃ العمرین از ازالۃ الخفا [2] اسد الغابۃ تذکرہ سعید بن یربوع ۱۲

ایکدفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جا کر کہا کہ "داہنے ہاتھ سے کھاؤ" اُس نے کہا جنگ موتہ میں میرا داہاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر کو رقت ہوئی اُس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اُس کے لیئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب۔ درحقیقت، نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امام کی فطرت، قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "واز میانِ اُمت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیا مخلوق شدہ وایں جماعہ در اصل فطرت، خلفائے انبیا اند در اُمت[1]"

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں، کیونکہ صانعِ عالم کا اعتقاد۔ اُسکی صفاتِ کمال کا اعتراف، سزا و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسنِ اخلاق، یہی چیزیں تمام مذاہب کی اصلی اُصول و احکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں، لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام اسقدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو اُن کی حقیقت بالکل بدلجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے، تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لیئے آیا اور اُس نے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ اُن پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں اسلیئے ہر زمانہ میں اکثر لوگ اصلِ حقیقت سے دُور ہو جاتے تھے اور اسی لیئے ائمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام ایک طرف، خواص کا جو طرزِ عمل ہے اُسمیں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے، گو استفادہ عن القبور اور حصولِ برکت کے خوشنما الفاظ نے اُن پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

---

[1] ازالۃ الخفا جلد اول صفحہ ۹۔

حضرت عمرؓ نے اِن نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اُسکو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، اُسکی نظیر صحابہ کے زمانے میں بھی بہت کم ملتی ہے۔

سئلہ قضا
قدر

اِلٰہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے جسمیں عمومًا بڑے بڑے ائمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عمواس میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے۔ حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الٰہی سے ہوتا ہے، نہایت طیش میں آکر کہا اَفِرَارًا مِّنْ قَدَرِ اللہِ۔ (یعنی کیا قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟)

حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلے کو اِن مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔

نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللہِ اِلٰی قَدَرِ اللہِ	یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔

اسلام کا ایک اُصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا۔ ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔

اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ وَّ اَنَّکَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ	میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔

[illegible]

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جسقدر الگ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ ”اُسی وقت حضرت علیؓ نے اُنکو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت کی شہادت دیگا،“ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔

---

[1] یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا، اور لوگ اسکی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمر نے یہ دیکھ کر اسکو جڑ سے کٹوادیا[1]۔

ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے راستہ میں ایک مسجد تھی، جسمیں ایکدفعہ آنحضرت نے نماز پڑھی تھی اس خیال سے لوگ اسکی طرف دوڑے۔ حضرت عمر نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادتگاہ بنالیا[2]۔

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خاص تربیت ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرۃ کی باتوں کو مستثنے کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے اس مسئلے کو جسقدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کردیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے، بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اس لیے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔

سی سکا ہوا
افعال کہا
تک مقصد
ہو سکے
تند

شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق، شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں، دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بنگیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ خاص اسی فن میں

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۱۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہے ۱۲

[2] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۱۔

ہے۔ تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے۔ جسکی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا، اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چون و چرا کے مان لیجائے اور رائے و عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہ نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ نے اس علم سے بحث کی اور اس کے وجوہ ظاہر کئے[1]۔

شاہ صاحب نے جن لوگوں کے بن عباس کی عمر آنحضرتؐ کی وفات کیوقت ۱۳ برس کی تھی۔ حضرت علیؓ کا سن جناب رسول اللہ کی بعثت کیوقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا زید بن ثابتؓ کا سن آنحضرتؐ کی ہجرت کیوقت ۱۱ برس کا تھا۔ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کی وفات کیوقت کل ۱۸ برس کی تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو۔ یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہونگے لیکن اولیت کا منصب حضرت عمرؓ ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت عمرؓ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے تھے، سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود اسکا اشارہ ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لیکن جب راستے مامون ہوگئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمرؓ کو اسپر استعجاب[2] ہوا اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب سفر میں، قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوروں میں آہستہ آہستہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۴ [2] صحیح مسلم، احادیث نماز سفر۔

دوڑتے چلتے ہیں، اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم، جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہوگئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کرسکتے۔ آنحضرتؐ نے یہ سُنکر رمل کا حکم دیا[1]۔ اسکے بعد یہ فعل معمول بہ ہوگیا، چنانچہ ائمہ اربعہ اُسکو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں، لیکن حضرت عمر نے صاف کہا مالنا وللرمل انما کنا رائینا بہ المشرکین وقد اھلکھم اللہ[2] یعنی اب ہمکو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکوں کو رعب لانا مقصود تھا، سو اُنکو خدا نے ہلاک کردیا۔ حضرت عمر نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے۔ رمل کے ترک کا ارادہ بھی کرلیا تھا لیکن پھر آنحضرتؐ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا، عبد اللہ بن عباس جو حضرت عمر کے خاص تربیت ہ تھے، اُن سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں، تو کہا کہ "غلط سمجھتے ہیں[3]"۔

حضرت عمر نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کیے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہوسکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں، اس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے اُستاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے، حضرت عمر کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپ کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ حضرت عمر کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں، اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمر خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے، انکا خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کرتے جاتے تھے، اور ہر شخص جو اُنکی صحبت میں رہتا تھا، کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس

---

[1] صحیح مسلم [2] صحیح بخاری باب الرمل [3] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۵ حصہ دوم ۱۲

غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیز گاری اور تقوے سیکھ جائیں"۔ مؤرخ مسعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اِس جملے سے شروع کیے ہیں کہ "ان میں جو اوصاف تھے وہ اُن کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے"۔ پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسیؓ، ابوعبیدہؓ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور اُن کے اوصاف لکھے ہیں۔

فخر و غرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاقِ ذمیمہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غرور، عام لوگوں کی تحقیر، ہجو و بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی، حضرت عمرؓ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں، لڑائیوں میں قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارا کرتے تھے اُسکو حکماً بند کر دیا، آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اُٹھا دی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ اُنکی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا، تو نہایت افروختہ ہو کر کہا کہ "خدا اُن سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔

ایکدفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعبؓ سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب وہ مجلس سے اُٹھے تو ادب اور تعظیم کے لیئے لوگ اُن کے ساتھ ساتھ چلے اتفاق سے حضرت عمرؓ ادھر سے آنکلے یہ حالت دیکھ کر اُبی کے ایک کوڑا لگایا۔ انکو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا اوما تری فتنة للمتبوع و مذلة للتابع[1] یعنی "تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لیئے فتنہ اور تابع کے لیئے ذلت ہے"۔

ی ممانعت

ہجو و بدگوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء جابجا لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا، اِس لیئے یہ ہجویں نہایت جلد مشتہر ہو جاتی تھیں اور اُن سے سیکڑوں مفاسد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا اور اُس کے لیئے سزا مقرر کی، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، حطیئہ اِس زمانے کا مشہور شاعر تھا اور سودا کی طرح فنِ ہجو میں کمال رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اسکو طلب کر کے ایک تہ خانے میں قید کیا اور اِس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی

---

[1] مسند دارمی ۱۲

ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں قریش نے جب اور تدبیروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرتؐ کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرتؐ نے۔ حسانؓ کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی یہ اشعار، قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیدیا کہ وہ پڑھے پڑھائے نہ جائیں، کیونکہ ان سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔

ہوا پرستی کی روک۔

عشق و ہوا پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا، شعراء زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور انہیں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام ہونے کیوجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندی و آوارگی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں، چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لا تشبب احد بامرأۃ الاجلدہ۔

شاعری کی اصلاح

شراب خواری کی روک

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اسکو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے مارے جاتے تھے انھوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے

ان سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت، اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت میں مبتلا نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔ اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے۔ اسلئے حضرت عمرؓ نے اسپر بہت توجہ کی، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عبد الملک نے قطعی حکم دیدیا کہ کوئی شخص اس کے حکام پر زبان نہ کھولنے پائے حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا لیکن اسکے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے، جسکی بدولت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی، اور جناب امیر کو جمل و صفین

آزادی اور حق گوئی کا خیال رکھنا۔

---

۵۱ اسد الغابہ تذکرہ ر۔ ثور ۱۲ ۵۲ آغانی تذکرہ حسان بن ثابت ۲

کے معرکے جھیلنے پڑے، برخلاف اسکے حضرت عمرؓ نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تقریر و تحریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہوکر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے۔

	ترجمہ
مُذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم اُمهاتهم احرارًا[لہ]	یعنی "تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنالیا؟ انکی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا"۔

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ لوگ انکو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے: جعلنی اللہ فداءک "بابی" "وامی" عہ

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی مختلف موقعوں پر ان کی نسبت ناراضی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود انکی شان میں کہا تھا کہ جعلنی اللہ فداءک تو فرمایا کہ اذاً یُھینُک اللہ یعنی "اگر خدا ایسا کریگا تو تجھکو ذلیل کریگا"۔ حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جسقدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کردیا تھا اسکا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایکدفعہ انھوں نے ممبر پر چڑھ کر کہا، صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کروگے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہوگیا اور تلوار میان سے کھینچکر بولا کہ "تمہارا سر اڑا دیں گے"۔ حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اس نے کہا "ہاں ہاں تمہاری شان میں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہونگا تو مجھکو سیدھا کردیں گے"۔

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کرلیں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے

[لہ] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۵۔

عہ یعنی "خدا مجھکو آپ پر قربان کرے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں"

حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں، انھوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضرور نہیں چنانچہ باوجود حضرت عمرؓ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ نے تمام عمّالوں کا مال و اسباب نیلام کر کے، آدھا بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جسکا نام ابوبکرہ تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیئے تھا، اور ہمارا تھا تو اس میں سے تمکو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمرؓ کی تشدید اور اُن کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیکخوئی، حلم و تواضع، جرأت و آزادی، حق پرستی اور بے نیازی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے مرقع میں اُسوقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حُلیہ میں یہ خط و خال صاف نظر آتے ہیں۔

اجتہاد کی
محدث

حدیث و فقہ کا فن، درحقیقت، تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ انکی تعداد ۳۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اُصول و قواعد، اول انہی نے قائم کیا۔

اجتہاد
حدیث

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی آنحضرتؐ کے زمانے میں احادیث کے استقصار کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جسکو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرتؐ سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں، اسلیئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقرار کا راستہ نکلا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے سیکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ

احادی
مفص

سے اُنھوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے موافق طے کیے جائیں اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسیکو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے استفسار کرکے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

حدیثوں کی اشاعت

چونکہ حدیث جسقدر زیادہ شائع و مشتہر کیجائے اُسیقدر اُسکو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لیئے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لیئے اُسکی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کرکے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے انکی عام اشاعت ہوجاتی تھی، یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے انکو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیئے بھیجا، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، "چنانچہ **فاروق اعظم** عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل، و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو درداء را بشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکنند"[1]

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو اُن سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں، یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جسمیں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلعم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اُس نے رسول اللہ سے سنا ہے۔ اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۶ حصہ دوم

زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمر خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں، لا محالا اس کے یہی معنے ہوں گے کہ آنحضرت نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا تھا کہ حضرت عمر نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اسلیئے ممکن ہے کہ رسول اللہ نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو۔ بلکہ حضرت عمر نے اسکو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا، لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بنا پر حضرت عمر نے خطبوں میں، تحریری ہدایتوں میں، فرامین میں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کیئے وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہیں گو انھوں نے آنحضرتؐ کا نام لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، "ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرمایند تا اصل احادیث بآن موقوف خلیفہ قوت یابد، یاراینکہ بغور سخن نمیرسند در بند آنکہ در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح نشد مگر شش حدیث، و از فاروق اعظم بصحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث، این رانمی فہمند و نمے دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ و اعلان نمودہ۔[1]

احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفحص و جستجو، اور اشاعت و ترویج کے متعلق، حضرت عمر نے جو کچھ کیا، اگرچہ وہ خود بھی مہتم بالشان کام تھے لیکن اس باب میں انکی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اسوقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمر نے اسمیں جو نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اسپر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انھوں نے اسپر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتنا کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لیئے گنجینہ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الاھم فالاھم، اس بنا پر حضرت عمر نے تمام تر توجہ اُن احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۶۔

کے مسائل مستنبط ہوتے تھے، جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں اُنکی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا۔ اسمیں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال وافعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں باستقرار تام معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع وتکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر آن، مصروف می ساخت، لہذا احادیث شمائل آنحضرت صلعم واحادیث سنن زوایدہ در لباس وعادات کمتر روایت مے کرد بدو وجہ یکی آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ وتشریعیہ نیست، محتمل کہ چون اہتمام تام بروایت آن بکار برند بعض اشیاء از سنن زوایدہ بہ سنن ہدی مشتبہ گردد[۵۲]۔

حضرت عمرؓ نے اُن حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جسمیں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا ذخیرہ اسی قسم کی حدیثوں کا ہے اسکی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ: حضرت عمرؓ اسبات کو جانتے تھے کہ ”دعا کے قبول وعدم قبول کا مدار خلوص وتضرع پر ہے نہ الفاظ پر[۵۳]“

سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق وتنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

آجکل بلکہ مدتِ مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرتؐ کی طرف منسوب کردیجاتی ہے گو صحیح نہ ہو اُسکو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے، اسی بنا پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہوگئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح وتعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعدیل اُن کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر انکو زیادہ پرس وجو نہیں ہوتی تھی، اسکے ساتھ قرنِ اول کی نسبت اُنھوں نے یہ عام کلیہ قائم کرلیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصایصِ بشری ہیں اُن سے کوئی زمانہ مستثنے نہیں ہوسکتا، اسلئے

---

[۵۲] ازالة الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱ [۵۳] ازالة الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱

وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کیے۔ ایکدفعہ ابوموسیٰ اشعری، اُن سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کی طور پر کہا کہ "السلام علیکم۔ ابوموسے حاضر ہے" حضرت عمر اُسوقت کسی کام میں مصروف تھے اسلیئے متوجہ نہ ہوسکے۔ کام سے فارغ ہو چلے تو فرمایا ابوموسے کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر اسپر بھی اجازت نہ ملے، تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، ورنہ میں تم کو سزا دونگا، ابوموسے اشعری صحابہ کے پاس گئے اور حقیقتِ حال بیان کی، چنانچہ ابوسعید نے آکر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ سے یہ حدیث سُنی ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ عمر! تم رسول اللہ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سُنی اور اُسکی تصدیق کرنی چاہی[1]

نفقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاقِ بائن دیجائے اُسکو عدت کے زمانے تک نان و نفقہ اور مکان ملنا چاہیئے یا نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ اسکنوھن من حیث سکنتم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیئے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں اُنکو اُن کے شوہر نے طلاق بائن دی، وہ آنحضرتؐ کے پاس گئیں کہ مجکو نان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں اُنکا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "نہیں" فاطمہ نے یہ روایت، حضرت عمر کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر نے کہا لا نترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لا ندری لعلہا حفظت او نسیت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں اُسکو حدیث یاد رہی۔ یا نہیں"۔

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مغیرہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عباس کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر نے تائیدی

---

[1] یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم باب الاستیذان میں مذکور ہے ۱۲

شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجکو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

حضرت عمرؓ کو چونکہ اسبات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے اسلیئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی، اس کے متعلق انھوں نے جو بندشیں کیں آجکل لوگوں کو اُن پر مشکل سے یقین آسکتا ہے، اس لیئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا بلکہ بہت بڑے بڑے محدثوں نے جو کچھ لکھا ہے اسکو نقل کر کے لفظی ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ ذہبی جنسے بڑھکر اُن کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا اور جو حافظ ابن حجرؒ و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں، تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں

کثرت روایت سے روکنا

وقد كان عمر من وجله يخطى الصاحب على رسول الله - يأمرهم ان يقلوا الرواية عن نبيهم ولئلا يتشاغل بالاحاديث عن حفظ القران + عن قرظة بن كعب قال لما سيرنا عمر الى العراق - مشى معنا عمر و قال اتدرون لم شيعتكم قالوا نعم مكرمة لنا - قال ومع ذلك فانكم تاتون اهل قرية لهم دوي بالقران كدوي النحل فلا تصدوهم بالاحاديث فتشغلوهم جردوا القران واقلوا الرواية عن رسول الله وانا شريككم فلما قدم قرظة قالوا حدثنا - فقال نهانا عمر + عن ابي سلمة عن

یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہؐ سے کم روایت کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل ہو جائیں۔ قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے، اور کہا تم کو معلوم ہے میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو، فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھی کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے۔ تو انکو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا، قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہؐ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں پس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہمکو منع کیا ہے۔ ابو سلمہ

---

[1] یہ دونوں روایتیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حال میں مذکور ہیں۔

ابی ھریرۃ۔ قلت لہ۔ کنت تحدث فی زمان عمر ھکذا فقال لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لضربنی بمخفقتہ۔ ان عمر حبس ثلثہ۔ ابن مسعود و ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے انھوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھکو دُرّے سے مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء و ابو مسعود کو محبوس کیا اور کہا تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں

حضرت عمرؓ کے کم روایت کرنیکی وجہ

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "حضرت عمر کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے، اس سے فرائض اور سنن مقصود نہیں"۔ شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں، میرے نزدیک، آنحضرت کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں کیونکہ ان سے کوئی غرضِ شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں۔ جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔ہمارے نزدیک اِن تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر کا مقصد خود اُنہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے، مؤرخ بلاذری نے جو محدّث بھی ہیں، انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے اُن سے کوئی مسئلہ پُوچھا تو اُنھوں نے فرمایا۔

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم بہ[1]	یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی بیشی ہو جائیگی تو میں حدیث بیان کرتا۔

مؤرخ مذکور نے اِس روایت کو بسندِ مُتّصل روایت کیا ہے اور اُس کے رُواۃ یہ ہیں، محمد بن سعد عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابوحنیفہ) موسیٰ بن طلحۃ۔ ابو الحوتکیۃ۔

حضرت عمر کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیئے تھا۔ اِس خیال کی

---

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم۔

تصدیق اِس سے اَور زیادہ ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود جو مقاماتِ علمی میں حضرت عمر کے تربیت یافتہ خاص تھے، اُنکی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔

یشدِدُ فی الروایۃ ویزجُر تلامذته عن التهاوُن فی ضبط الالفاظِ۔[1]	یعنی" وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظِ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں"۔

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔[2] حضرت عمر کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ اُن سے پہلے بھی اکابرِ صحابہ کو تھی، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکر کے حال میں لکھا ہے کہ "سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکر تھے" علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ "حضرت ابوبکر نے ۵۰۰ حدیثیں قلمبند کی تھیں لیکن پھر اُنکو آگ میں جلادیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اُسکے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو"۔

لیکن حضرت عمر کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا، اور صحابہ صرف۔ راوی کے ثقہ و عدمِ ثقہ ہونیکا لحاظ رکھتے تھے، لیکن حضرت عمر۔ راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پُوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اِسی بنا پر حضرت ابوہریرہؓ پر اکثر مواخذات کیے ورنہ حضرت ابوہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں اُنکو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمر کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جسقدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں، ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہوگئی لیکن اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا کہ "ہرچند جمیع صحابہ۔ عدول اند و روایت ہمہ مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایتِ صدوق ازیشان ثابت شود، لازم،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عبداللہ بن مسعود ۱۲ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۴ سطر ۳۔

اما در میان آنچہ از حدیث وفقہ در زمن فاروق اعظم بود، وآنچہ بعد وی حادث شدہ فرق مابین السموات والارض ست[1]۔

صحابہ میں اکثر کم روایت کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پا سکا لیکن محققینِ صحابہ میں یہ خیال بے اثر نہیں رہا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت عام شہرہ ہے اور مسند دارمی وغیرہ میں جابجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کیوقت اُن کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرتؐ کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرتؐ نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اس کے مشابہ، یا اس کے قریب، یا اسکے مثل" ابودرداؓ اور حضرت انسؓ جو بہت بڑے صحابی تھے انکا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں اُن سے صرف ایک حدیث سُنی۔ ثابت بن قطبۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مہینہ بھر میں صرف دو تین حدیثیں روایت کرتے تھے۔ سایب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد وقاصؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا، لیکن اُنھوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی، چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بہ سند متصل منقول ہیں[2]۔

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو مقدم اُصول قائم کیے، انکو اجمالاً یوں بیان کیا جا سکتا ہے

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضرور ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا۔ روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہیں۔

(۳) خبر واحد۔ میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جسکو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابلِ حجت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں۔ موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

---

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱ - [2] مسند دارمی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور صفحہ ۴۵ تا ۴۸

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے، اس فن کے متعلق انکی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ "فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو یا امام ہو، یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔" لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے؟ حذیفہؓ نے کہا **عمر بن خطاب**۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں، تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہیگا"۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے جو مدرسۂ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے، فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، انہیں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہؓ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے

ولولا خوف الاطالة لذکرت من فقھہ مایتحیر فیہ کل فاضل۔	یعنی اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے مسئلے اور ان میں جو عمدہ اصول پائے جاتے ہیں، مفصل لکھتا کہ فضلا حیران رہ جاتے۔

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں

علامۂ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہم اسکو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چل کر لکھیں گے لیکن پہلے یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جسقدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں، سب کا مرجع حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانئ فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبداللہ بن عباس تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابت و عبداللہ بن عمرؓ، کوفہ کے حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود۔ و ابو موسےٰ اشعری، شام کے ابو دردا و معاذ بن جبل۔ انمیں حضرت علیؓ کے سوا اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے اور خاصکر عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن مسعود تو انکے ساختہ پرداختہ تھے۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔ عبداللہ بن عباس کو حضرت عمرؓ نے گویا اپنے دامنِ تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر

سلہ ۱ [illegible] مسند دارمی [illegible] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۸۵ حصہ دوم سلہ ۲ [illegible] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۱ حصہ اول

رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں[1] خود حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر مجھکو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اسپر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو اُن کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے، حضرت عمر نے فرمایا "وہ شخص ہے جسکی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے"۔

محدث ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے۔ "کان عمر یحب بن عباس ویقربہ" یعنی حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور انکو تقرب دیتے تھے"، اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباس اسکا جواب دینا چاہتے، لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمر انکی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ "علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے" کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباس کے مجتہدات کو، حضرت عمر کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئیگا کہ دونوں میں اُستاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمر حضرت عمر کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابت، برسوں حضرت عمر کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمر، عبداللہ بن مسعود۔ اور زید بن ثابت باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے اُن کے مسائل باہم ملتے جُلتے ہیں[2]۔

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جنپر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسے اشعری، امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے ستۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتذاکرون الفقہ بینہم۔ علیؓ بن ابی طالب وابیؓ وابوموسی علیحدۃ وعمر وزیدؓ وابن مسعود، یعنی اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں بحث ومذاکرہ کرتے تھے علی، ابی۔ اور ابوموسے اشعری ایک ساتھ، اور حضرت عمر، زید اور ابن مسعود ایک ساتھ"، صفوان بن سلیم کا قول ہے لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر وعلی و

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۶۱۵ مطبوعہ احمدی میرٹھ [2] فتح المغیث صفحہ ۳۸۱۔

معاذٍ وابی موسیٰ یعنی آنحضرت کے زمانے میں صرف چار شخص فتوے دیتے تھے عمرؓ، علیؓ، معاذؓ، ابو موسیٰؓ

امام شعبی کا مقولہ ہے کان العلم یوخذ عن ستۃ من الصحابۃ[۵۱] یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۶ یا ۲۰ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اس کے معارض بھی نہیں۔ ان مسائل کے لیے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اسکے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جسکی نسبت حدیث میں کوئی حکم بتصریح موجود نہیں۔ بلکہ قواعد استنباط کے ذریعہ سے حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اسکی معارض ہیں۔ ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ در اصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتوے دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ اسکی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے[۵۲] لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جنکا ذکر اوپر گزرا۔

شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمرؓ۔ علیؓ۔ ابن مسعودؓ۔ ابن عباسؓ کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

واما غیر هؤلاء الاربعۃ فکانوا یروون دلالۃ	یعنی ان چار کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن آداب
ولکن ما کانوا یمیزون الرکن والشرط من	سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و فرق نہیں کر سکتے
الآداب والسنن ولم یکن لهم قول عند	تھے اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تعادل
تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قلیلا	ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے
کابن عمر وعائشۃ وزید بن ثابت[۵۳]	مثلاً ابن عمر۔ عائشہ۔ زید بن ثابت۔

بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ انکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے

---

[۵۱] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابو موسیٰ اشعری [۵۲] فتح المغیث صفحہ ۳۸۱ [۵۳] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۲

ساتھیوں کے سوا، حضرت علی سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، اُن پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا، معاذ بن جبل کو خود حضرت عمر نے تعلیم و روایت کے لیے شام بھیجا تھا، لیکن انکا سنہ ۱۸ھ میں انتقال ہوگیا، اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے "حدیث او چنداں باقی نماند"[۵۱] عبداللہ بن مسعود اور ابو موسےٰ اشعری حضرت عمر کے خاص شاگردوں میں تھے ابو موسیٰ اشعری کو حضرت عمر اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت بھی دراصل حضرت عمر کے مقلد تھے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "زید بن ثابت نیز در اکثر متبع اوست[۵۲]"، ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر نے مسائلِ فقہیہ میں جسقدر غور و فکر و خوض کیا تھا صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا اُنھوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں انمیں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ۔ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے، یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ اُن کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے، اُنھوں نے آنحضرتؐ سے اسقدر بار بار دریافت کیا کہ آپ ودق آگئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی اخیر آیت تیرے لئے کافی ہوسکتی ہے[۵۳]

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے اُنکو یادداشت کی طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُنپر غور کیا کرتے، وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُسکو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اسمیں بھی محو و اثبات کیا کرتے، پھوپی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اُسکو محو کر دیا اسکا حال امام محمد نے مؤطا میں لکھا ہے[۵۴]۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے سو مختلف رائیں قائم کیں، بعض بعض مسائل کے متعلق اُنکو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے، مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق اُنھوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرتے

---

[۵۱] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۸ حصہ دوم [۵۲] ازالۃ الخفا صفحہ ۸۳ حصہ دوم [۵۳] مسند امام احمد حنبل [۵۴] موطا امام محمد صفحہ ۳۱۶

کے قریب اُسکو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اسکا فیصلہ کیجیے گا"، اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صحابہؓ کو بُلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی، اگر آپ لوگ چاہیں تو اُسکو قبول کریں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا آپ کی رائے ہم لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے لیکن ابوبکرؓ کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے کلالہ۔ دادا کی میراث۔ ربا کی بعض اقسام۔ مسائل فقہیہ کے متعلق اُن کو جو کد و کاوش رہتی تھی اُس کے اندازہ کرنے کے لیئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اسکی تعریف مفصل مذکور نہیں۔ اس لیئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خود آنحضرتؐ سے چند بار دریافت کیا۔ اسپر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہؓ کو ایک یادداشت لکھ دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجکو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت۔ کلالہ۔ ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

ات کی
ت کی
سے نئے
مسائل
پیدا ہونا

چونکہ اُن کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اسلیئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے، تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے تھے اور بارگاہ خلافت کیطرف رجوع کرنا پڑتا تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی، اُن کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے اُن کے پاس جواب کے لیے آئے، چنانچہ مصنف

لوگوں کا
عمر سے استفتا
کرنا۔

بن ابی شیبہ وغیرہ میں فتووں کے ساتھ فتوے پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں، مثلاً عبد اللہ بن مسعود عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری، ابو عبیدہ جراح، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ کے مشو
سے مسا
طے کرنا

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا اُنکی رائے بھی فتوے کے لیے کافی ہوسکتی تھی تاہم احتیاط کے لیئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور اُن پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے کسی ایسے مسئلہ کو جو اُن سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورے کے فیصل نہیں کیا، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ بالغہ میں لکھتے ہیں۔

كَانَ مِنْ سِيْرَةِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يُشَاوِرُ الصَّحَابَةَ وَيُنَاظِرُهُمْ حَتّٰى تَنْكَشِفَ الْغُمَّةُ وَيَاْتِيَهُ الثَّلْجُ فَصَارَ غَالِبُ قَضَايَاهُ وَفَتَاوَاهُ مُتَّبَعَةً فِيْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا۔	حضرت عمر کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا، اسی وجہ سے حضرت عمر کے فتووں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی

مسائل اجتما

حضرت عمر نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا اُنکی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں اُنکی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً بیہقی نے روایت کیا ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اسکی تصریح بھی کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا، حضرت عمر نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کیے جائیں چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا لیکن حضرت علی اور معاذ مخالف رہے، حضرت عمر نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہوگا؟ غرض ازواج مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اُٹھا رکھا گیا اور اُنھوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمر نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جسمیں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ

دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت نے پڑھی اسمیں چار تکبیریں کہی تھیں۔ اس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

ت عمر کے
مسائل فقہیہ
کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہیں اُنکی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے انمیں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے انکی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "و ہمیں مجتہدین در رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند و این قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً"[1]۔ مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے انکی مدد سے فقہ فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھکر ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔

اصول فقہ

یہ تمام بحث، تدوینِ مسائل کی حیثیت سے تھی، لیکن فن فقہ کے متعلق، حضرت عمر کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے، اُنھوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اُصول اور ضوابط قرار دیئے جسکو آجکل اُصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا اُنمیں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اِس بحث پر حجۃ اللہ البالغۃ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں اُنکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، اُنکی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے وہ لو، اور جس چیز سے روکے اُس سے باز رہو۔ دوسری وہ جنکو منصب رسالت سے تعلق نہیں چنانچہ اُن کے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِہٖ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ رَائٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ	یعنی میں آدمی ہوں اسلئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں تو اسکو لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا یا جو

---

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۸۵

افعال آنحضرت سے عادۃً صادر ہوئے نہ عبادۃً، یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً، یا جو باتیں آنحضرت نے مرغوبات عرب کے موافق بیان کیں۔ مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کیں مثلاً لشکرکشی اور اس قسم کے اور بہت سے احکام یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں"[1]

شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا، اس تفریق مراتب کے موجد در اصل حضرت عمرؓ ہیں کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی، مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں"

قیدیان بدر کے معاملے میں انکی رائے، بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی، صلح حدیبیہ میں انھوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دبکر کیوں صلح کی جائے" ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں، انہیں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار، ہم انکو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اسکو بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی، حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں آنحضرتؐ کے عہد میں، شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مقرر کیے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرتؐ کے اقوال و افعال، اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ انمیں کمی بیشی کر سکتے، اور خدانخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لیے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۳۔

بھی مسندِ خلافت پر اُنکا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر کو اس امتیازِ مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعدد احکام میں جب انھوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اُسپر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر تو خود، وحی الٰہی نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی قیدیانِ بدر، حجابِ ازواج مطہرات - نماز بر جنازہ منافق - ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی رائے کے موافق آئی -

اِس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات، منصبِ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے، انہیں اسبات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کیے جائیں، چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے، بہت نئے نئے قاعدے وضع کیے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں، برخلاف اس کے امام شافعی کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیبِ فوج، تعیین شعار، تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں، اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں -

احاد کے
ل احتجاج
کی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر احاد (یعنی وہ حدیث[لہ] جسکا راوی ایک سے زیادہ نہو) کی حیثیت احتجاج کا تھا، بہت سے اکابر اِس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ اُن سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اسکی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اُس کے ذریعہ سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے - امام شافعی کا یہی مذہب ہے حضرت عمر کے نزدیک خبر احاد ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا - اِسی بنا پر اذنِ ملاقات - اسقاط جنین، خریداری مکان عباس بن

[لہ] اصول حدیث میں جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر احاد میں داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے حضرت عمر کے زمانے تک اسکا وجود نہ تھا ۱۲

غرض مطلب یہ ہے کہ حدیث کے معاملہ میں انہوں نے عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبۃ، ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے، قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب زنِ مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر کے نزدیک وہ حکم، قرآن مجید کی نص کے مخالف تھا فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعی اور اُن کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر نے بہت سے واقعات میں اخبار احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر کے اُصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمر کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابل احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ اُنہیں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے، چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جن کی نسبت ایک دو شخص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ اُنھوں نے الفاظِ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو، غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اسی وجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پا سکتا۔ حضرت عمر نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے، اخبار احاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آرا ہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمر کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اُس کی نظیر کہیں نہیں ملتی لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبار احاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمر کا جو اُصول تھا

اسکی بنا صرف تحقیق حق تھی۔ اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جسکو چاہا غلط کہدیا ؎ کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر ٭ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر ٭

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لیے اُسکا کافی ہونا، قیاس پر موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں، تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں، اس لیئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لیے قیاس شرعی سے کام لیا جائے، اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ امام مالک۔ امام شافعی امام احمد حنبل، سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور اُن کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیاد اوّل جسنے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں"۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں، ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت نے معاذ کو یمن بھیجا تو اُن سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کروگے، اُنھوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دونگا، اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کرونگا لیکن اس سے استدلال نہیں ہوسکتا کہ انکی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد۔ قیاس پر منحصر نہیں، ابن حزم و داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسندِ دارمی میں بسند مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی، تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور اُن کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اُس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید حدیث۔ اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمر نے ابو موسےٰ اشعری کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی اسمیں قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ

؎۱ یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۴ میں مذکور ہے ؎۲ مسند دارمی صفحہ ۳۲۔

اس کے یہ الفاظ ہیں۔

اَلفَهمَ اَلفَهمَ فِيمَا تَلَجلَجَ فِي صَدرِكَ مِمَّا لَم يَبلُغكَ فِي الكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اِعرِفِ الاَمثَالَ وَالاَشبَاهَ ثُمَّ قِسِ الاُمُورَ عِندَ ذٰلِكَ[1]	جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو اسکے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان میں قیاس کرو۔

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تعدیۃ الحکم من الاصل الی الفرع لعلۃ متحدۃ	اصل کے حکم کو فرع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو

مثلاً آنحضرت نے گیہوں۔ جو۔ وغیرہ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کو برابر پر دو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائیگا۔ اس مسئلے میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرت نے گو چند خاص اشیاء کے نام لئے۔ لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسیکو سیر بھر چونہ دے، اور اس سے اسی قسم کا چونہ سوا سیر لے یا سیر بھر ہی لے لیکن اس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائیگا۔

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لئے مقدم دو شرطیں ہیں (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو یعنے اس کے بارے میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو (۲) مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔ حضرت عمر کی تحریر میں۔ ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔ پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا مِمَّا لَم يَبلُغكَ فِي الكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے وَاعرِفِ الاَمثَالَ وَالاَشبَاهَ ثُمَّ قِسِ الاُمُورَ۔

ان مہمات اصول کے سوا، حضرت عمر نے استنباطِ احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں۔ لیکن انکی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔ یہ امر مسلم ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں، اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے

---

[1] یہ روایت دارقطنی میں مذکور ہے دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۶ –

نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو بتفصیل لکھا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان ائمہ نے صراحۃً وہ اصول بیان کیے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے البتہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کیے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحۃً منقول نہیں۔ البتہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأتِ فاتحہ نہ کرنا چاہیے۔ کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی انھوں نے کہا کہ آیت کسی باب میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے" اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا۔ حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا

استنباط احکام کے اصول

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کیے گئے ہیں، ورنہ ان بزرگوں سے صراحۃً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انھوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کیے اسی بنا پر ہے، اکثر مسائل جو انھوں نے طے کیے صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کیے ان موقعوں پر انھوں نے جو تقریریں کیں ان کے استقصاء سے بہت سے اصول قائم ہو سکتے ہیں۔ اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لیے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کسکو ترجیح دیجائے۔ کسکو ناسخ ٹھیرایا جائے کسکو منسوخ، کس کو عام ٹھیرایا جائے کسکو خاص، کسکو موقت مانا جائے کسکو موبد۔ اس طرح نسخ، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہوگئے، عام طور پر تو نہیں ہر وقت بھی انکی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا

مثلاً ایک شخص نے اُن سے آکر کہا کہ "میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجیے کیونکہ اُس نے میری بی بی کا آئینہ چرایا جسکی قیمت ۶۰ درہم تھی" فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی، اسپر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا[1] اس سے یہ اُصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لیئے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مالِ مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرا لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایکدفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اُترے۔ عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے اُنھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روک دیا کہ نہ بتانا[2] اس سے دو اصول ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اصلِ اشیاء اباحت ہے، دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایکدفعہ رمضان میں بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانیکا دھوکا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے روزہ کھول لیا، تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا الخطب یسیر و قد اجتہدنا[3] یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں، ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے"

اسی قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ کوئی شخص چاہے تو اُن سے اُصولِ فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کیے انمیں اکثر ایسے ہیں جنمیں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا، اور ائمہ مجتہدین نے اُنکی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقرار سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایکہزار بتاتے ہیں، لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے ان سے اختلاف کیا۔ انہیں سے بعض مسائل ہیں جن صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں۔ مثلاً تیمم جنابت۔ منع تمتع حج۔ طلقات ثلث وغیرہ میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے، دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل میں اور خصوصاً اُن مسائل میں جو معرکۃ الآراء ہیں اور جنکو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے، عموماً حضرت عمرؓ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقتِ نظر پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے

حضرت عمرؓ کے مسائل کی تعداد

---

[1] موطا امام مالک [2] موطا امام محمد صفحہ ۶۶ [3] موطا امام محمد صفحہ ۱۸۴

سے حضرت عمر کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

اُنہیں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

ایک بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ خمس کا ہے، قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔	جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں ہاتھ آئے، اسکا پانچواں حصہ خدا کے لیئے ہے اور پیغمبر کے لیئے، اور رشتہ داروں کے لیئے، اور یتیموں کے لیئے اور غریبوں کے لیئے اور مسافروں کے لیئے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہؐ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہ میں "دریائے علم" کہلاتے تھے، نہایت زور کے ساتھ اس آیت سے خمس پر استدلال کرتے تھے، حضرت علی نے اگرچہ مصلحۃً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ لیکن رائے اُن کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں[1]۔ یہ صرف حضرت علی و عبداللہ بن عباس کی رائے نہ تھی، بلکہ تمام اہلبیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اسپر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ اُنھوں نے اہلبیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے، اُنکی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرتؐ کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا اسی طرح آنحضرتؐ کے قرابتداروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔ اب ہمکو غور کے ساتھ دیکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے، اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ۔ خمس کے مصرف

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱ روایت محمد بن اسحاق ۱۲

ہیں لیکن اُس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہی۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیئے ہیں وہاں بھی، بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ ہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اسمیں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں، فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ مولفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہد، مسافر، انہیں سے جسکو زکوٰۃ دیجائے ادا ہو جائیگی یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کیئے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائیگا کہ کون فرقہ اسوقت زیادہ مدد کا محتاج ہے کون کم اور کون بالکل نہیں۔ اور اسی اعتبار سے کسی کو زیادہ دیا جائیگا۔ کسی کو کم۔ اور کسیکو بالکل نہیں۔ یہ التزام مالا یلزم صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کیئے جائیں اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے، اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے، اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس، ان لوگوں کے سوا، اور کسیکو نہ دیا جائے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اُس کے پانچ برابر حصے کیئے جائیں اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقرار سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربیٰ میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو المطلب کو حصہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے، لیکن آپ نے اُنکو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے بتفصیل نقل کیا ہے[1]۔

(۲) بنو ہاشم و بنو المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے، علامہ بن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمہ بینہم علی السواء بین اغنیائہم وفقرائہم ولا کان یقسمہ قسمۃ	لیکن دولتمندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے۔۔ میراث کے قاعدہ سے تقسیم کرتے تھے

---

[1] زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

المیراث بل کان یصرفه فیهم بحسب المصلحة والحاجة فیزوج منهم اعزبهم ویقضی منه عن غارمهم ویعطی منه فقیرهم کفایته۔[1]

تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے اپنی کنواروں کی شادی کرتے تھے مقروضوں کا قرضہ ادا فرماتے تھے۔ غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔

ان واقعات سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے، ورنہ بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو بھی آنحضرت حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت کے قرابتدار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کی تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتوں میں ان سے مخالف تھے۔ ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ خمس کا پورا پانچواں حصہ ذوی القربیٰ کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا، خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعوےٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو بھی کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اور نسائی نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے۔

عرض علینا عمر بن الخطاب أن نزوج من الخمس ایّمنا ونقضی منه عن مغرمنا فابینا الا ان یسلمه لنا وابی ذلک علینا۔[2]

عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے قبضہ میں دیا جاوے۔ عمر نے اسکو منظور نہ کیا۔

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں۔ صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر نے ذوی القربیٰ کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایۃ ہے، اس لیئے اسکی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

---

[1] زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۶۲ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۱۔

قرآن مجید کے فحوی اور آنحضرتؐ کے طریقِ عمل کو منطبق کرکے دیکھو تو صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اسبات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کرسکتے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے قرآن مجید سے یہ تعیین و تحدید بالکل ثابت نہیں ہوسکتی۔ باقی ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصولِ عقلی کے لحاظ سے اس مسئلے کو دیکھو یعنی خمس میں سے آنحضرتؐ اور آنحضرتؐ کے قرابتداروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدابیر میں مشغول نہیں ہوسکتے تھے، اسلیے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لیے مخصوص کردیا جائے، اسوقت مال غنیمت، فے، انفال یہی آمدنیاں تھیں چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپؐ کا حصہ مقرر کیا تھا جسکا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے، اسکی مثال ایسی ہے جیسے پادشاہ کے ذاتی مصارف کے لیے خالصہ مقرر کردیا جاتا ہے ذوی القربیٰ کا حق اسلیے قرار دیا گیا تھا کہ اُن لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفارِ مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرتؐ کا ساتھ دیا اور جب آنحضرتؐ مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزیں ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بنا پر آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ کے لیے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابتداروں کے لیے، پانچواں حصہ مقرر کردیا گیا ہے۔ اور گو اُن کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو، اور گو وہ کتنے ہی دولتمند اور غنی ہوجائیں تاہم اُن کو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے، کون شخص یقین کرسکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت، یہ قاعدہ بنائیگا کہ اس کی تمام اولاد کے لیے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اُسمیں اور خودغرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا حضرت علیؓ و عبداللہ بن عباس جو خمس کے مدعی تھے اُنکا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لیے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرتؐ کے زمانے کے باقی رہگئے تھے اُنہی کی نسبت اُنکو ایسا دعوے ہوگا۔

ایک اور نہایت بالشان مسئلہ فَے کا ہے، یعنی وہ زمین یا جائداد جسکو مسلمان نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اسقدر معرکۃ الآراء ہے کہ صحابہ کے عہد سے آجتک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغِ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط مبحث اسمیں اسوجہ سے ہوا کہ فَے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سلب انہیں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں یہ قاعدہ بھی کسیقدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا، چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا، چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہؐ کے عہد میں بھی قایم رہا اسلیئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مالِ غنیمت، غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اُسکے پانی کا ہر حالت میں دعوے کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ ایکدفعہ اسپر جھگڑا اُٹھا۔ جنگِ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دُور تک چلے گئے کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہے تعاقب کرنے والے واپس آئے تو اُنھوں نے دعوے کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑکر آئے ہیں اِن لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے محافظ تھے، اس لیئے ہم زیادہ حقدار ہیں اسپر یہ آیت نازل ہوئی[1]

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔	تجھ سے لوگ، مالِ غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں۔ تو کہدے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے

اِس آیت نے اس اُصول کو مٹا دیا کہ تمام مالِ غنیمت لڑنیوالوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اسمیں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کیئے گئے تھے پھر یہ آیت اُتری

---

[1] زاد المعاد ابن القیم جلد ثانی صفحہ ۱۵۱۔ کتبِ حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے ۱۲

وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُم مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ
لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ
وَابْنِ السَّبِیْلِ۔

جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے تو اُسکا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے، اور پیغمبر کے لئے، اور رشتہ داروں کے لئے، اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لئے

اِس آیت سے یہ قاعدہ قائم ہوا کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے، مجاہدین کو تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر، آنحضرت اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام، نقد و اسباب سے متعلق تھے، زمین اور جائداد کے لیئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو ۴ھ میں واقع ہوا۔ سورۂ حشر کی یہ آیت اُتری

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ
لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ
وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ۔

یعنی جو زمین خداداد ہاتھ آئے، وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں، اور مسکینوں، اور مسافروں، اور فقراء مہاجرین، اور اُن سب لوگوں کی ہے جو آئندہ وہاں آئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کیجائیگی، بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہیگی، اور اُس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں گے۔ یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت اور فے کی ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور اُن کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اُسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیئے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بناء پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالکِ مفتوحہ اُنکو تقسیم کر دیئے جائیں چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن العوام، بلال بن رباح نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ اس پر جیسا کہ ہم صیغۂ محاصل میں لکھ آئے ہیں) بہت بڑا مجمع ہوا، اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمرؓ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا

اور آیت کے یہ الفاظ وَالَّذِینَ جَآءُو مِنۢ بَعْدِهِم پڑھ کر فرمایا کہ۔

وكانت هٰذه عامة لمن جآء من بعدهم فقد صار هٰذا الفی بین هٰؤلآء جمیعًا فكیف نقسمه لهٰؤلآء وندع من تخلف بعدهم	تو یہ تمام آیندہ آنیوالوں کے سب ہے۔ اور اس بنا پر یہ ممالک تمام لوگوں کا حق ٹھیرے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کردوں اور ان لوگوں کو محروم کردوں جو آیندہ پیدا ہونگے۔

امام شافعی اور اُن کے ہمخیالوں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کردیا تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی توفتح ہوئے یہاں تک کہ آنحضرت کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہوچکا تھا لیکن آنحضرت نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی ؟

اسی سلسلے میں **باغ فدک** کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآرا رہا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ، خاص آنحضرت کی جائداد تھی کیونکہ اُسپر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت کو سپرد کردیا تھا اور اسوجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

وَمَآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْهُمْ فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُۥ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ۔	یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو اُن لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اُس پر اُونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے، لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جسپر چاہتا ہے مسلط کردیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب وہ آنحضرت کی مملوکہ خاص ٹھیری تو اُسمیں وراثۃ کا عام قاعدہ، جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہوگا، اور آنحضرت کے ورثہ اس کے مستحق ہونگے، لیکن حضرت عمر نے، باوجود حضرت علی کے طلب و تقاضا کے آلِ نبی کو اس سے محروم رکھا۔"

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں سے بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مُدن کے اصول، زیادہ صاف اور عام فہم ہوگئے ہیں یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں ہا

---

۱ کتاب الخراج صفحہ ۱۵۔ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں مذکور ہے ۱۲

کہ بحث کے دائرے میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی، یا امام، یا بادشاہ کے قبضہ میں جو مال یا جائداد ہوتی ہے اُسکی دو قسمیں ہیں ایک **مملوکہ خاص** جسکے حاصل ہونے میں نبوّت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داود، زرہ بناکر معاش حاصل کرتے تھے، یا عالمگیر قرآن لکھ کر بسر کرتا تھا یہ آمدنی اُنکی ذاتی آمدنی تھی اور اُسپر ہر طرح کا اُنکو اختیار تھا دوسری **مملوکہ حکومت** مثلاً حضرت داود کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری، یا امامت، یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اُسکا مالک یا متولی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کیموافق بالکل ایک بدیہی بات ہے، مثلاً سلطان عبد الحمید خاں کے بعد، اُن کے ممالک مقبوضہ یا اُنکی جاگیر خالصہ اُن کے بیٹے بھائی، ماں، بہن، وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا اُسپر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ مُسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اُسمیں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی اپنے زمانے میں اُس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ اُنکی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؓ و عباسؓ۔ و محمد بن حنفیہ و زینبؓ وغیرہ کو جو حضرت علی کے وارث تھے اسکا کچھ کچھ حصہ۔ سہام کے پڑتہ سے ملتا، بلکہ صرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائداد۔ نبوۃ یا امامت یا پادشاہت کے منصب سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا اسکی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرتؐ جب خیبر کی فتح سے پھرے، تو محیصہ بن مسعود انصاری کو۔ فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا فدک، یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور انکا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی[1]۔ اُسوقت سے یہ باغ اسلام کے قبضے میں آیا۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ذکر فدک ۱۲

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد، آنحضرتؐ کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے **فدک کی ملکیتِ خاص کا** دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعہ سے قبضہ میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا انکو کسی نے آنحضرتؐ کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی اسکی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینیں علانیہ وقفِ عام رہیں لیکن فدک کو آنحضرتؐ نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرتؐ کی جائداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اور اسلئے اسپر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق نہیں حاصل تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرت نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں

فکَانَ نِصْفُ فَدَکَ خالِصًا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ وَ کَانَ یَصْرِفُ مَا یَاتِیہِ مِنْہَا اِلٰی ابناءِ السَبِیْلِ[1]	یعنے آدھا فدک، خاص رسول اللہ کا تھا آنحضرت اُس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے

ایک اور روایت میں ہے۔

اِنَّ فدکَ کانَتْ للنبیِّ صلعم فکان ینفق منھا و یاکل و یعود علیٰ فقراء بنی ھاشم و یزوج ایمھم[2]۔	یعنے فدک آنحضرت کا تھا آپ اس سے خرچ لیتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے اور اُن کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔

بخاری وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرتؐ سال بھر کا اپنا خرچ اسمیں سے لیتے تھے باقی عام مسلمین

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۹ [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۱۔

کے مصالح میں دیدیتے تھے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا مملوکۂ نبوۃ ہونا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کے لیئے کوئی جائداد خالصہ کر دیجاتی ہے اِس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے **وقف** کی حیثیت اُس سے زائل نہیں ہوئی اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی اِن اُصول سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر اُنھوں نے **فدک** میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہیں؟

عراق و شام کی فتح کیوقت حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اسمیں قرآن مجید کی اس آیت سے مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ اَلخ استدلال کر کے صاف کہدیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی مِلک نہیں ہیں بلکہ وقفِ عام ہیں چنانچہ **فے** کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے، البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اِس آیۃ سے پہلے جو آیت ہے اُس سے **فدک** وغیرہ کا آنحضرتؐ کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے، اور خود حضرت عمرؓ اسکے یہی معنے قرار دیتے تھے، آیۃ یہ ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ۔	اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہود بنی النضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اُس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے، بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مُسلط کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اِس آیت کو پڑھکر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری - باب الخمس، اور باب المغازی، اور باب المیراث میں بتفصیل مذکور ہے۔

اسمیں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اِس آیت کی بنا پر فدک وغیرہ کو آنحضرتؐ کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اُسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، جس طرح سلاطین کے مصارف کے لیئے کوئی زمین خاص کر دیجاتی ہے کہ اسمیں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اُس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اِس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ اُنھوں نے جب آیت مذکورۂ بالا کی

بناء پر فدک کو آنحضرت کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی میں مذکور ہیں

فکان رسول اللہ ینفق علی اھلہ نفقۃ سنتہم من ھذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللہ فعمل رسول اللہ بذلک حیاتہ ثم توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فقبضہا ابوبکر فعمل فیہا بما عمل رسول اللہ۔ ثم توفی اللہ ابابکر فکنت انا ولی ابی بکر فقبضتہا سنتین من امارتی اعمل فیہا بما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبما عمل فیہا ابوبکر۔	آنحضرت۔ اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے باقی کو خدا کے مال کی طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت نے زندگی بھر اسی پر عمل فرمایا پھر وفات پائی تو ابوبکر نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں پس اسپر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہ کرتے تھے پھر انھوں نے وفات پائی تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا پس میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے" تاہم آنحضرت کی ذاتی جائداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثۃ جاری ہو) اور اسوجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اسکو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا جانشین ہو، چنانچہ حضرت ابوبکر اور خود اپنے قبضہ کی وجہ یہ بتائی۔

حضرت عمر نے یہ تقریر اسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی ان کے پاس فدک کے دعویدار ہوکر آئے تھے اور انھوں نے کہدیا تھا کہ اسمیں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر کے نزدیک۔ فدک وغیرہ آنحضرت کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق کی فتح کیوقت، حضرت عمر نے اسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے فھذہ عامۃ فی القری کلھا یعنے جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔ تمام آبادیاں رسول [illegible] قبضہ میں [illegible]

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذو جہتین ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا چنانچہ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں[1] فھو ملک یخالف حکم غیرہ من المالکین۔ وھذا النوع من الاموال ھو القسم الذی وقع بعدہ فیہ من النزاع ما وقع الی الیوم۔ ولولا اشکال امرہ علیھم لما طلبت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلعم میراثھا من ترکتہ وظنت انہ یورث عنہ ما کان ملکاً لہ کسائر المالکین وخفی علیھا رضی اللہ عنھا حقیقۃ الملک الذی لیس مما یورث عنہ۔ ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتدا سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور جنمیں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا، حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محمل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات

اور

اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا، لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے، ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت، قوت تقریر، شاعری، نسابی، سپہگری، بہادری، آزادی مقدم چیزیں تھیں، اور ریاست و افسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب میں کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اسکو اور زیادہ جلا دیدی تھی۔ یہی قابلیت تھی جسکی وجہ سے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے۔ ان کے معمولی جملوں میں آرٹیری کا اثر اور برمحل فقرے جو انکے مونہ سے نکل جاتے تھے انمیں بلاغت کی

---

[1] زاد المعاد صفحہ ۱۶۳ جلد دوم۔

روح پانی جاتی تھی، عمرو بن معدیکرب سے جب پہلے پہل ملے تو چونکہ وہ نہایت معمولی تن و توش کے آدمی تھے اس لیئے متعجب ہو کر کہا اللّٰہ! اسکا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے۔ مطلب یہ کہ ہم میں اور اُن میں اسقدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کا کام نہیں معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ میں ابوعبیدہ نے جب اُن پر اعتراض کیا کہ آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں تو کسقدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ "ہاں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کیطرف بھاگتا ہوں" مختلف وقتوں میں جو خطبے انھوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے اُنکے زورِ تقریر و برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا، اُس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ غَلِیْظٌ فَلَیِّنِّیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ضَعِیْفٌ فَقَوِّنِیْ	اے خدا میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر میں کمزور ہوں مجھکو قوت دے
اَلَا وَاِنَّ الْعَرَبَ جَمَلٌ اَنِفٌ وَقَدْ اُعْطِیْتُ خِطَامَهٗ	ہاں عرب والے سرکش اونٹ ہیں جنکی مہار میرے ہاتھ
اَلَا وَاِنِّیْ حَامِلُهٗ عَلَی الْمَحَجَّةِ۔	میں دیگئی ہے لیکن میں ان کو رستہ پر چلا کر چھوڑونگا

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب انھوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لیئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد وہاں سے بلا لیئے گئے تھے، اس موقع پر حضرت عمرؓ کے زورِ تقریر کا اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع میں آگ سی لگ گئی، دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے، عیسائیوں کا لاٹ بشپ تک شریک تھا، اس کے ساتھ مختلف مذہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا، مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی، غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے، فوج کے سامنے خالد کی معزولی کا عذر کرنا تھا، ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک اُنکی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگوں کی زبانوں پر رہے، فقہاء نے اُس سے فقہی مسائل استنباط کیے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں، تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام لیا۔

سنہ ۲۳ھ میں جب حج کیا اور یہ انکا اخیر حج تھا، تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا۔ کہ عمرؓ مر جائینگے تو میں طلحہ کے ہاتھ پر بیعت کرونگا، حضرت عمرؓ مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برافروختہ ہوکر فرمایا کہ آج رات کو میں اس مضمون پر خطبہ دونگا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کی کہ امیرالمومنین! حج کے مجمع میں ہر قسم کے برے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں، اگر آپ نے یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکیں گے، مدینہ چلکر خواص کے مجمع میں تقریر کیجیے، وہ لوگ بات کا ہر پہلو سمجھ سکتے ہیں حضرت عمرؓ نے یہ رائے تسلیم کی، آخر ذی الحجہ میں مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن۔ لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آ آکر جمع ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس زیادہ مشتاق تھے، اس لیئے ممبر کے قریب جاکر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہوکر کہا کہ، آج عمرؓ ایسی تقریر کرینگے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انھوں نے پہلے نہیں کہی ہ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاریؒ میں مذکور ہے اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابوبکرؓ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اسوقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہیئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔[1]

جن مجمعوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں انہیں اُن کے خطبے کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا۔ مترجم۔ ساتھ کے ساتھ اسکا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔[2]

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکہ کے جو خطبے ہوتے تھے انہیں تیار ہو کر جاتے تھے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود انکا بیان ہے کہ "میں خوب تیار ہو کر گیا تھا"۔

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے، اور خطبہ دینے کے لیئے منبر پر چڑھے تو دفعۃً رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی اُس وقت یہ عذر کیا کہ "ابوبکر و عمر خطبہ کے لیئے تیار ہو کر آتے تھے اور آیندہ سے میں بھی ایسا ہی کرونگا"۔

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن انکا خود بیان ہے کہ "نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ صفحہ [illegible]

[2] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۱ حصہ دوم۔

آتا، عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمر کی اس معذوری کی وجہ پوچھی، اُس نے کہا[1]۔ نکاح کے خطبہ میں سامعین میں سے ہر شخص برابر کا درجہ رکھتا ہے، خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب ممبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اسکو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اسوجہ سے خود بخود اسکی تقریر میں بلندی اور زور آجاتا ہے لیکن ہمارے نزدیک اسکی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے خطبہ میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

یکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت، فخر و ادعا، قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی تدبیری معاملات خطبے میں نہیں ادا ہو سکتے تھے، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جسنے پولیٹکل خطبے دیئے اسکے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کرتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اُس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے

سکے لیے
یں درکا

خطبہ کے لیے ملکۂ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمرؓ میں سب موجود تھیں آواز بلند اور پر رعب تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ممبر پر کھڑے ہیں اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُنکے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا[2] اُسکے یہ الفاظ ہیں۔

اِنّی لا اَجِدُ ھٰذا المال یصلحہ الا خلال ثلث۔ ان یوخذ بالحق ویعطی بالحق ویمنع من الباطل ولست ادع احدًا یظلم احدًا حتی اضع خدہ علی الارض واضع قدمی علی خدہ الآخر حتی یذعن للحق۔ یا اَیُّھا النّاسُ اِنَّ اللہَ عَظَّمَ حقّہٗ فوق حقِّ خلقِہٖ فقالَ فِیما عَظَّمَ مِن حقِّہٖ وَلَا یامُرکُم اَن تَتَّخِذُوا الملٰئکۃَ اَرباباً اَلَا وَاِنّی لَم اَبعَثکُم اُمراءَ وَلَا جَبّارِینَ وَلٰکِن بَعَثتُکُم اَئِمَّۃَ الھُدیٰ یُھتَدیٰ بِکُم وَلَا تُغلِقُوا الاَبوابَ دُونَھُم فَیاکُلُ قَوِیُّھُم ضَعِیفَھُم۔ ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہیں فانتم مستخلفون فی الارض قاھرون لاھلھا۔ قد نصر اللہ دینکم فلم تُصبِح اُمّۃٌ مُخالِفَۃٌ لِدینِکُم اِلَّا اُمَّتان۔ اُمّۃٌ مُستَعبَدَۃٌ لِلاِسلامِ واھلِہٖ یَجزُونَ لکُم علیھِم المؤنۃ ولکُم المنفعۃ وَاُمّۃٌ یَنتَظِرُونَ وَقائعَ اللہِ وسطواتہٖ فی کُلِّ یَومٍ وَلَیلَۃٍ قَد مَلاءَ اللہُ قُلُوبَھُم

---

[1] کتاب البیان والتبیین للجاحظ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۔

رُعْبًا قَدْ دَهَمَتْهُمْ جُنُوْدُ اللّٰهِ وَنَزَلَتْ بِسَاحَتِهِمْ مَعَ رِفَاهَةِ الْعَيْشِ وَاسْتِفَاضَةِ الْمَالِ وَتَتَابُعِ الْبُعُوْثِ وَسَدِّ الثُّغُوْرِ[1]

حضرت عمرؓ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا اللھم لا تدعنی فی غمرۃ ولا تاخذنی علی غرۃ ولا تجعلنی مع الغافلین[2]۔ قوت تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی انکو کمال تھا، ان کے فرامین، خطوط، دستور العمل، توقیعات ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں، جو تحریر جس مضمون پر ہے اسباب میں بےنظیر ہے، چنانچہ ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

قوت تحریر

ابوموسیٰ اشعری کے نام۔ امّا بعد فان للناس نفرۃً عن سلطانھم فاعوذ باللہ ان تدرکنی وایاک عمیاء مجھولۃ وضغائن محمولۃ واھواء متّبعۃ کن من مال اللہ علی حذر وخف الفساق واجعلھم یدًا یدًا ورجلًا رجلًا واذا کانت بین القوم نائرۃ یا لفلان یا لفلان فانما تلک نجوی الشیطان فاضربھم بالسیف حتی یفیئوا الی امر اللہ ویکون دعوتھم الی الاسلام۔

ایک اور تحریر ابوموسیٰ کے نام۔ امّا بعد فان القوۃ فی العمل ان لا تؤخروا عمل الیوم لغدٍ فانکم اذا فعلتم ذلک تدارکت علیکم الاعمال فلم تدروا ایھا تاخذون فاضعتم۔

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا، تو انھوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی، حضرت عمرؓ نے تاکید لکھی، عمرو بن العاص نے لیت و لعل کیا، حضرت عمرؓ نے غصہ میں آکر زجر و تہدید کا خط لکھا۔ عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا، یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہٖ نقل کی ہیں، ان کے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے بعض فقرے یہ ہیں وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْكَ مِنْ ذٰلِكَ اِلَّا اَنَّ عُمَّالَكَ عُمَّالُ السُّوْءِ اتَّخَذُوْكَ كَهْفًا وَعِنْدِيْ بِاِذْنِ اللّٰهِ دَوَاءٌ فِيْهِ شِفَاءٌ۔ اِنِّيْ عَجِبْتُ مِنْ كَثْرَةِ كُتُبِيْ اِلَيْكَ فِيْ اِبْطَائِكَ بِالْخَرَاجِ وَكِتَابِكَ اِلَيَّ بِثُنَيَّاتِ الطُّرُقِ عَمَّا اَسْاَلُكَ فِيْهِ۔ فَلَا تَجْزَعْ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَنْ يُؤْخَذَ مِنْكَ الْحَقُّ وَتُعْطَاهُ فَاِنَّ النَّهْرَ يُخْرِجُ الدُّرَّ۔

مذاق شاعری

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ انکی شہرت عام طور پر کم ہے، اور اسمیں شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے

---

[1] ازالۃ الخفا ماخوذ از تاریخ طبری [2] عقد الفرید خطاب عمرؓ۔

لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ انکی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہوسکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر اُن کی خاص خاص رائیں تھیں، اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ اُن کے زمانے میں اُن سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشیق القیروانی، کتاب العمدہ میں جسکا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وکان من انقد اھل زمانہ للشعر وانفذھم فیہ معرفۃ۔[1]	یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے نقاد اور رازشناس تھے۔

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے۔

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر[2]	یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھکر شعر کے شناسا تھے۔

نجاشی ایک شاعر تھا جسنے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کہی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اسکی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے حسّان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حَکم قرار دیا اور جو فیصلہ اُنھوں نے کیا اُسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعر فہم نہ تھے۔ اسلیئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمتِ عملی تھی کہ وہ بدزبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے، ورنہ شعر کے دقائق اُن سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔[3]

حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو اُنھوں نے سب میں انتخاب کیا تھا **امرء القیس، زہیر، نابغہ**، ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اسکو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے، اہلِ عرب اور علمائے ادب کے نزدیک ابتک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اسپر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انھی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی، جریر بھی اسیکا قائل تھا، ایکدفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمرؓ

رت عمر
ہیر کو اشعر
عراء کہتے

---

[1] کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء [2] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر صفحہ ۹۵ [3] دیکھو کتاب البیان والتبیین للجاحظ صفحہ ۹۵ وکتاب العمدہ باب تعرض الشعراء

کے ساتھ تھے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو، عبداللہ بن عباسؓ نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر، انھوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی حضرت عمرؓ نے اُسکے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے

زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا ریمارک۔

لانه لا يتبع حوشي الكلام ولا يعاظل من المنطق و	وہ زہیر نا مانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا اُسکے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی، اور وہی مضمون کو
لا يقول الا ما يعرف ولا يمتدح الرجل الا بما يكون فيه	ادا کرتا ہے جس سے وہ واقف ہے جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو حقیقتاً اُس میں ہوتے ہیں

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ابتدرت قيس بن عيلان غاية من المجد من يسبق اليها يسود +
ولو كان حمد يخلد الناس لم تمت ولكن حمد الناس ليس بمخلد

ناقدینِ فن نے، زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اسمیں بتائی ہیں وہ یہ ہیں، کہ اُسکا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اسکے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اُسکی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اسکے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا، حضرت عمرؓ نے اِن تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیر کا ممدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیرؔ اور ہرمؔ دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور اُن کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اُس نے ارشاد کی تعمیل کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا، اُس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں، لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اُسکا دیا ہوا آج بھی باقی ہے" زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے۔ اُسنے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کیے تھے۔ زمانہ اُن کو بوسیدہ نہ کر سکا[1]۔

نابغہ کا اعتراف

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اسکے اکثر اشعار اُنکو یاد تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھکر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے فرمایا یہ شعر کس کا ہے؟

---

[1] اغانی تذکرہ زہیر

الا سلیمان اذ قال الالہ لہ || قم فی البریۃ فاحددھا عن الفند

لوگوں نے کہا نابغہ کا پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتیتک عاریاً خلقاً ثیابی || علی خوف تظن بی الظنون

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں؟

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ || ولیس وراء اللہ للمرء مذھب

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ فرمایا "یہ شخص اشعر العرب ہے۔"[1]

امرء القیس کی نسبت رائے

باایں ہمہ وہ امرء القیس کی استادی اور ایجادِ مضامین کے منکر نہ تھے، ایکدفعہ حضرت عبداللہ بن عباس نے شعرا کی نسبت انکی رائے پوچھی تو امرء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سابقھم خسف لھم عین الشعر || وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمہ سے پانی نکالا

وافتقر عن معان عورا صح بصر || اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا

اخیر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امرء القیس یمنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر مانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے[2]

شعر کا ذوق

حضرت عمرؓ کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لیکر پڑھتے تھے ایکدفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے یہ شعر آیا۔

وان الحق مقطعہ ثلاث || یمین او نفار او جلاء

تو حسنِ تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے، اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کیے، ایک اور دفعہ عبدۃ ابن الطبیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر

والمرء ساع لامر لیس یدرکہ || والعیش شح واشفاق وتامیل

پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح **ابوقیس بن الاصلت** کا قصیدہ

---

[1] اغانی تذکرہ نابغہ ۱۲ [2] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء۔

سُنا تو بعض اشعار کو دیر تک دُہرایا کیے[۵۱]

حفظ اشعار

اگرچہ انکو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونیکا موقع نہیں ملسکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سیکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے علمائے ادب کا بیان ہے کہ اُنکے حفظِ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی فیصلہ کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، شرافت نفس، حمیت، غیرت کے مضامین ہوتے تھے، اسی بنا پر اُمرائے فوج اور عمال اضلاع کو حکم بھیجدیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کیجائے۔ چنانچہ ابو موسےٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

مر من قبلك بتعلم الشعر فانه يدل على معالي الاخلاق وصواب الرأي ومعرفة الانساب۔	لوگوں کو اشعار کے یاد کرنے کا حکم دو، کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف رستہ دکھاتے ہیں۔

اشعار کا تعلیم میں داخل کرنا

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اُسکے یہ الفاظ تھے[۵۲]۔

علموا اولادكم العوم والفروسية ورووهم ما سار من المثل وحسن من الشعر	اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ، اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔

شاعری کی اصلاح

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے۔ اُسوقت تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے اور اُن سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس رسم کو بالکل مٹا دیا اور اسکی سخت سزا مقرر کی، اسی طرح ہجوگوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حطیہ کو جو مشہور ہجوگو تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ

لطیفہ۔ بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ایک شاعر نے اُنکی ہجو لکھی، اُنھوں نے حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ اُنھوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا الله عادى اهل لؤم ورقة	فعادى بنى العجلان رهط ابن مقبل
خدا، اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے	تو قبیلۂ عجلان کو بھی دشمن رکھے

---

[۵۱] یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (صفحہ ۹۶ و ۹۸) میں نقل کی ہیں [۵۲] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۲

حضرت عمر نے فرمایا۔ یہ تو ہجو نہیں بلکہ بد دعا ہے اور ممکن ہے کہ خدا اُسکو قبول نہ کرے۔ اُنھوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

قُبَیِّلَتُھُمْ لَا یَغْدِرُوْنَ بِذِمَّۃٍ
یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا
وَلَا یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ حَبَّۃَ خَرْدَلٍ
اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا

حضرت عمر نے فرمایا "کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا" حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

وَلَا یَرِدُوْنَ الْمَاءَ اِلَّا عَشِیَّۃً
یہ لوگ چشمے یا کنوے پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں
اِذَا صَدَرَ الْوُرَّادُ عَنْ کُلِّ مَنْھَلٍ
جب اور لوگ واپس آ چکتے ہیں

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بیکس اور کمزور لوگ ایسا کیا کرتے تھے حضرت عمر نے یہ شعر سن کر کہا کہ بھیڑیے سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے" اُنھوں نے آخر یہ شعر پڑھا۔

وما سمی العجلان الا لقولھم
اسکا نام عجلان اس لیے پڑا کہ لوگ اُس سے کہتے تھے
خذ القعب واحلب ایھا العبد واعجل
کہ اے او غلام! پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دوہ لا۔

حضرت عمر نے فرمایا "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ"

علم الانساب

علم الانساب یعنے قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، حضرت عمر کا خانہ زاد علم تھا۔ یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا، اُن کے باپ **خطّاب** مشہور نسّاب تھے۔ حضرت عمر اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر انکا حوالہ دیا کرتے تھے۔ خطّاب کے باپ **نفیل** بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم، حضرت عمر کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔ لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں، اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اُنھوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، روایات سے ثابت ہے کہ اسوقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرت کے زمانہ میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور چونکہ مسلمان عبری نہیں

عبرانی زبان سے واقفیت

جانتے تھے اسلیئے یہودی پڑھکر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ

کان اھل الکتاب یقرؤن التوراۃ بالعبرانیۃ و یفسرونہا بالعربیۃ لاھل الاسلام[۱]	یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لیئے عربی میں اسکا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند دارمی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اسکو پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا[۲]۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اسقدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جسدن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے، انکا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن انکے ہاں جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمھارے ہم مذہبوں میں سے ہم تمکو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو[۳]۔

حضرت عمرؓ کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جسقدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے اُسی قدر ان کے بیہودہ افسانوں اور قصوں سے اُنکو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں۔ مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نہایت سختی سے اُن کے پڑھنے سے روکا، اُنکی ذہانت وطباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ اُن کے فقہی اجتہادات سے ہوسکتا ہے جسکا ذکر علمی کمالات میں اُوپر گزر چکا۔ لیکن اُنکی معمولی سے معمولی بات بھی ذہانت وطباعی سے خالی نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

ذہانت

حضرت عمار بن یاسر کو جب اُنھوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرا تھا کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب داب اور سیاست کے آدمی نہیں حضرت عمرؓ نے اُنکو واپس بلالیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید خدا آپکو اِس آیت کا

---

[۱] صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۹۴ [۲] مسند دارمی مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۲ [۳] کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول صفحہ ۲۲۳

مصداق بنائے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ۔	ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور اُن کو امام اور زمین کا، وارث بنائیں۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سُنا کہ خدایا مجھکو فتنوں سے بچانا،، فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تم کو آل و اولاد نہ دے، قرآن مجید میں خدا نے آل و اولاد کو فتنہ کہا ہے اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں۔ قصر ہے یا نہیں؟ اسکی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا، کیوں نہیں، خدا خود فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	وہ (خدا) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے

حکیمانہ مقولے

اُن کے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں، اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کیے ہیں، نمونہ کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

مَنْ كَتَمَ سِرَّهٗ كَانَ الْخِيَارُ فِيْ يَدِهٖ۔	جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے
اِتَّقُوْا مَنْ تُبْغِضُهٗ قُلُوْبُكُمْ۔	جس سے تم کو نفرت ہو اُس سے ڈرتے رہو۔
اَعْقَلُ النَّاسِ اَعْذَرُهُمْ لِلنَّاسِ۔	سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو لوگوں کے اعمال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو۔
لَا تُؤَخِّرْ عَمَلَ يَوْمِكَ اِلٰى غَدِكَ۔	آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھو۔
اَبَتِ الدَّرَاهِمُ اِلَّا اَنْ تُخْرِجَ اَعْنَاقَهَا۔	روپے، سر اونچا کیے بغیر نہیں رہتے۔
مَا اَدْبَرَ شَیْءٌ فَاَقْبَلَ۔	جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھی۔
مَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الشَّرَّ يَقَعْ فِيْهِ۔	جو شخص بُرائی سے بالکل واقف نہیں۔ وہ بُرائی میں مبتلا ہوگا
مَا سَاَلَنِیْ رَجُلٌ اِلَّا تَبَيَّنَ لِیْ فِیْ عَقْلِهٖ۔	جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھکو اُس کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے
(واعظ سے خطاب کرکے) لَا يُلْهِكَ النَّاسُ عَنْ نَفْسِكَ۔	لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ۔

---

[1] تاریخ طبری واقعہ عمار بن یاسر [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۵۔

اَقْلِلْ مِنَ الدُّنْیَا تَعِشْ حُرًّا	دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کر سکوگے۔
تَرْکُ الْخَطِیْئَةِ اَسْهَلُ مِنْ مُعَالَجَةِ التَّوْبَةِ	توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے
لِیْ عَلٰی کُلِّ خَائِنٍ اَمِیْنَانِ اَلْمَآءُ وَالطِّیْنُ	ہر بددیانت پر میرے دو دیانتدار محتسب ہیں۔ آب و گل۔
لَوْ اَنَّ الصَّبْرَ وَالشُّکْرَ بَعِیْرَانِ مَا بَالَیْتُ عَلٰی اَیِّهِمَا رَکِبْتُ۔	اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اسکی پروا نہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں
رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَءً اَهْدٰی اِلَیَّ عُیُوْبِیْ	خدا اُس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے میں بھیجتا ہے

اصابت الرائے

اذان کا طریقہ حضرت عمر سے قائم

اسیران بدر

ازواج مطہرات کا پردہ

منافقوں پر نماز جنازہ

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ "جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ "میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے" تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا"[1] اس سے زیادہ اصابتِ رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ انکی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آجتک قائم ہیں نماز کے اعلان کے لیئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے تُرہی کی رائے دی، حضرت عمر نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے، آنحضرت نے اُسیوقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں، چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ **اذان** کا طریقہ قائم ہوا، اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لیئے اِس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزوں نہیں ہوسکتا تھا۔ اسیرانِ بدر کے معاملہ میں جب اختلاف ہوا، تو حضرت عمر نے جو رائے دی، وحی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرت کے ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں، حضرت عمر کو اسپر بارہا خیال ہوا اور اُنھوں نے آنحضرت سے عرض کیا، لیکن آنحضرت وحی کا انتظار فرماتے تھے، چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جسکو آیت **حجاب** کہتے ہیں عبد اللہ بن اُبی جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا، تو آنحضرت نے خلقِ نبوی کی بنا پر اُسکے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی، حضرت عمر نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اُسپر یہ آیت اُتری وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری باب اسلام عمر

حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدوّن و مرتب ہوا ورنہ حضرت ابوبکرؓ اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے مخالفت کی تھی۔ تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعوں کے، عموماً حضرت عمرؓ ہی کی رائیں صائب نکلیں۔ ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرائے[1] تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیے جائیں ایک حضرت عمرؓ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے انکی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے حضرت عمرؓ نے حقوق اور کارگزاری کے فرقِ مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں صاحبوں نے اُمہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمرؓ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

خلافت
نسبت
حضرت عمرکی
رائے

وہ ہر کام میں غور اور فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے انکا قول تھا

کہ۔ لَا يُعْجِبَنَّكُمْ مِنَ الرَّجُلِ طَنْطَنَتُهٗ اکثر کہا کرتے تھے۔ لَا تَنْظُرُوا اِلٰی صَلٰوةِ امْرِءٍ وَلَا صِيَامِهٖ وَلٰكِنِ انْظُرُوا اِلٰی عَقْلِهٖ وَصِدْقِهٖ۔	یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سن کر دھوکے میں نہ آؤ۔ یعنی آدمی کی نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اسکی سچائی اور عقل کو دیکھو۔

ایکدفعہ ایک شخص نے اُن کے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اُسنے کہا نہیں پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اُس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں[2] احادیث

---

[1] قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی السواد حین افتتح فرای عامتهم ان یقسمه دوسری جگہ لکھے ہیں ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجماعة المسلمین ارادوا عمر بن الخطاب ان یقسم الشام الخ دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۵۔

[2] یہ قول ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۱۹۷ میں نقل کیا ہے ۱۲

کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین جس شخص کو ظاہر میں زاہد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایۃ شخص تھا اُس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں! اُنھوں نے فرمایا کہ

غرّني بكثرة جلوسه في المسجد	بعض اسباب سے مجھکو دھوکا دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔

مذہبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کیوجہ سے کم فرصت ملتی تھی اسلئے عبادت کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ معمول تھا[51] کہ رات کو نفلیں پڑھتے رہتے، جب صبح ہونیکو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلوٰۃِ[52] فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ آیتیں پڑھتے۔ عبداللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو اُنھوں نے سورۂ یوسف اور سورۂ حج پڑھی تھی۔ یونس کہف۔ ہود کا پڑھنا بھی اُن سے مروی ہے

نماز

نماز، جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ میں اسکو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آپڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اسکو انجام دیتے، ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں کہ ایک شخص صف سے نکلکر اُنکی طرف بڑھا۔ وہ اُسکی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اُس سے باتیں کرتے رہے[53]۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو لو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات، جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اسقدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا خود اُنکا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں ایک اور روایت ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیہ کا حساب کیا[54]۔ ایکدفعہ نماز پڑھ رہے تھے یہ آیت فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اُٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ نماز میں اسقدر اشارہ کرنا جائز ہے[55]۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے موطا امام مالک میں ہے کہ ایکدفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اُسوقت پونہچے کہ حضرت عمر نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر نے اُنکی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟

---

۵۱ فتح المغیث صفحہ ۱۲۸ ۵۲ موطا امام مالک ۵۳ ازالۃ الخفا بحوالہ المصنف بن ابی شیبہ صفحہ ۹۱ ۵۴ ازالۃ الخفا بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ۵۵ ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۵

اُنھوں نے کہا میں بازار سے آرہا تھا کہ اذان سُنی فوراً وضو کرکے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کیے تھے لیکن انھی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدہر ہے تو اُسکے مارنے کے لیے درہ اُٹھایا[1]۔

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذے سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اسکا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایکدفعہ ابوموسیٰ اشعری سے مخاطب ہوکر کہا کہ کیوں ابوموسیٰ! تم اسپر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے۔ ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سرابر پر چھوٹ جائیں یعنے نہ ہمکو ثواب ملے نہ عذاب" ابوموسیٰ نے کہا نہیں میں تو اسپر ہرگز راضی نہیں، ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہمکو بہت کچھ اُمید ہے" حضرت عمرؓ نے کہا "اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسیقدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں مرتے وقت یہ شعر پڑھتے تھے

ظَلُومٌ لِنَفْسِی غَیْرَ اَنِّی مُسْلِمٌ
اُصَلِّی الصَّلٰوۃَ کُلَّھَا وَاَصُوْمُ

میں نے اپنی جان پر ظلم کیے ہیں۔ ہاں اتنا ہے
کہ مسلمان ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں

تعصبی

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے۔ اور آجکل کے مقدس لوگوں کی طرح تصلب اور سختی نہ تھی۔ ہمارے علما۔ عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام بخاری اور امام شافعی نے روایت کی ہے[2] کہ تَوَضَّأَ مِنْ مَآءٍ جِیئَ بِہٖ مِنْ عِنْدِ نَصْرَانِیَّۃٍ[3] بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے تَوَضَّأَ عُمَرُ مِنْ مَآءٍ فِی جَرِّ نَصْرَانِیَّۃٍ۔ یعنی حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اُسکو کھاؤ[4]" عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آجکل مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کردیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۰۲۔ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۸۰ جلد دوم۔ [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۸۔ [4] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۰۳ جلد دوم۔

گذر ہو تو عیسائی اسکو تین دن مہمان رکھیں آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمر کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ انکی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (یعنے وہ عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں "وازانجملہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تاکید فرمود"[1]

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے بہت منع کرتے تھے، افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کر لیا ہے لیکن جس شخص نے محب طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ انکی روایتوں کا کیا پایہ ہے، ان بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ عراق۔ مصر۔ شام کا دفتر مالگذاری جسقدر تھا سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا اور اسوجہ سے دفتر مالگذاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی تھے۔ ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمر نے فن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لیے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا، چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بتصریح لکھا ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں۔

ابعث الینا رومیا یقیم لنا حساب فرائضنا	ہمارے پاس ایک رومی کو بھیجو جو فرائض کے حساب کو درست کرے۔

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ میں نہیں جا سکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمر کے زمانہ میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ معظمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں[2]۔ آجکل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں انکو سمجھنا چاہیے کہ آج کا زمانہ اسلام کی اصلی تصویر نہیں ہے اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

حضرت عمر کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اکثر اصحاب بدر (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۳۰۷ جلد دوم [2] کتاب الخراج صفحہ ۷۸ و ۷۹۔

رسول اللہ کے شریک تھے، مجلس میں جمع تھے، حضرت عمر نے مجمع صحابہ کیطرف خطاب کر کے کہا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں، بعض بالکل چپ رہے۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس کیطرف دیکھا۔ اُنھوں نے کہا اسمیں آنحضرت کی وفات کی طرف اشارہ ہے، یعنی اے محمد! جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دنیا سے اُٹھنے کی علامت ہے اسلیئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ، بے شبہہ خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے" حضرت عمر نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا بھی خیال ہے۔[1]

ایک اور دن صحابہ کا مجمع تھا، عبداللہ بن عباس بھی شریک تھے، حضرت عمر نے اس آیت کے معنی پوچھے اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ" لوگوں نے کہا خدا زیادہ جانتا ہے" حضرت عمر کو اس لا حاصل جواب پر غصہ آیا اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیئے کہ نہیں معلوم ہے" عبداللہ بن عباس آیت کے صحیح معنے جانتے تھے لیکن کم عمری کیوجہ سے جھجکتے تھے، حضرت عمر نے انکی طرف دیکھ کر کہا صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمھارے خیال میں ہو بیان کرو" عبداللہ بن عباس نے کہا خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے، چونکہ جواب ناتمام تھا، حضرت عمر نے اسپر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمر نے فرمایا" یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جسکو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے لیکن اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے"[2]

ایکدفعہ، مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمر کے سامنے آئے، حضرت عمر نے سزا دینی چاہی اُنھوں نے کہا کہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پر سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے" پھر یہ آیت۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا۔	یعنے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیئے اُنھوں نے جو کچھ کھایا پیا، اُنپر الزام نہیں۔

---

[1] صحیح بخاری تفسیر اذا جاء [2] صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۶۵۱۔

استدلال میں پیش کر کے کہا کہ میں بدر، احد، حدیبیہ، خندق اور دیگر غزوات میں آنحضرت کے ساتھ رہا ہوں اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کئے،" حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا عبد اللہ بن عباس بولے کہ یہ معافی پچھلے زمانے کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی اور اعمال اگر صالح ہیں تو اُن پر کچھ الزام نہیں اسکے بعد یہ آیت پڑھی جسمیں شراب کی ممانعت کی تصریح ہے[۵۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ

ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اسمیں وہ نوعمر اور معمّروں کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے[۵۲]۔

وکان القراء اصحاب مجالس عمرؓ ومشاورته كهولاً كانوا او شبانًا۔	یعنی حضرت عمر کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے۔ خواہ بوڑھے ہوں یا جواں۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور جو فقہ عمری کہلاتا ہے، انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد الرحمن بن عوف، حُر بن قیس تھے۔ حضرت عمر ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کیوجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے۔ تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے۔ یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر اُن سے قریب رتبہ والے، وعلی ھذا۔ لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص اُن لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے چنانچہ عبد اللہ بن عباس کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا تھا کہ سوال و جواب میں، اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں، یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں[۵۳]۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے۔ مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمر انکو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے[۵۴] عبد اللہ بن عباس

---

[۵۱] ازالۃ الخفاء بحوالہ روایت حاکم صفحہ ۲۱۳ [۵۲] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶۹ بغوی نے زہری سے روایت کی ہے کان مجلس عمر مغتصًا من القراء ازالۃ الخفاء حصہ دوم ۱۱۹)
[۵۳] فتح الباری شرح بخاری حصہ ا جزء ا مطبوعہ مصر السد [۵۴] ازالۃ الخفاء بحوالہ بغوی صفحہ ۱۱۹ ح ۲

اُسوقت بالکل نوجوان تھے، اُنکی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اُنکی خصوصیت کی وجہ بتائی اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جسکا جواب بجز عبداللہ بن عباسؓ کے اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ ابن مسعودؓ کی بھی بہت قدر کرتے تھے۔ ۲۰ھ میں جب اُنکو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ "میں اُنکو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں۔ اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ اُنکو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں"۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ ابن مسعودؓ نے حل کیا تو اُنکی شان میں فرمایا۔

یعنی ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے"	كُنَيْفٌ مُلِئَ عِلْمًا

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص اُنکا ہمسر نہ تھا۔ تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خرد بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور اُن سے ڈرتے تھے۔ ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اُٹھ گیا"۔ زید بن ثابت کو اکثر اپنی غیبت میں اپنا جانشین کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر اُنکو عطا کرتے تھے[1]۔ اسی طرح ابوعبیدہ، سلمان فارسی، عمیر بن سعد، ابوموسیٰ اشعری، سالم، ابودرداء، عمران بن حصین وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بنا پر مقرر کیے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاری جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن اُنکا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا اس بنا پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

اہل کمال کی قدردانی

اُن کی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اُسکے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہب الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بنا پر مقرر کیا کہ وہ پرخطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں[2]۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بنا پر مقرر کیے کہ خارجہ بہادر اور عثمان نہایت فیاض تھے[3]۔

---

[1] سیرۃ العمرین لابن الجوزی کتاب ۵۳ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶ [3] ۵۳ کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۱۴

لطیفہ ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جسقدر شعرا ہیں اُنکے وہ اشعار جو انھوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہ نے پہلے اغلب عجلی کو بلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمایش کی اُسنے یہ شعر پڑھا

لقد طلبت ہیّنا موجودا	ارجزا ترید ام قصیدا
تم نے بہت آسان چیز کی فرمایش کی	بولو، قصیدہ چاہتے ہو یا رجز؟

پھر لبید کو بلا کر یہ حکم سنایا، وہ سورہ بقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجکو یہ عنایت کیا ہے مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمر کو لکھ بھیجی وہاں سے جواب آیا کہ اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینہ میں پانسو کا اضافہ کردو۔ اغلب نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہی صلہ ہے!! حضرت عمر نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اُسکی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔

اُس زمانے میں جسقدر اہل کمال تھے، مثلاً شعرا، خطبا، نساب، پہلوان، بہادر سب اُن کے دربار میں آئے اور اُنکی قدردانی کے مشکور ہوئے، اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابوبکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اُسکو اسقدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا جس طرف نکل جاتا، زن و مرد اُسکے گرد جمع ہو جاتے اور اُس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے، مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا اور سب کو رُلاتا جاتا۔ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمایش کی اُسنے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے۔

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ	من الدہر حتی قیل لن یتصدعا
ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے)	کے ندیموں کی طرح ساتھ رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ اب جدا نہ ہوں گے
فلما تفرقنا کانی ومالکا	بطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا
پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے	تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی

حضرت عمر نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجکو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا

اس نے کہا امیر المومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح یعنی شہید ہو کر مارا جاتا تو میں ہرگز اسکا ماتم نہ کرتا، حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی

اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنسا تھی، اسکا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے علماے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آجتک خنساء کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو کعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا، پاس جاکر تعزیت و تسلی کی اور جب اسکے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اسکے نام جاری کردیں

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالد اور عمرو معدیکرب تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے دونوں کو اپنے دربار میں بلایا اور قادسیہ کے معرکہ میں جب انکو بھیجا تو سعد وقاص کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں، عمرو معدیکرب بہادری کے ساتھ لبیب اور شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ اکثر ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کیے اور عمرو معدیکرب نے ایک ایک کی نسبت نہایت مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اسکو اہل ادب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب میں تفصیل لکھا ہے چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اَخُوکَ وَرُبَّمَا خَانَکَ۔	یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دیجاتا ہے

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

رُسُلُ المَنَایَا تُخطِی وَتُصِیبُ۔	یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل مقصود تک پہنچتے ہیں کبھی بہک جاتے ہیں

ڈھال کی نسبت کہا عَلَیہِ تَدُورُ الدَّوَائِرُ اسی طرح ایک ایک ہتیار کی نسبت عجیب عجیب بلیغ فقرے استعمال کیے جنکی تفصیل کا یہ محل نہیں

حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کردیا اور

حضرت عمر نے اُنکی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے۔

متعلقین رسول اللہ پاس و ل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرت کے تعلقات کے قرب بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اُنھیں بھی حضرت عباس و حضرت علی کے ناموں سے ابتدا کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت سے نسب میں قریب بنو اُمیہ تھے۔ پھر بنو عبدالشمس و بنو نوفل، پھر عبدالعزیٰ یہانتک کہ حضرت عمر کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا تھا چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن اُنکی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہ کے ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلعم اُسامہ کو تجھ سے اور اُسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]۔

حضرت علی کے ساتھ حضرت ابوبکر کی ابتداے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر کشیدگی رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر کی خلافت پر بیعت نہیں کی، چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ زہرا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علی نے حضرت ابوبکر کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن جب یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں، کیونکہ حضرت علی حضرت عمر کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے[2]۔

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہوگئی، چنانچہ حضرت عمر بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت علی بھی نہایت دوستانہ

---

[1] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و ۲۵ میں ہے۔ [2] بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کراھیۃ لمحضر عمر۔

اور منصفانہ ہوتے تھے نہاوند کے معرکہ میں انکو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے گئے۔ اتحاد و یگانگت کا اخیر درجہ یہ تھا کہ حضرت علی نے حضرت ام کلثوم کو جو فاطمہ زہرا کے بطن سے تھیں ان سے منسوب کر دیا تھا جس کی تفصیل آگے آتی ہے

اخلاق و عادات

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں مورخوں نے جو تفصیل اور سادگی کا مستقل ذکر نہ کیا ہے اور درحقیقت

تواضع و سادگی

انکی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے اس زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے خالد و امیر معاویہ سے بازپرس ہے، سعد وقاص ابو موسیٰ اشعری عمرو بن العاص کے نام احکام جا رہے ہیں دوسرا رخ یہ کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے، سر پر پھٹا سا عمامہ ہے، پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں اسی حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لیے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اسلیئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا جہاں ٹھیرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے ابن سعد کی روایت ہے کہ انکا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس کے کم و بیش ۱۰؍ ہوتے ہیں ایکدفعہ احنف بن قیس رؤسائے عرب کے ساتھ اُن سے ملنے کو گئے دیکھا تو دامن چڑھائے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں احنف کو دیکھ کر کہا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو بیت المال کا ایک اُونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو ایک اُونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے ایک شخص نے کہا امیر المومنین! آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائیگا۔ فرمایا أَيُّ عَبْدٍ أَعْبَدُ مِنِّي یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔

لہ موطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچکر قضائے حاجت کے لیئے سواری سے اترے اسلم انکا غلام بھی ساتھ تھا فارغ ہو کر آئے تو (بھول کر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے

لہ کتاب کر صفحہ ۳۰ باب الزہد

اونٹ پر سوار ہوگئے ادھر اہلِ شام استقبال کو آرہے تھے، جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا وہ حضرت عمر کی طرف اشارہ کرتا تھا، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں (حیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے، حضرت عمر نے فرمایا کہ انکی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈھ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں؟)

ایکدفعہ خطبہ میں کہا کہ صاحبو! ایک زمانہ میں میں اسقدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لادیا کرتا تھا وہ اُسکے صلے میں مجکو چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا، یہ کہکر ممبر سے اتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ ممبر پر کہنے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آگیا تھا، یہ اُسکی دوا تھی۔

سنہ ۲۳ھ میں سفرِ حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اُنکی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا، سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ انکا بیان ہے کہ حضرت عمر جب ابطح میں پہونچے تو سنگریزے سمیٹ کر اُسپر کپڑا ڈال دیا اور اُسیکو تکیہ بنا کر فرشِ خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور کہا ای خدا! میری عمر اب زیادہ ہوگئی۔ اور قویٰ کمزور ہوگئے اب مجکو دنیا سے اُٹھا لے۔

اگرچہ خلافت کے افکار نے انکو خشک مزاج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ انکی طبعی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشتغال سے جی بہلاتے تھے ایکدفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوایا کیے۔ جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ "اب قرآن پڑھو"۔ محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی، اُدھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے، ایکدفعہ سفرِ حج میں حضرت عثمان، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر وغیرہ ساتھ تھے۔ عبد اللہ بن زبیر اپنے ہم سنوں کے ساتھ چہل کرتے اور حنظل کے دانے اُچھالتے چلتے تھے، حضرت عمر صرف اسقدر فرماتے تھے کہ دیکھو اُونٹ بھڑکنے نہ پائیں، لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی وہ حضرت عمر کے خیال سے رُکے، لیکن جب حضرت عمر نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا، حضرت عمر بھی سنتے رہے جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ "بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے"[2] ایک دفعہ سفرِ حج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا لوگوں

---

[1] موطا امام محمد صفحہ ۳۰۔ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۶۔

نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ اسکو منع نہیں کرتے؟ فرمایا کہ "گانا، شتر سواروں کا زاد راہ ہے"[1]۔ خوات بن جبیرؓ کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ سفر میں میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا، ابو عبیدہ اور عبدالرحمن بن عوف بھی ہمرکاب تھے لوگوں نے مجھ سے فرمایش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا"[2]۔

تیزی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا جاہلیت کے زمانہ میں تو وہ مشہور تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اسکا اثر نہیں گیا۔

غزوۂ بدر میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجکو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کرکے اپنے ساتھ لیا، ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اسلیے اگر ابو البختری، یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو انکو قتل نہ کرنا، ابو حذیفہؓ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ واللہ اگر عباس مجکو ہاتھ آئیگے تو میں انکو تلوار کا مزہ چکھاؤں گا"، آنحضرتؐ کو انکی یہ گستاخی ناگوار گزری، حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ "ابو حفص! (حضرت عمرؓ کی کنیت تھی) دیکھتے ہو! عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے"؛ حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہوگئے اور کہا "اجازت دیجیے کہ میں اسکا سر اڑا دوں"۔ حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ انکی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن بلتعہ ایک معزز صحابی تھے، اور غزوۂ بدر میں شریک رہے تھے انھوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے، کفار مکہ سے خفیہ خط وکتابت کی، یہ راز کھل گیا، حضرت عمرؓ برافروختہ ہو کر آنحضرتؐ کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہوگیا، مجکو اجازت دیجیے کہ اسکو قتل کردوں آنحضرتؐ نے فرمایا ابن الخطاب! تجکو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہدیا ہو کہ تم جو چاہو کرو، میں سب معاف کردوں گا۔ ذو الخویصرہ ایک شخص نے ایکدفعہ آنحضرتؐ سے گستاخانہ کہا کہ "محمد! عدل اختیار کر" حضرت عمرؓ غصے سے بیتاب ہوگئے اور چاہا کہ اسکو قتل کردیں لیکن حضرت نے منع کیا۔ ان واقعات سے تم کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح بے موقع پر انکی تلوار

---

[1] [illegible] صفحہ ۱۹۰ ۔ [2] ازالۃ الخفا بحوالہ ابو عمر صفحہ ۲۸۰

نیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کافر خود مسلمانوں کے ساتھ انکا کیا سلوک تھا، لیکن اسلام کی برکت اور عمر کے انحطاط، اور خلافت کی مہمات نے انکو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور حلیم بنا دیا یہاں تک کہ خلافت کے زمانہ میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے۔

انکی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں، قراین سے اسقدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ انکو بالکل شغف نہ تھا جسکی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جسقدر عزت کرنی چاہیے نہیں کرتے تھے صحیح بخاری باب اللباس میں خود انکا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اسمیں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں تاہم ہم انکو معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے تھے“، اسی روایت میں ہے کہ ایکدفعہ انھوں نے اپنی بیوی کو سخت کہا، انھوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اسپر کہا کہ اب تمھارا یہ رتبہ پہنچا وہ بولیں کہ تمھاری بیٹی تو رسول اللہ سے دوبدو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمر کی ایک بیوی جمیلہ تھیں انکے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمر نے انکو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابوبکر کا زمانہ تھا، اور حضرت عمر قبا سے جہاں پہلے رہا کرتے تھے۔ اٹھکر مدینے میں آگئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا، کی طرف جا نکلے۔ عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمر نے انکو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لیجانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی، وہ آن کر مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے ساتھ رکھوں گی“ جھگڑا طول کھینچا اور وہ حضرت ابوبکر کے ہاں فریادی آئیں۔ حضرت ابوبکر نے، حضرت عمر کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لیئے وہ مجبور رہ گئے“، یہ واقعہ موطا امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ انکا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی انکو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت

قلق ہوا فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجکو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب انکی خدمت میں آیا تو فرمایش کی کہ زید کا مرثیہ کہو مجکو تمہارا سا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔

حضرت عمر نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں مکہ سے جب ہجرت کی تو عوالی میں آکر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالبًا وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آرہے یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمہ کے بیچ میں واقع تھا چونکہ مرتے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچکر انکا قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہ نے اُسکو خرید ا اور زرِ قیمت سے قرض ادا کیا گیا اسلیے یہ مکان مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا[1]۔

اصل معاش
ریعہ

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کے لاعلمی کا انھوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں پہنچکر ابوبکر و عمر کو جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرت نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر کے حصے میں جو زمین آئی اُسکا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلمبند کرا دیئے تھے، یہود بنی حارثہ

جاگیر

سے بھی انکو ایک زمین ہاتھ آئی تھی اور اُسکا نام بھی ثمغ تھا لیکن انھوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں[2]۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے۔ وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں، یہ زمین نہ بیچی جائیگی۔ نہ ہبہ کیجائیگی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقرا ذوی القربےٰ، غلام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس بعد اُنھوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لیے درخواست کی اسپر حضرت علی کی رائے کے موافق اسقدر تنخواہ مقرر ہوگئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں

---

[1] دیکھو خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۹ اور حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۲۷۲ [2] خلاصۃ الوفا، نقلاعن صحیح۔

جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اول اول زراعت بھی کی تھی لیکن اسطرح کہ کھیت بٹائی پر دیدیتے تھے تخم کبھی خود مہیا کرتے تھے اور کبھی اسکا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعۃ میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے۔

غذا غذا نہایت سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دستر خوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کا التزام کر لیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزیں دستر خوان پر ہوتی تھیں اور وہ یہ ہوتی تھیں گوشت، روغن زیتون۔ دودھ۔ ترکاری۔ سرکہ۔ مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی انکو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اسکا رواج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمر بھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی وہی عربی وضع کی ہوتی تھی جسمیں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اسلئے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہنکر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ وہ رہبانیت اور تقشف کو پسند کرتے تھے اس باب میں انکی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایکدفعہ ایک شخص جسکو انھوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ۔ لباس فاخرہ زیب بدن تھا اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا حضرت عمر نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان مو اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پراگندہ مو رہنا چاہیئے نہ پٹیاں جمانی چاہیئں

حاصل یہ کہ وہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے

حلیہ

حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گون، قد نہایت لانبا یہاں تک کہ سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو انکا قد سب سے نکلا ہوتا تھا۔ رخسارے کم گوشت۔ گھنی داڑھی۔ مونچھیں بڑی بڑی سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

اولیات

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو جو باتیں نئی ایجاد کیں[1] مورخین نے یکجا لکھا ہے اور انکو **اولیات** سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول تا آخر نسبتے دارد۔

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

(۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔

(۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آجتک جاری ہے۔

(۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔

(۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۷) دفتر مال قائم کیا۔

(۸) پیمائش جاری کی۔

(۹) مردم شماری کرائی۔

(۱۰) نہریں کھدوائیں۔

(۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ جیزہ۔ فسطاط۔ موصل۔

(۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

(۱۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی (اسکی تفصیل صیغہ محاصل میں گذر چکی ہے)

HYDERABAD STATE LIBRARY

---

[1] انہیں سے اکثر اولیات کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری اور تاریخ طبری میں یکجا مذکور ہیں۔ باقی جستہ جستہ موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

(۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصّل مقرر کیے۔

(۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

(۱۶) جیلخانہ قائم کیا۔

(۱۷) درّہ کا استعمال کیا۔

(۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

(۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

(۲۰) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

(۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنّس کی تمیز قائم کی جو اُس وقت تک عرب میں نہ تھی۔

(۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے۔

(۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منوّرہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات بنوائے۔

(۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچّوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔

(۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہلِ عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جا سکتے۔

(۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرّر کیے۔

(۲۸) مکاتب قائم کیے۔

(۲۹) معلّموں اور مدرّسوں کے مشاہرے مقرر کیے۔

(۳۰) حضرت ابوبکر کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پُورا کیا۔

(۳۱) **قیاس** کا اُصول قائم کیا۔

(۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

(۳۳) فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم اضافہ کیا۔ چنانچہ مؤطا امام مالک میں اسکی تفصیل مذکور ہے۔

(۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی

(۳۵) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دیجائیں طلاق باین قرار دیا۔

(۳۶) شراب کی حد کے لیے اسّی کوڑے مقرر کیے

(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا چنانچہ انکی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

(۴۲) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

(۴۵) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا ان کے سوا اور بہت سی انکی اولیات ہیں۔ جنکو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کیے۔ پہلا نکاح عثمانؓ بن مظعون کی بہن **زینب** کے ساتھ ہوا عثمان بن مظعون سابقین صحابہ میں سے تھے۔ یعنی اسلام لانیوالوں میں انکا چودھواں نمبر تھا سنہ ۲ھ میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ کو انکی وفات کا اسقدر صدمہ ہوا کہ آپ انکے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے اور بے اختیار رونے جاتے تھے۔ عثمانؓ کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینبؓ مسلمان ہو کر

مکہ معظمہ میں مریں، حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ انہی کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو آنحضرت کی زوجہ مبارک ام سلمہ کی بہن تھیں چونکہ اسلام نہیں لائیں اور مسئلہ کہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اسلیئے صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں انکو طلاق دیدی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول الخزاعی تھیں انکو ام کلثوم بھی کہتے ہیں، یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اسوجہ سے ۶ھ میں انکو بھی طلاق دیدی۔ عبداللہ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے۔ اور ملیکہ۔ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں مدینہ منورہ میں آکر انصار میں قرابت پیدا کی، یعنی ۷ھ میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے، انکی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت نے بدلکر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن انکو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی۔

اخیر عمر میں انکو خیال ہوا کہ خاندان نبوۃ سے تعلق پیدا کریں جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا چنانچہ جناب امیر سے حضرت ام کلثوم کے لیئے درخواست کی، جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا لیکن جب حضرت عمر نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجکو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیر نے منظور فرمایا اور ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔[۱]

---

[۱] حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتبر تاریخوں میں مفصل لکھا ہے، علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں، ابن قتیبہ نے معارف میں، ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمر کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی آپکی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں مؤرخوں نے صاف تفریق کی ہے، علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گذری ہیں اور ان سے بڑھکر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہوسکتی ہے چونکہ وہ خاص بحث ہے اس موقع پر نقل کرتا ہوں ثقات ابن حبان ذکر خلافۃ عمر واقعات ۱۷ھ میں ہے وتزوج عمر ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب وھی من فاطمۃ ودخل بھا فی شھر ذی القعدۃ معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے وفاطمۃ وزید وامھما ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسد الغابۃ فی احوال الاصحاب ابن الاثیر میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ انکی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے اسیطرح طبری نے بھی بتصریح کی ہے جسکو ہم طول کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں سب سے بڑھکر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے جسکا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک دفعہ عورتوں کو چادریں تقسیم کیں ایک بچ رہی اسکی نسبت انکو تردد تھا کہ کس کو دیجائے ایک شخص نے آپ سے مخاطب ہوکر کہا یا امیر المؤمنین اعط ھذا بنت رسول اللہ صلعم التی عندک یریدون ام کلثوم (صحیح بخاری باب الجہاد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۴۰۳) اسمیں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں جناب فاطمہ کے بطن سے تھیں۔

حضرت عمر کے اور بیبیاں بھی تھیں یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی، فکیہہ یمنیہ، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ، حضرت عمر کی چچیری بہن تھیں۔ انکا نکاح پہلے حضرت ابوبکر کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا اور چونکہ عاتکہ نہایت خوبصورت تھیں، عبداللہ انکو بہت چاہتے تھے، عبداللہ غزوۂ طائف میں شہید ہوگئے، عاتکہ نے انکا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فَآلَیْتُ لَا تَنْفَکُّ عَیْنِیْ حَزِیْنَۃً	عَلَیْکَ وَلَا یَنفَکُّ جِلْدِیْ اَغْبَرَا
میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ	تیرے اوپر غمگین رہیگی اور بدن خاک آلودہ رہیگا

حضرت عمر نے سنہ ۱۲ھ میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علی بھی شریک تھے۔

حضرت عمر کے اولاد کثرت سے ہوئی، جن میں سے حضرت حفصہ اس لئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں۔ انکا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو وہ سنہ ۳ھ میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ سنہ ۴۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر پاکر انتقال کیا۔

ولاد ذکور

دبن عمر

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں، عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابوشحمہ، عبدالرحمن، زید، مجیر۔ ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں، حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں، وہ حضرت عمر کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت کے ہمرکاب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں انکا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جس سے ان کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے، ایکدفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا، عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا "یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے"، چنانچہ اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے انکو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی اور امیر معاویہ نے اپنا معاملہ حَکَم کے ہاتھ میں دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ سے آکر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں آپ آمادہ ہو جیئے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

حضرت عبداللہ کے بیٹے **سالم** فقہائے سبعہ مدینہ منورہ کے اُن سات فقہاء میں محسوب ہیں جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔ خارجہ بن زید۔ عروۃ بن الزبیر۔ سلیمان بن یسار۔ عبیداللہ بن عبداللہ۔ سعید بن المسیب۔ قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زر کہتے ہیں یعنی اول۔ وہ حدیث جسکی روایت کے سلسلے میں امام مالک نافع عبداللہ بن عمر ہوں۔ دوسری وہ حدیث جسکے سلسلے میں زہری۔ سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبداللہ اُن کے بیٹے۔ اور سالم پوتے۔ اور نافع غلام تھے۔ حضرت عمرؓ کے دوسرے بیٹے عبیداللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور ہیں۔ تیسرے بیٹے **عاصم** نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے۔ سنہ ۷۰ھ میں جب انھوں نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے انکا مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فلیت المنایا کن خلفن عاصما ۔ فعشنا جمیعا او ذھبن بنا معا
کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی ۔ تاکہ ہم سب ساتھ جیتے یا ایسا ہوتا وہ سب کو لے جاتی

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے۔ اور شعر خوب کہتے تھے، چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز انہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمرؓ کے پوتوں پر پوتوں[1] اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

---

[1] حضرت عمرؓ کے ازواج و اولاد کا حال ہم نے اسد الغابہ۔ کتاب المعارف۔ ابن خلکان۔ کامل ابن الاثیر اور تاریخ الخمیس سے لکھا ہے ۱۲

خاتمہ

لَیْسَ لِلّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ   اَن یَّجْمَعَ العَالَمَ فِی وَاحِدٍ

خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے؟   کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے

حضرت عمر کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دنیا میں اور جسقدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں، اُن کی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں، یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر کا کوئی ہمپایہ گزرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اسکو بہت کم حصہ ملا تھا۔ **سکندر** سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا۔ لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف۔ چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گذرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب **حضرت عمر** کے حالات اور انکی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی، امام ابوحنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جسقدر حکمراں گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا

یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعتہً فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابوالفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب و غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے انکو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کونسا پرزہ نکل گیا ہے، سعد وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا، وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے اُن میں سے کسی کے پابند نہ تھے، وہ حکومت کی کَل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پُرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور جہاں چاہا لگا دیا، مصلحت ہوئی تو کسی پُرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پُرزے تیار کر لیے۔

دُنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گذرا جسکو مُلکی ضرورتوں کی وجہ سے، عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیرواں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اُسکا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اسکے حضرت عمرؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔ دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے، وہاں مُدّت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے۔ اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی، قدیم انتظامات باخود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اسکے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغازِ شباب تو اُونٹوں کے چرانے میں گذرا تھا ان حالات کے ساتھ، ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے مُلکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغہ عدالت، فوجداری اور پولیس۔ پبلک ورکس۔ تعلیمات۔ صیغہ فوج،

کو اسقدر ترقی دینی اور اُن کے اُصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟ -

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمراں دکھا سکتے ہو؟ جسکی معاشرت یہ ہو کہ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں، کاندھے پر مشک رکھکر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو۔ فرش خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو۔ اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ در و دربار نقیب و چاؤش حشم و خدم کے نام سے آشنا نہ ہو اور پھر یہ رعب داب ہو کہ عرب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رُخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب انکا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروقؓ کے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکزِ عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اِس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس۔ زید بن ثابت۔ ابو ہریرۃ۔ عبد اللہ بن عمر عبد اللہ بن مسعود اُنکے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہاد سے موازنہ کرو صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئیگا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین و ائمہ فن پیدا ہوئے مثلاً امام ابو حنیفہ۔ شافعی۔ بخاری غزالی۔ رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اُسپر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا و قدر۔ تعظیم شعائر اللہ۔ حیثیت نبوت۔ احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا۔ احادیث کا درجہ اعتبار۔ خبر احاد کی قابلیت احتجاج۔ احکام خمس و غنیمت۔ یہ مسائل شروع اسلام سے آجتک معرکہ آرا رہے ہیں اور ائمہ فن نے اُن کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا ہے لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمرؓ نے اِن مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق کا ایک قدم بھی اُس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا اُن کی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیا کے سوا اور کون شخص اُن کا ہمپایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت۔

واضع و انکسار- خاکساری و سادگی - راستی و حق پرستی - صبر و رضا- شکر و توکل - یہ اوصاف اُن میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا- لقمان- ابراہیم ادہم- ابوبکر شبلی- معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جاسکتے تھے ؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں-

"سینہ فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد در ہر درے صاحب کمالے نشستہ دریک در مثلاً سکندر ذوالقرنین با آنہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء، و در دیگر نوشیروانے با آن ہمہ رفق و لین و رعیت پروری و دادگستری (اگرچہ ذکر نوشیروان در مبحث فضائل حضرت فاروق سوء ادب ست) و در دیگر امام ابوحنیفہ یا امام مالکے با آن ہمہ قیام بہ علم فتوے و احکام و در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاء الدین و در دیگر محدثے بروزن ابوہریرۃ و

ابن عمرؓ و دردیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومیؒ یا شیخ فریدالدین عطارؒ و مردمان گرداگرد این خانہ ایستادہ اند و ہر محتاجے حاجتِ خود را از صاحب فن درخواست مینماید و کامیاب مے گردد۔"

شبلی نعمانی
مقام کشمیر

۵ جولائی سنہ ۱۸۹۸ء

HYDERABAD STATE LIBRARY

نمبر مسلسل

نمبر

کتاب نمبر ۱۳۴۱

NC [illegible]

ہ خواتین تیموریہ جس میں کے نامور و مشہور خاندان تیموریہ و ہن اور عفت و عصمت مآب شا بیگمات کے علاوہ بہت سی ت کی دیویوں اور شریف خاتونوں کے نہایت دلچسپ و ندرت آمیز واقعات اور حیرت انگیز حالات شرح کے ساتھ سلسلہ وار ب حروف تہجی اردو کی مقبول طرز سوب پیرائے میں لکھے گئے ہیں عظیم الشان خاندان کے سلسلہ سے کھتے ہیں قیمت عہ ر

دولت درّانیہ

احمد شاہ درّانی والی افغانستان مفصل حالات زندگی۔ آغاز حکومت ستان پر متواتر حملے۔ سکھوں منیوں کی مشہور معرکہ آرائیاں ستان کی فتوحات وغیرہ وغیرہ بسط و توضیح کے ساتھ ذکر اُس کے نامور فرزند تیمور شاہ بیدار بخت زمان شاہ کے لطنت کے تمام واقعات نہایت اور عمدگی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی اُن پُرزور بغاوتوں اور باہمی خانہ جنگیوں کا بھی مذکور ہے جو اُن تینوں نامور حکمرانوں کے عہد حکومت میں پھیلیں اور فرو ہوئیں۔ غرضکہ سنہ ۱۱۶۰ ہجری سے سنہ ۱۲۱۳ ہجری تک کے تمام واقعات نہایت خوبی سے درج ہیں قیمت عمر

مثنوی نشترِ غم

یعنی سید حسن شاہ اور خانم جان کا وہ دردناک۔ سچا۔ اور تاریخی قصہ ہے جو ناول نشتر سے لیکر مثنوی گلزار نسیم کی بحر میں نہایت ہی معنی خیز اختصار کے پیرایے میں بطرز جدید نظم کیا گیا ہے قیمت صرف ۸ر

حیاتِ ولی

حیات ولی ایک جدید اور قابل قدر کتاب ہے جس میں عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحہ محدث دہلوی اور اُنکے محترم اور معزز خاندان کی سوانح عمری کا دلچسپ اور مفصل حال اور بابرکت اور عالی خاندان کی بالکل سچی تاریخ ہے جو نہایت مستند تذکروں اور معتبر ذریعوں سے منتخب کیگئی ہے شاہ ولی اللہ صاحب اور اُن کے خاندان کے متعلق تقریباً دو سو حضرات کے واقعات اور اُن کے سچے۔ تاریخی مستند اور دلچسپ حالات اور اُنکے چاروں چمکتے ستاروں یعنی مولانا شاہ عبد العزیز صاحب۔ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب۔ مولانا شاہ عبد القادر صاحب۔ مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مکمل و مفصل سوانحات درج ہوئے ہیں جو دیکھنے سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کچھ ایسا پردۂ غفلت اُٹھاتا ہے گویا دیکھنے والا خود ان بزرگوں کے متبرک حلقے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسپر مزید یہ کہ جا بجا مفید نوٹ دیئے ہیں اور بلحاظ ضخامت شائقین سے بہت کم قیمت لی جاتی ہے یعنی فی جلد عمر

قرآن شریف مترجم

یہ قرآن شریف متوسط تقطیع کا بہت خوش خط لکھوایا گیا ہے اور نہایت محنت اور جانفشانی سے تیار کیا گیا ہے۔ کاغذ بہت دبیز اور سفید ہے ترجمہ اردو۔ ہدیہ صرف للعہ مقرر ہے

مختصر فہرست کتب فضل الاخبار بک ایجنسی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مرزا عبد الغفار بیگ مالک فضل المطابع دہلی